قارئین کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔۔۔۔

قارئین کی سہولت کے پیش نظر تفسیر **فیضان الرحمن** کی جلد ہذا کو ایک دفعہ پڑھنے کے بعد نیٹ پر ''اَپ لوڈ'' کر دیا گیا ہے۔ ابھی تک اس میں اُردو اور عربی کی غلطیاں موجود ہیں۔ لہٰذا بوقت مطالعہ ''قرآنی آیات'' کے سلسلہ میں پرنٹ شدہ قرآن پاک سے استفادہ کریں۔ جلد ہذا کی دوسری دفعہ پروف ریڈنگ جاری ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد پروف ریڈنگ کے بعد جلد ہذا کو دوبارہ ''اَپ لوڈ'' کر دیا جائے گا۔ شکریہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ﷻ

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے
(یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کیلئے

کتاب مستطاب

جلد دوم

فیضان الرحمن

فی تفسیر القرآن

از افادات عالیہ

مفسر قرآن حجۃ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر والزمان مدظلہ العالی

آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین النجفی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب-----------------------فیضان الرحمٰن

جلد-------------------------جلد دوم

مصنف-----------------------آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دام ظلہٗ

کمپوزنگ----------------------فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

ڈیزائننگ وسیٹنگ-----------------قلب علی سیال فون: 0301-7229417

سال اشاعت------------------2013ء

ناشر-------------------------مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ-------------------------

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون نمبرز۔ 042-37314311,0321-4481214

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ !مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عہدِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائید واعانت کا ثمرہ ہے۔

مہربان ،رحیم وکریم خالق نے ''انسان'' کو اپنی تمام مخلوقات میں عزت وشرف کے تاج سے مزیّن فرما کر فلکِ نیلگوں کے زیرِ سایہ نعماتِ انواع واقسام سے سرشار ،فکری ونظری نشانیوں سے مرصع ایسے قطعۂ ارض پر متمکن فرمایا۔جہاں ہر روز آفتابِ عالم ظلمات اللّیل کو فاش کرتے ہوئے نجوم وقمر کے تسلط کو دامنِ فلک میں گوشہ نشین کر دیتا ہے اور اپنے فیوضاتِ پُروقار سے ہر ذی روح کے اندر زندگی کی ہلچل کو تیز تر کر دیتا ہے۔

نظامِ شمس وقمر کی ان ضیاؤں سے ہر ذی روح اپنی اپنی استطاعتِ بصارت وبصیرت کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔نباتات اپنی صغیر کلیوں اور حسین پھولوں کے ذریعے شبنم وقمر کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتے ہیں چرندو پرند سورج کی کرنوں سے سینۂ ارض پر غذائی نعمات پا کر مسرور ہوتے ہیں۔درندے تاریکیوں کو جال سمجھ کر اور روشنیوں کو غنیمت جان کر دھرتی پہ جلوہ فگن حُسنِ زندگی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔سورج کی تمازت خیز کرنیں ہوں یا چاند کی دلنشیں شعاعیں ،صاحبانِ بصیرت کیلئے تاریکیوں سے نکل کر اُجالوں سے مستفیض ہونے کی نوید ہیں۔

لہٰذا وہ پاکیزہ نفوس کے حامل اہل بصیرت جو روشنیوں کے منتظر ہوتے ہیں ،وہ خوابِ غفلت میں مدہوش گہری نیند نہیں سوتے بلکہ جونہی ظلمات اللیل اٹھتے ہیں ،وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔مگر وہ مریض نفوس جنہیں قدرت کی ایسی عظیم نعمتوں سے فیضیاب ہونا ہی نہیں آتا وہ سورج کے اس نورِ بے کراں کے سامنے بے فیض ہو کر اپنے مستقبل سے بے خبر ،مایوسیوں کے شکنجے میں مقفس ،پردے کی اوٹ میں چادر اُوڑھ

کر معمول کی گہری نیند سو جاتے ہیں۔

''انسان'' جسم و روح سے مرکب، عقل سلیم کے زیور سے آراستہ اپنے اندر صفاتِ جمیلہ و صفات رذیلہ ہر ایک کے ارتقاء کی قوت رکھتا ہے۔ رذائل کا ارتقاء حیوانات سے بھی بدتر درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ صفات جمیلہ کے ارتقاء سے انسان ملائکہ سے بھی افضل قرار پاتا ہے۔ مایوس اور مریض نفوس کی شفایابی کیلئے، صفاتِ رذیلہ کے خاتمے اور صفاتِ جمیلہ کے ارتقاء کیلئے ہمیشہ حکیمِ روحانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی تسکین اور معرفتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کیلئے قرآنی آیات پر غور و فکر کرنا، ان کے رموز و حقائق کو سمجھنا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی گزارنا، آخرت کی کامیابی و کامرانی کا باعث ہے۔

بلاشبہ دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنے ملک اور اپنی قومی زبان، بلکہ اپنے علاقے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر پاکستان میں علاقائی ذوقِ زبان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور عقائد کی اصلاح اور ان کی پختگی اور اعمال کی اہمیت اور ان کی درستگی کیلئے 10 جلدوں پر مشتمل زیر نظر تفسیری مجموعہ ''**فیضان الرحمٰن**'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی کی عظیم مساعی جمیلہ اور شب و روز کی محنت کا ثمرِ نایاب ہے۔ خداوند عالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور انہیں طاقت و صحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

اراکین مصباح القرآن ٹرسٹ قبلہ موصوف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ادارہ ھذا کو یہ تفسیری مجموعہ پرنٹ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مزید برآں آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر فیضان الرحمٰن ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم و تحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی و عملی استفادہ فرمائیں گے۔ اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز و آراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین جلد دوم

راہ خدا میں پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم ---------- ۲۲

خانہ کعبہ کی قدامت کا بیان ---------- ۲۴

فریضہ حج کی اہمیت اور اس کے شرائط کا بیان ---------- ۲۸

حقیقی مسلمان بن کر مرنے کا حکم اور تقویٰ کی حقیقت کا تذکرہ ---------- ۳۳

اتحاد و اتفاق کے برکات ---------- ۳۴

اختلاف کے نقصانات ---------- ۳۴

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت و افادیت کا تذکرہ ---------- ۳۶

''تم بہترین امت ہو'' کا صحیح مفہوم؟ ---------- ۴۳

اور یہ آلؑ رسولؐ ہیں (تفسیر صافی) ---------- ۴۴

یہود کی ذلت مسکنت کا تذکرہ اور موجودہ حکومت کا بیان ---------- ۴۷

کفار کو مال و اولاد کوئی فائدہ نہ دیں گے ---------- ۵۰

کفار سے مخلصانہ مراسم محبت قائم کرنے کی ممانعت ---------- ۵۲

جنگ احد کا تفصیلی تذکرہ اور اس کا پس منظر و پیش منظر ---------- ۵۵

''الصحابہ کلھم عدول'' کا نظریہ بے بنیاد ہے ---------- ۶۶

دوگنا چوگنا سود کھانے کی حرمت کا بیان ---------- ۶۷

''فاحشہ کیا ہے'' اور ''ظلم علی النفس'' کیا؟ ---------- ۷۱

اہل ایمان کی سربلندی کا مشروطی وعدہ ---------- ۷۴

جنت میں داخل ہونے کے میزان کا بیان ---------- ۷۶

ختم نبوت کی دلیل اور مسلمانوں کے ارتداد کا اندیشہ ---------- ۷۸

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اخلاق کریمانہ کا بیان ---------- ۹۱

اسلام میں مشورہ کی اہمیت ---------- ۹۲
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں سے جس مشورہ کا حکم دیا گیا ہے اس کی نوعیت کیا تھی؟ ---------- ۹۳
جمہوریت کے برحق ہونے کے خیال کا ابطال ---------- ۹۴
مختلف لوگوں کے درجے اور طبقے مختلف ہوتے ہیں ---------- ۹۷
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اہل ایمان پر خدا کا بڑا احسان ہے ---------- ۹۷
جہاد اس لئے واجب ہے کہ مومن ومنافق کی پہچان ہوجائے ---------- ۹۹
شہیدان راہ خدا زندہ ہیں ---------- ۱۰۲
غزوہ بدر الصغری کا تذکرہ ---------- ۱۰۴
شیطان اپنے دوستوں کے ذریعہ سے اہل ایمان کو ڈراتا ہے ---------- ۱۰۵
دنیوی نعمتوں کی کثرت محبوب خدا اور ان کی قلت مبغوض خدا ہونے کی دلیل نہیں ہے ---------- ۱۰۸
بعض بدکاروں کو ڈھیل دینے کی حکمت ---------- ۱۰۸
پاک اور ناپاک لوگوں میں امتیاز کرنے کی ضرورت اور اس کے ذرائع کا بیان ---------- ۱۰۹
علم غیب کی تعریف ---------- ۱۱۰
غیب کیا ہے؟ ---------- ۱۱۰
علماء متکلمین کی اصطلاح ---------- ۱۱۱
علم غیب قرآنی آیات کی روشنی میں ---------- ۱۱۱
علم غیب ارشادات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں ---------- ۱۱۲
اِطْلَاع عَلَی الْغَیْبِ عِلْمُ الْغَیْبِ نہیں ہے ---------- ۱۱۳
بخل کی مذمت اور اس کے برے انجام کا تذکرہ ---------- ۱۱۵
یہودیوں کا اپنے آپ کو مالدار اور خدا کو غریب ونادر کہنا ---------- ۱۱۶
یہودیوں کے ایمان نہ لانے کے عذر لنگ کا تذکرہ ---------- ۱۱۷
ہر جاندار نے موت کا مزہ چکھنا ہے ---------- ۱۱۹

اللہ کے اہل کتاب اور جملہ اہل ایمان سے اظہار حق کے عہد و پیمان لینے کا تذکرہ ---------- ۱۲۲
اس آیت کی شان نزول ---------- ۱۲۶
اجر عمل کے مطابق ہے ---------- ۱۲۶
سُوْرَۃُ النِّسَآءِ ---------- ۱۳۱
نسل آدم کس طرح چلی اور بڑھی؟ ---------- ۱۳۴
صلہ رحمی کا تاکیدی حکم اور قطع رحمی کی ممانعت ---------- ۱۳۶
ایک مشہور ایراد کا جواب: ---------- ۱۳۸
تعدد ازواج کا جواز مشروط ہے ---------- ۱۳۹
تعدد ازواج کا جواز قرآن وسنت اور عقل سلیم وفطرت صحیحہ کی روشنی میں ---------- ۱۳۹
حق مہر کی ادائیگی واجب ہے ---------- ۱۴۱
اپنا مال ناسمجھ لوگوں کے حوالے کرنے کی ممانعت ---------- ۱۴۲
وراثت مرد اور عورت دونوں کا حصہ ہے ---------- ۱۴۳
پوتے اور نواسے کی وراثت کا مسئلہ: ---------- ۱۴۵
اسلامی قانون وراثت: ---------- ۱۴۷
مقدمہ اُولیٰ ---------- ۱۴۸
وراثت کے اسباب وموجبات کا بیان ---------- ۱۴۸
وراثت کا قاعدہ ---------- ۱۴۸
مقدمہ ثانیہ ---------- ۱۴۹
(۱)۔نصف (آدھا) تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے ---------- ۱۴۹
(۲)۔ربع (چوتھا حصہ) دو قسم کے لوگوں کا ہے ---------- ۱۴۹
(۴)۔ثلثان (دو تہائی) یہ دو قسم کے لوگوں کا حصہ ہے ---------- ۱۵۰
(۵)۔ثلث (ایک تہائی) یہ دو قسم کے لوگوں کا حصہ ہے ---------- ۱۵۰

(۶)۔سدس (چھٹا حصہ) یہ تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے ---------- ۱۵۰
مقدمہ ثالثہ ---------- ۱۵۰
مقدمہ رابعہ ---------- ۱۵۱
وراثت بیوگان کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت ---------- ۱۵۶
کلالہ کا مسئلہ ---------- ۱۵۷
زناکاری کی منسوخ شدہ سزا کا بیان ---------- ۱۶۱
قوم لوط کے عمل بد کی فضیحت ---------- ۱۶۱
کس قسم کی توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ لازم ہے؟ ---------- ۱۶۴
توبہ کی قبولیت کے دیگر بعض شرائط کا بیان ---------- ۱۶۶
عقد متعہ کا جواز قرآن وسنت اور اہل اسلام کے اجماع کی روشنی میں ---------- ۱۷۴
عقد متعہ کے ارکان اربعہ کا بیان ---------- ۱۷۶
ایک غلطی کا ازالہ ---------- ۱۷۷
مسلمان کنیزوں سے نکاح کرنے کے شرائط ---------- ۱۷۷
ایک اشکال اور اس کا جواب ---------- ۱۷۹
غلامی کے نظام میں اسلام کی بعض اصلاحات کا تذکرہ ---------- ۱۸۰
خدا تَوَّابٌ وَرَحِیْمٌ ہے ---------- ۱۸۲
خواہشات کے بندے تمہیں راہ راست سے بھٹکانہ چاہتے ہیں ---------- ۱۸۳
اسلامی تجارت کا تذکرہ ---------- ۱۸۴
تجارت کا طریقہ کار کیا ہے؟ اور اس کے شرائط کیا ہیں؟ ---------- ۱۸۵
اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے ---------- ۱۸۶
گناہان کبیرہ وصغیرہ کا بیان ---------- ۱۸۸
کبیرہ وصغیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور پھر گناہان کبیرہ کس قدر ہیں؟ ---------- ۱۸۹

دنیا کی ہر دو چیزوں میں فرق مراتب ہے ---------- ۱۹۲
نعمات وکمالات کی دو قسمیں ہیں اختیاری اور غیر اختیاری ---------- ۱۹۲
اس آیت کی شان نزول ---------- ۱۹۳
مرد وعورت مساوی ہیں یا مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے؟ ---------- ۱۹۵
میاں بیوی کے جھگڑے کی اصلاح کے لئے حکمین مقرر کرنے کا حکم ---------- ۲۰۰
تمام باہمی تنازعات میں ثالث کے ذریعہ سے مصالحت کرانے کا شرعی حکم ---------- ۲۰۱
عبادت خدا کا مفہوم اور اس کی اہمیت ---------- ۲۰۲
شرک کے اقسام: ---------- ۲۰۲
شرک جلی کے اقسام: ---------- ۲۰۳
۵۔ ہمسایہ ---------- ۲۰۴
اسلام میں ہمسایہ کا مقام ---------- ۲۰۴
ہمسایہ کے اقسام: ---------- ۲۰۴
ہمسائیگی کی حد بندی ---------- ۲۰۵
۶۔ پہلو کا ساتھی: ---------- ۲۰۵
کبر ونخوت کی مذمت قرآن وحدیث کی روشنی میں ---------- ۲۰۶
بخل کی مذمت قرآن وسنت کی روشنی میں ---------- ۲۰۷
اللہ کے فضل کو چھپانے کے مفہوم کی وضاحت ---------- ۲۰۸
حضرت رسول خداؐ کے گواہوں کے گواہ ہونے اور اس کی کیفیت کا بیان ---------- ۲۱۱
حرمت شراب کا حکم تدریجاً نازل ہوا ---------- ۲۱۵
قرآن سے استنباط احکام کرنے کا طریقہ کار ---------- ۲۱۶
خلاصہ مطلب ---------- ۲۱۶
امت محمدیہ پر تیمم کے جواز کا خصوصی احسان ---------- ۲۱۷

منہ اور ہاتھوں کی کتنی مقدار پر مسح کیا جائے ---------- ۲۱۷
وضو میں شیعی موقف کی صداقت کا ثبوت: ---------- ۲۱۸
شرک کے نا قابل معافی جرم ہونے کا کیا مطلب ہے ---------- ۲۲۳
توبہ کرنے سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں ---------- ۲۲۳
کمترین شرک کیا ہے؟ ---------- ۲۲۴
معیار شرافت ---------- ۲۲۵
جبت وطاغوت سے کیا مراد ہے؟ ---------- ۲۲۶
لمحہ ٔفکریہ ---------- ۲۲۷
لعنت کا صحیح مفہوم اور یہ کہ لعنت گالی نہیں ہے ---------- ۲۲۸
امانت کا تذکرہ اور اس کی ادائیگی کا حکم ---------- ۲۳۶
امانت کی اہمیت ---------- ۲۳۶
امانت کے بعض اقسام ---------- ۲۳۶
اسلام میں عدل کا مقام ---------- ۲۳۷
آیۃ اولی الامر کی تفسیر ---------- ۲۳۹
اولی الامر کون ہیں؟ ---------- ۲۳۹
اولی الامر کے لئے معصوم ہونا لازم ہے۔ ---------- ۲۴۰
یہ کہنا غلط ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد اسلام میں کوئی معصوم نہیں بلکہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام معصوم ہیں! ۲۴۱
ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی عصمت کے چند دلائل ---------- ۲۴۱
ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہی اولی الامر ہیں ---------- ۲۴۲
نزول مصائب کے مختلف وجوہ واسباب ---------- ۲۴۶
ً بارگاہ خداوندی میں وسیلہ پیش کرنیکا حکم ---------- ۲۴۸
°خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرنیوالوں کے اچھا انجام کا بیان ---------- ۲۵۱

ان چار اصناف کی تعریف ---------- ۲۵۱
یہ چاروں درجے ایک ذات میں جمع بھی ہو سکتے ہیں ---------- ۲۵۲
امت مرزائیہ کے ایک غلط استدلال کا ابطال: ---------- ۲۵۲
ایک ایراد اور اس کا جواب ---------- ۲۵۴
مخلص مجاہدین ہر حال میں کامیاب ہیں ---------- ۲۵۸
جہاد کرنے والوں کی اقسام ---------- ۲۶۰
یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ---------- ۲۶۳
فتوحات سے پہلے بھی منافق موجود تھے ---------- ۲۶۳
لمحۂ فکریہ: ---------- ۲۶۳
مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ کے لئے لمحۂ فکریہ: ---------- ۲۶۵
پیغمبر اسلامؐ کی رسالت تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ ---------- ۲۶۸
شفاعت کے احکام ---------- ۲۷۶
اسلام میں سلام و جواب اور اس کے احکام ---------- ۲۷۷
سلام و جواب کے بعض دوسرے احکام ---------- ۲۷۸
شان نزول ---------- ۲۷۹
قتل نفس محترمہ سخت ترین گناہ ہے ---------- ۲۸۵
قتل کی سزا سخت ترین ہے ---------- ۲۸۵
قتل کا سب سے زیادہ اثر مقتول کے اولیاء پر پڑتا ہے ---------- ۲۸۵
قتل کی اقسام ---------- ۲۸۶
۱۔قتل عمد ---------- ۲۸۶
۲۔قتل شبیہ بعمد ---------- ۲۸۶
۳۔قتل خطأ ---------- ۲۸۷

جہاد ایک اہم اسلامی فریضہ ہے ---------- ۲۹۰
جہاد فرض کفائی ہے ---------- ۲۹۱
لوگوں کی دو قسمیں ہیں ---------- ۲۹۱
خدا نے مجاہدوں کو فضیلت دی ہے ---------- ۲۹۱
لمحہ فکریہ ---------- ۲۹۲
ہجرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی وضاحت ---------- ۲۹۲
ہجرت کے فضائل ---------- ۲۹۲
ہجرت میں قصد قربت ضروری ہے ---------- ۲۹۳
دو اسلامی ہجرتوں کا تذکرہ ---------- ۲۹۳
بوقت ضرورت آج بھی ہجرت کا حکم ہے ---------- ۲۹۳
افادہ جدیدہ ---------- ۲۹۴
نماز سفر اور نماز خوف کا بیان ---------- ۲۹۸
آیت کا ظاہری مفاد ---------- ۲۹۸
آیت کا حقیقی مفہوم ---------- ۲۹۸
یہ قصر رخصت ہے یا عزیمت؟ ---------- ۲۹۹
نماز خوف پڑھنے کی ترکیب؟ ---------- ۳۰۰
نماز باجماعت کی اہمیت ---------- ۳۰۰
دو رکعتی فرقہ کی رد ---------- ۳۰۱
جمع بین الصلوٰتین پر تبصرہ ---------- ۳۰۲
ان آیات کی شان نزول ---------- ۳۰۶
وہ نتائج جو اس واقعہ سے برآمد ہوتے ہیں ---------- ۳۰۷
اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے پرستار زنانے قسم کی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں ---------- ۳۱۲

شیطان کا بندوں سے کس قدر حصہ ہے؟ ---------- ۳۱۳
جاگیر جنت صف امید وخواہش پر نہیں ملتی بلکہ ایمان وعمل پر ملتی ہے ---------- ۳۱۶
احسان کے مفہوم کی وضاحت ---------- ۳۱۸
حنیف کے مفہوم کی وضاحت ---------- ۳۱۸
جناب ابراہیمؑ کے خلیل خدا ہونے کا مفہوم؟ ---------- ۳۱۸
جناب ابراہیمؑ کے خلیل خدا ہونے کا سبب کیا تھا؟ ---------- ۳۱۸
شح کا مفہوم ---------- ۳۲۳
عدل کی دو قسمیں ہیں ایک ممکن ہے اور دوسری ناممکن ---------- ۳۲۴
تمام انبیاء ومرسلین کی تعلیمات کا حاصل تقویٰ ہے۔ ---------- ۳۲۶
آئین قدرت ہے کہ وہ نافرمان قوموں کو ہٹا کر فرماں بردار قوموں کو لاتا ہے ---------- ۳۲۶
دعا واستدعا کرنے والوں کے مختلف اقسام؟ ---------- ۳۲۷
عدل وانصاف کرنا اور سچی گواہی دینا واجب ہے ---------- ۳۲۹
بشارت کے معنی کی تحقیق ---------- ۳۳۴
غلط محافل میں شرکت کرنا حرام ہے ---------- ۳۳۵
جب بیہودہ گو غلط گفتگو ختم کر دیں تو پھر ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے یا ناجائز؟ ---------- ۳۳۶
ہر دور کے منافقون کی روش ---------- ۳۳۷
اہل ایمان کی سربلندی کا خدائی وعدہ ---------- ۳۳۸
اس آیت سے استنباط کردہ چند احکام ---------- ۳۳۸
نماز جمعہ وجماعت میں شرکت کی اہمیت ---------- ۳۳۹
مومن اور منافق کی پہچان ---------- ۳۴۰
ریاکار کی علامات ---------- ۳۴۰
ریاکاری کا انجام ---------- ۳۴۰

عفوودرگذر کی ترغیب ---------- ۳۴۵
کفارومشرکین کی مختلف اقسام کا بیان ---------- ۳۴۶
یہودیوں کے جرائم اوران کی سزاؤں کی مختصرفہرست ---------- ۳۴۸
حماقت کی انتہاء ہے؟ ---------- ۳۵۳
وحی کے لغوی اورشرعی مفہوم کی وضاحت ---------- ۳۵۶
خدانے بعض انبیاء کے حالات بیان کئے ہیں اوربعض کے نہیں کئے ---------- ۳۵۷
کیاسارے انبیاءشرق اوسط سے ہی تعلق رکھتے تھے؟ ---------- ۳۵۸
خدا کے جناب موسیٰؑ سے ہمکلام ہونے کا مفہوم ---------- ۳۵۹
انبیاءومرسلین کی بعثت کا مقصد؟ ---------- ۳۵۹
پیغمبراسلام کی آمد کا اعلان ---------- ۳۶۲
غلو کے لغوی اورشرعی مفہوم کی وضاحت ---------- ۳۶۳
ہمیشہ لوگ بزرگوں کے بارے میں افراط وتفریط میں گرفتار رہے ہیں ---------- ۳۶۳
غلو کے بعض اقسام کا بیان ---------- ۳۶۴
غالیوں کی مذمت ---------- ۳۶۵
جناب عیسیٰؑ بندہ خدا ہونے میں کوئی عار نہیں بلکہ فخر سمجھتے ہیں ---------- ۳۶۷
ازالہءاشتباہ ---------- ۳۶۸
کلالہ کا مفہوم اوراس کی وراثت کا بیان ---------- ۳۶۹

سُورَۃُ المَائِدَۃ ---------- ۳۷۱

سورہ مائدہ کے مضامین وعناوین کی مختصرمگرجامع فہرست ---------- ۳۷۱
اظہارتشکر ---------- ۳۷۳
اس سورہ کی فضیلت ---------- ۳۷۴
ایفائے عقداوروفاءعہدواجب ہے ---------- ۳۷۶

وفاءعہد ---------- ۳۷۷
اضطرار کی حالت میں عہد شکنی جائز ہے ---------- ۳۷۸
حلال جانوروں کا تذکرہ ---------- ۳۷۸
احرام کی حالت میں شکار کرنا حرام ہے ---------- ۳۷۸
شعائراللہ کے مفہوم کی وضاحت ---------- ۳۷۹
اسلام کی عادلانہ اور شریفانہ تعلیم ---------- ۳۸۰
انسان مدنی الطبع ہے ---------- ۳۸۱
اچھے کاموں میں باہمی تعاون ممدوح اور برے کاموں میں ممنوع ہے ---------- ۳۸۱
حرام جانوروں کا بیان ---------- ۳۸۲
ایک سوال اور اس کا جواب ---------- ۳۸۳
جوئے کے تیروں کی تفصیل ---------- ۳۸۴
جوئے کی حرمت کیوجہ؟ ---------- ۳۸۴
اس آیت کی تاریخ نزول ---------- ۳۸۷
آیت تکمیل دین کی شان نزول اور حضرت علیؑ کی خلافت الٰہیہ کا اعلان ---------- ۳۸۷
حضرت علیؑ کی ولی عہدی کی رسم دستار بندی ---------- ۳۸۸
تقریب سلام ومبارک بادی ---------- ۳۸۹
آیت تکمیل کا نزول ---------- ۳۸۹
طیبات اور خبائث سے کیا مراد ہے؟ ---------- ۳۹۰
کلب معلم وغیرہ کے شکار کے حلال ہونے کے شرائط کا تذکرہ ---------- ۳۹۰
اہل کتاب کی طہارت ونجاست کا مسئلہ ---------- ۳۹۱
اہل کتاب کے طعام سے کیا مراد ہے؟ ---------- ۳۹۱
مسلمان عورت کا نکاح کافر سے حرام ہے ---------- ۳۹۲

اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ ---------- ۳۹۳
متعہ کا جواز ---------- ۳۹۳
وضو کی حقیقت اور کیفیت؟ ---------- ۳۹۶
تیمم کی ترکیب سے مسح پا کی تائید ---------- ۳۹۷
پیغمبر اسلام کے عمل و کردار سے اس کی تائید مزید ---------- ۳۹۷
احکام شریعت کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنے کے لئے معلم شریعت کا بیان ضروری ہے --------- ۳۹۸
تیمم کی ترکیب ---------- ۳۹۸
اللہ کے اس عہد و پیمان سے کیا مراد ہے؟ ---------- ۳۹۹
انصاف کے ساتھ گواہی دینے اور دشمن کے ساتھ عدل کرنے کا حکم ---------- ۴۰۰
گواہی دینے اور عدل کرنے کے مفہوم کی وسعت ---------- ۴۰۰
اس گروہ کا تذکرہ جس کی نجات یقینی ہے ---------- ۴۰۱
اس گروہ کا تذکرہ جو قطعی جہنمی ہے ---------- ۴۰۱
دو اور ضمنی اقسام کا بیان ---------- ۴۰۱
نقباء بنی اسرائیل کا تذکرہ۔ ---------- ۴۰۵
وہ عہد و پیمان کیا تھا؟ ---------- ۴۰۵
اس عہد و پیمان کی ادائیگی پر کیا ملے گا؟ ---------- ۴۰۶
۱۲ دوازدہ آئمہ کا اعلان ---------- ۴۰۶
ان سزاؤں کا تذکرہ جو عہد شکنی کی وجہ سے بنی اسرائیل کو دی گئیں۔ ---------- ۴۰۷
اس سزا کا نتیجہ؟ ---------- ۴۰۷
امت مسلمہ نے دوازدہ ائمہ علیہم السلام کے ساتھ کیا کیا؟ ---------- ۴۰۸
نصاریٰ سے کیا عہد لیا گیا تھا؟۔ ---------- ۴۱۰
نصاریٰ کے مذہبی فرقے؟ ---------- ۴۱۱

تازیانہءعبرت: ---------- ۴۱۱
یہاں نوراور کتاب مبین سے کیامراد ہے؟ ---------- ۴۱۲
نور کی حقیقت اور نبیؐ وقرآن پراس کے طلاق کی وجہ؟ ---------- ۴۱۳
اہل کتاب کے دعوائے ابینت ومحبوبیت خدا کا مفہوم کیا ہے؟ ---------- ۴۱۶
یہود ونصاریٰ کے اس دعوی کی رد: ---------- ۴۱۶
ہرزمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے ---------- ۴۱۷
زمانہ فترۃ کی تشریح؟ ---------- ۴۱۸
بارہویں امام کا ذکر خیر؟ ---------- ۴۱۸
ارض مقدسہ شام میں داخلہ کا پس منظر: ---------- ۴۲۱
فرزاندان آدمؑ سے کون مراد ہیں؟ ---------- ۴۲۶
قربانی پیش کرنے کا مقصد کیا تھا؟ ---------- ۴۲۷
مشہور واقعہ کی رد: ---------- ۴۲۷
یہ قربانی کس چیز کی دی گئی تھی اور اس کی قبولیت کا طریقہ کار کیا تھا؟ ---------- ۴۲۸
جناب ہابیل کا قتل حسد کا نتیجہ تھا: ---------- ۴۲۸
قابیل کی تندروی اور ہابیل کی سبک خرامی ---------- ۴۲۹
ایک درس عبرت: ---------- ۴۲۹
جناب آدمؑ کا قتل ہابیل پر شدید حزن کرنا اور مرثیہ پڑھنا: ---------- ۴۳۰
علماءعلم اخلاق کی ایک قدیم کی بحث کا فیصلہ: ---------- ۴۳۰
ایک شخص کا قاتل سب لوگوں کے قاتل کی طرح کس طرح متصور ہوتا ہے ---------- ۴۳۰
محارب وراہزن کی سخت سزا اور اس کا فلسفہ؟ ---------- ۴۳۳
افادۂ جدیدہ: ---------- ۴۳۴
وسیلہ کے عام مفہوم کی وضاحت اور اس کے اثبات ---------- ۴۳۵

داخلی وسیلہ کا مفہوم؟ ---------- ۴۳۵
خارجی وسیلہ کا تذکرہ ---------- ۴۳۶
قرآن مجید سے خارجہ وسیلہ کا ثبوت: ---------- ۴۳۶
سنت سے وسیلہ کا ثبوت: ---------- ۴۳۷
چوری کی مذمت اور اس کی سزا: ---------- ۴۴۱
چوری کی حد کے اجراء کی شرائط کا بیان: ---------- ۴۴۲
ان آیات کی شان نزول ---------- ۴۴۴
شان نزول کی دوسری روایت: ---------- ۴۴۵
ان روایات وواقعات کا ماحصل اور نتیجہ ---------- ۴۴۶
منافقوں اور یہودیوں کی چند بری خصلتوں کا تذکرہ۔ ---------- ۴۴۷
سحت یعنی مال حرام کے اور چند اقسام ---------- ۴۴۸
یہود کی حالت پر اظہار تعجب؟ ---------- ۴۵۲
دین فروش لوگوں کی مذمت۔ ---------- ۴۵۴
خلاف ما انزل اللہ فیصلہ کرنے والوں کا انجام ---------- ۴۵۴
موجودہ انجیل محرف ہے اور جناب عیسیٰؑ کے بعد کے لوگوں کی لکھی ہوئی ہے ---------- ۴۵۶
سب انبیاء کا دین ایک تھا مگر شریعتیں جدا جدا۔ ---------- ۴۵۷
جاھلی دور کا فیصلہ طلب کرنے کی مذمت ---------- ۴۶۱
ارتداد کیا ہے؟ اور اس کے اقسام کتنے ہیں؟ ---------- ۴۶۴
آیت ولایت کی تفسیر۔ ---------- ۴۶۷
اس آیت کی شان نزول۔ ---------- ۴۶۸
ان کتابوں کے نام جن میں اس آیت کا بحق علیؑ نازل ہونا مذکور ہے۔ ---------- ۴۶۸
تقریب استدلال ---------- ۴۶۹

اس آیت اوراس سے استدلال پر چند ایرادات اوران کے مکمل جوابات ---------- ۴۷۰
۲۔دوسرا ایراد ---------- ۴۷۱
۳۔تیسرا ایرا ---------- ۴۷۱
۴۔چوتھا ایرا ---------- ۴۷۲
۵۔پانچواں ایرا---------- ۴۷۲
اس آیت کی شان نزول۔ ---------- ۴۷۴
اس آیت کی شان نزول ---------- ۴۷۵
اثم وعدوان کا باہمی فرق؟---------- ۴۷۸
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید واہمیت۔ ---------- ۴۷۸
سابقہ قومیں عوام کے گناہ کرنے اور خواص کے امر ونہی نہ کرنے کی وجہ سے ھلاک ہوئی ہیں ------ ۴۷۹
یہودیوں کے اس عقیدہ کی تشریح کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں---------- ۴۷۹
جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غالیانہ عقائد کی مذمت ---------- ۴۸۹
جناب عیسیٰؑ کے متعلق اسلامی نظریہ ---------- ۴۹۰
توحید عبادتی پر ایک برہان ---------- ۴۹۰
دین میں غلو کرنے کی ممانعت ---------- ۴۹۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

آیات القرآن

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا
حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا
بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫
فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ
بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمۃ الآیات

لوگو! تم ہرگز اس وقت تک نیکی (کو حاصل) نہیں کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ نہ کرو۔ اور تم (راہ خدا میں) جو کچھ خرچ کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے۔ (۹۲) تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی سب چیزیں (جو اسلام میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں۔ سوائے اس کے جو اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں (یہود سے) کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو (۹۳) پھر اس کے بعد جو شخص خدا پر بہتان باندھے تو سمجھ لو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں (۹۴) (اے رسولؐ) کہہ دیجئے خدا نے سچ فرمایا! پس تم ملت (دین) ابراہیم کی پیروی کرو جو باطل سے کنارہ کش ہو کر صرف اللہ کا ہو رہا تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا (۹۵) بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑی برکت والا اور عالمین کے لئے مرکز ہدایت ہے۔ (۹۶)

تفسیر الآیات

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى...الآیۃ ۹۲

راہ خدا میں پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم

قبل ازیں (پارہ نمبر ۳ کے اوائل میں) ایسی متعدد آیات مبارکہ گزر چکی ہیں جن میں انفاق فی سبیل اللہ (راہ خدا میں مال خرچ کرنے) اور صدقہ وخیرات دینے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی بڑی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مگر اس آیت کا انداز سب سے جدا ہے اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ محبوب، عزیز اور پسندیدہ چیز راہ خدا میں خرچ کئے بغیر نیکی کی حقیقت اور خدا کی رضا ورحمت تک رسائی حاصل نہیں کی جاسکتی ظاہر ہے کہ پسندیدے چیز میں مال ومنال، جسم وجان اور عہدہ ومنصب سب داخل ہیں۔ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو چیز انہیں خود ناپسند ہو وہ صدقہ وخیرات میں دے دیتے ہیں۔ اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ فضیلت اس میں ہے کہ اپنی پسند کی چیز راہ خدا میں دی جائے۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان بڑھ چڑھ کر اپنی محبوب چیزیں راہ خدا میں خرچ کرنے لگے چنانچہ۔۔۔۔

(۱) حضرت امیر علیہ السلام نے ایک پیرھن خریدا جو آپ کو اچھا معلوم ہوا۔ جسے آپ نے راہ خدا میں دے دیا (مجمع البیان)۔

(۲) ابوطلحہ انصاری کے پاس ایک قیمتی باغ تھا جسے آپ نے اپنے عزیز واقارب میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری)۔

(۳) زید بن حارثہ کے پاس ایک گھوڑا تھا جسے بارگاہ رسالتؐ میں پیش کیا۔ آپ نے اسے قبول فرما کر انہی کے صاحبزادے اسامہ کو دے دیا (ابن جریر طبری)۔

یہ آیت پڑھ کر چونکہ دل ودماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اگر کوئی ناپسندیدہ چیز راہ خدا میں دی گئی تو شاید وہ قبول نہیں ہوگی۔ تو خدائے حکیم نے اس خیال کے ابطال کی خاطر فرمایا وما تنفقوا الآخر۔ تم راہ خدا میں جو کچھ خرچ کرتے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے یعنی وہ رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اس کا تمہیں مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ البتہ خلوص نیت ضروری ہے۔ کیونکہ خدا خوب جانتا ہے کہ اس کی رضا جوئی کے لئے خرچ کی گئی ہے یا نام ونمود کے لیے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۔

بہر حال یہ حکم مالداروں اور سرمایہ داروں کے لئے ہے اور جو غریب و نادار ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ صدقہ و خیرات لینے والے ہیں نہ کہ دینے والے ہاں البتہ وہ دوسرے ذرائع جیسے عبادت، ذکر اللہ نیز تلاوت قرآن اور نوافل، اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ سے یہ ایسی عظیم نیکی حاصل کر سکتے ہیں۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ...الآیۃ ۹۲

قرآن مجید کی اس آیت شریفہ اور دوسری بہت سی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ ملت ابراہیمی پر تھے۔ اور جو کچھ جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ، اسباطؑ، موسیٰؑ وعیسےؑ اور دیگر انبیاء پر نازل ہوا۔ سب پر ایمان رکھتے تھے اور اہل کتاب اس بات کا لازمی نتیجہ یہ قرار دیتے تھے کہ جو چیز ان انبیاء کے دین و شریعت میں حرام تھی وہ آنحضرتؐ کے دین و شریعت میں بھی حرام ہونی چاہیے۔ اور پھر ان کا خیال تھا کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ چونکہ سابقہ انبیاء کی شریعت میں حرام تھا اس لئے وہ آنحضرتؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ انہوں نے اسے کیوں حلال قرار دیا ہے یہودی اس بات کو بڑے برگ و بار دے کر سرکار رسالتؐ پر زبان طعن و تشنیع دراز کرتے تھے اور سادہ لوح عوام کو اسلام اور بانی اسلامؐ سے بدظن کرتے تھے۔

اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کے اسی ایراد و اعتراض کا جواب دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی چیزوں میں منجانب اللہ حلال و حرام کی کوئی تفریق نہیں ہوئی تھی۔ ہاں البتہ جناب یعقوبؑ نے جن کا لقب اسرائیل ہے از خود طبی نقطہ نگاہ سے بعض چیزوں جیسے اونٹ کا گوشت اور اس کے دودھ کو اپنے لئے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ ان چیزوں کے استعمال سے ان کے درد میں اضافہ ہوتا تھا۔ (تفسیر عیاشی وغیرہ)

لیکن نہ انہوں نے دوسروں کے لئے ان چیزوں کو حرام قرار دیا تھا۔ نہ دوسرے انبیاء یعنی خلیل و اسماعیل علیہم السلام نے فرمایا۔ اگر تم یہ بات تسلیم نہیں کرتے تو پھر تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔ اور اس مضمون کی کوئی آیت پیش کرو۔ مگر ان کو ایسا کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اور بھلا کیسے ہمت ہوتی۔ جبکہ انہیں اپنے کذب و افتراء اور پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کا یقین تھا اسی بنا پر اس سے اگلی دو آیتوں میں جہاں خدا اور رسول کی صداقت کا اظہار کیا گیا ہے وہاں ان لوگوں کی افتراء پردازی اور بہتان سازی کی بے حد مذمت کی گئی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ کھانے کی سب چیزوں کا حلال ہونا اور حلال و حرام کی عدم تفریق۔ تورات کے نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے کیونکہ بنی اسرائیل کی سیاہ کاریوں اور ان کے ظلم و تعدی کی وجہ سے تورات کے نزول کے بعد تو بہت سی چیزیں ان پر حرام قرار دے دی گئی تھیں جیسا کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۶۰ میں اس کی طرف

اشارہ موجود ہے کہ "فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا "اور یہود کے ظلم وتعدی کی وجہ سے ہم نے ان پر تورات کے نزول کے بعد تو بہت سی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو کہ ان کے لئے حلال کی گئی تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ بہت لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے تھے۔اوران حرام کردہ چیزوں کے انواع واقسام کا بیان سورہ انعام کی آیت ۱۴۶ میں کیا گیا ہے۔وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ

اور ہم نے یہود پر حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے، بکری میں سے ہم نے حرام کی ان دونوں کی چربی سوا اس کے جو اٹھا رکھی ہوں ان کی پشتوں اور آنتوں نے یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور یقینا ہم سچے تھے۔مگر لطف کی بات یہ ہے کہ جس چیز پر یہود پیغمبرؐ پر زبان اعتراض دراز کرتے تھے(کہ وہ اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کو حلال قرار دیتے ہیں)اس کی حرمت کا تورات وغیرہ آسمانی کتابوں میں کہیں نام ونشان تک نہیں ہے۔قل صدق اللہ (کہہ دو خدا سچ فرماتا ہے)۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ......الآیۃ ۹۶

خانہ کعبہ کی قدامت کا بیان

بعض اخبار وآثار میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار مسلمانوں اور یہودیوں میں یہ نزاع ہوگئی تھی کہ کعبہ افضل ہے یا بیت المقدس؟ کیونکہ مسلمان کعبہ کو افضل قرار دیتے تھے اور یہود بیت المقدس کو افضل بتاتے تھے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان)اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ فرش زمین بچھائے جانے کے بعد سب سے پہلا عبادت خانہ یہی خانہ کعبہ ہے جو سرزمین مکہ میں ہے(جس کا دوسرا نام بکہ ہے)۔ کیونکہ دنیا میں دو ہی ایسے بڑے عبادت خانے ہیں جن کی قدامت میں فی الجملہ اختلاف کیا گیا ہے۔

۱۔خانہ کعبہ ۲۔اور بیت المقدس۔

ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے اور بیت المقدس جناب سلیمانؑ کا تعمیر کردہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آٹھ نو سو سال پہلے گذرے ہیں اور بیت المقدس جناب موسیٰؑ کے ساڑھے چار سو سال بعد جناب سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا۔اس طرح کعبہ کی قدامت اور اولیت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ہاں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا کعبہ جہاں پہلا عبادت

خانہ ہے وہاں روئے زمین پر پہلا دولت خانہ بھی یہی ہے؟ یا اس سے پہلے کوئی اور گھر بنایا گیا تھا؟

بعض صحابہ وتابعین پہلے قول کے قائل ہیں کہ دنیا کا سب سے پہلا گھر کعبہ ہی ہے۔ اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بعض اخبار وآثار سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جب خداوند عالم نے زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو پانی میں موج پیدا کرنے کا حکم دیا۔سوان موجوں سے جھاگ پیدا ہوئی اور خانہ کعبہ کے مقام پر جمع ہوگئی۔اور اس جھاگ کا ایک پہاڑ سا بن گیا اور پھر خدا نے اس کے نیچے زمین کا فرش بچھایا (تفسیر صافی)

مجمع البیان کی روایت کے مطابق خانہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا دوسری زمین سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا جو پانی کے اوپر سفید جھاگ کی طرح تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے فرمایا:

''کعبہ کا مقام دوسری زمین سے بلند تھا اور آفتاب وماہتاب کی طرح چمکتا تھا اور جب جناب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اطراف وجوانب کی زمین بلند کر کے ان کو دکھائی گئی تو خدا نے فرمایا یہ سب زمین تیری ملکیت ہے''۔ جناب آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ بارالہا! یہ چمکدار زمین کونسی ہے؟ ارشاد قدرت ہوا یہ میری زمین میں میرا حرم ہے (اصول کافی)

بہر حال عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جب اس عالم آب وگل میں جناب آدم علیہ السلام پہلے انسان بلکہ ابوالبشر اور خدا کے پہلے نبی بن کر آئے تو قرین عقل یہی ہے کہ انہوں نے روئے زمین پر اپنا گھر بنانے سے پہلے خدا کا گھر یعنی اپنی عبادت گاہ بنائی ہوگی۔ پھر بعض روایات کے مطابق خانہ کعبہ کی یہ عمارت طوفان نوحؑ تک باقی تھی اس طوفان میں گر گئی اور اس کے نشانات تک مٹ گئے مگر بنیادیں باقی رہیں اور انہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں

''وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ''

یاد کرو وہ وقت جب جناب خلیل خدا علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام خانہ خدا کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے (سورہ بقرہ آیت۔۱۲۷)

اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں واللہ لعالم۔ فاضل مفسر شیخ محمد جواد مغنیہ نے صحیح فرمایا ہے کہ اس بحث وتمحیص کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ بات نہ اصول دین میں داخل ہے اور نہ فروع دین میں اور نہ ہی اس کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی عقیدہ رکھنا

ضروری ہے (تفسیر کاشف)

پھر یہ بیت اللہ حوادث روزگار اور گردش لیل ونہار سے کئی بار منہدم ہوا اور کئی بار تعمیر ہوا چنانچہ ایک بار آنحضرتؐ کی بعثت سے پانچ سال پہلے سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ منہدم ہوگیا اور قریش نے اسے تعمیر کیا۔ اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن ج ۱۱۴/ ۱۱۵ پر لکھتے ہیں:

''لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی تھی کہ ایک حصہ بیت اللہ کا بیت اللہ سے الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں کعبہ کے دو دروازے تھے قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا۔ رسولؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمیؑ کے مطابق بنادوں۔ قریش نے جو تصرفات بناء ابراہیمی کے خلاف کیے ہیں۔ ان کی اصلاح کر دوں لیکن ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لئے سردست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں'' (بحوالہ بخاری)۔

بہرنوع یہ خانہ خدا مادی ومعنوی ظاہری وباطنی فیوض وبرکات کا مرکز ہے اور عالمین کے لئے ذریعہ ہدایت ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا بنایا ہوا قبلہ اور رحمت اللعالمین کا کعبہ ہے اور اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک نشانی مقام ابراہیمؑ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں اور پتھر میں آپ کے قدم کا گہرا نشان پیدا ہوگیا تھا۔ جو آج تک موجود ہے جہاں حجاج کرام کو نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى'' (سورہ آیت.....۱۲۵)

دوسری نشانی حجر اسود ہے اور تیسری نشانی منزل اسماعیلؑ ہے (تفسیر نور الثقلین)۔

ایک روایت میں وارد ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ مقام ابراہیم علیہ السلام پہلے جدار کعبہ کے پاس تھا حتی کہ جاہلیت کے دور میں اسے موجودہ مقام پر رکھا گیا پھر فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ نے اسے اپنے اصلی مقام پر منتقل فرمایا۔ پھر کسی دور خلافت میں پھر سابقہ جگہ پر رکھ دیا گیا (تفسیر نور الثقلین) مخفی نہ رہے کہ بکہ مکہ کا ہی دوسرا نام ہے اور ایک روایت کے مطابق پورے شہر کا نام مکہ اور کعبہ والی جگہ کا نام بکہ ہے۔ وھو الاظھر----

آیات القرآن

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى
النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ
وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ
تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ
يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمۃ الآیات

اس گھر میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (منجملہ ان کے ایک) مقام ابراہیم ہے۔اور جو اس میں داخل ہوا اسے امن مل گیا۔اور لوگوں پر واجب ہے کہ محض خدا کے لئے اس گھر کا حج کریں جو اس کی استطاعت (قدرت) رکھتے ہیں اور جو (باوجود قدرت) کفر کرے (انکار کرے) تو بے شک خدا تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔(۹۷)۔(اے رسول) کہہ دیجئے! اے اہل کتاب تم آیات الٰہیہ کا کیوں انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس کا گواہ ہے (سب کچھ دیکھ رہا ہے) (۹۸) کہیے۔اے اہل کتاب! آخر تم اس شخص کو جو ایمان لانا چاہتا ہے کیوں خدا کی راہ سے روکتے ہو؟ اور چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود گواہ ہو (کہ سیدھی راہ یہی ہے) اور جو کچھ تم کرتے

ہو خدا اس سے بے خبر نہیں (۹۹)۔ اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی بات مان لی تو یہ تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹا دیں گے (۱۰۰)۔ اور بھلا تم کیونکر کفر اختیار کر سکتے ہو۔ جبکہ تمہارے سامنے برابر خدا کی آیتیں پڑھی جارہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو شخص خدا سے وابستہ ہو گیا وہ ضرور سیدھے راستے پر لگا دیا گیا۔ (۱۰۱)

تفسیر الآیات

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ...الآیۃ ۹۷

یہ جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اسے نہ قتل کرو اور نہ ہی اسے کسی قسم کی اذیت دو۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں وارد ہے کہ بیت اللہ جائے امن ہے اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے یا کوئی قابل حد یا تعزیر جرم کر کے وہاں داخل ہو جائے تو اسے وہاں سزا نہیں دی جاسکتی۔ ہاں البتہ اسے خورد و نوش میں تنگی دے کر اور اس سے لین دین کا کوئی معاملہ نہ کر کے اسے وہاں سے باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے گا اور پھر باہر اسے سزا دی جائیگی۔ اسی طرح یہ بات صادق آتی ہے کہ جو بیت اللہ میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص حرم کی ہتک حرمت کرتے ہوئے وہیں کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اس پر وہیں حد جاری کی جائیگی (تفسیر عیاشی وصافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص اس گھر کا یہ جانتے ہوئے قصد کرے کہ یہ بیت اللہ ہے اور ہم اہل بیت کی حقیقی معرفت بھی رکھتا ہو تو وہ دنیا وآخرت میں مامون ومحفوظ ہے (الکافی)۔ بعض روایات میں یہاں تک وارد ہے کہ اگر کوئی پرندہ اس میں داخل ہو جائے تو نہ اس کا شکار کیا جائے اور نہ ہی اسے ذبح کیا جائے (نور الثقلین) اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا فیض ہے رب اجعل ھذا البلد امنا۔ (بقرہ) اے میرے پروردگار اس شہر کو جائے امن بنا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ...الآیۃ ایضاً

فریضہ حج کی اہمیت اور اس کے شرائط کا بیان

اس آیت مبارکہ میں حج کا وجوب واضح کیا گیا ہے۔ حج دین اسلام کے ان بنیادی ارکان بلکہ

ضروریات دین میں سے ایک ایسا رکن ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج اور واجب سمجھ کر عملاً یہ فریضہ ادا نہ کرنے والا فاسق ہے متعدد روایات اہلبیت علیہم السلام میں وارد ہے کہ **بنی الاسلام علی خمس الصلوۃ والزکوۃ والحج اولصوم والولایۃ**۔ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم ہے۔نماز، زکوۃ، حج، روزہ اور ولایت اہلبیت۔(فروع کافی وغیرہ)

حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے کہ جناب امیرؑ کو خطاب کر کے فرمایا: یاعلی! **من وجب علیه الحج وسوف لیموتن علی غیر دینی**۔ یاعلی (علیہ السلام) جس بندہ پر حج واجب ہو اور وہ برابر ٹال مٹول کرتا رہے یہاں تک کہ مرجائے تو وہ میرے اسلام پر نہیں مرے گا (الکافی)۔مگر یہ فریضہ واجب مطلق نہیں ہے بلکہ واجب مشروط ہے جس کے وجوب کی عمومی شرائط تکلیف از قسم بلوغ و عقل وغیرہ کے علاوہ بڑی شرط استطاعت (طاقت وقدرت) ہے اور تفسیر اہلبیت علیہم السلام کے مطابق یہ استطاعت چند چیزوں سے ثابت ہوتی ہے جو یہ ہیں۔

۱۔زادِ سفر یعنی آدمی سفر حج کے آنے جانے کے اخراجات رکھتا ہو

۲۔سواری یا کرایہ رکھتا ہو۔

۳۔اپنی واپسی تک اہل وعیال کے اخراجات بھی رکھتا ہو

۴۔واپس لوٹنے کے بعد گذراوقات کا کوئی ذریعہ رکھتا ہو

۵۔راستہ کھلا ہو کوئی پابندی یا خطرہ نہ ہو

۶۔مرض وغیرہ کی وجہ سے کوئی عقلائی مانع نہ ہو

۷۔ایسا بڑھاپا بھی نہ ہو کہ جس کی وجہ سے سفر نہ کر سکے

۸۔وقت کے دامن میں اتنی وسعت ہو کہ حج بجالا سکے (قوانین الشریعہ)

واضح رہے کہ حج کے لغوی معنی ہیں قصد کرنا اور شرعی اصطلاح میں چند خاص مناسک وارکان از قسم احرام، طواف، وقوف عرفات ومزدلفہ اور سعی وحلق وقربانی اور رمی جمرات وغیرہ کی ادائیگی کا نام ہے۔ باقی تفصیلات کتب فقیہہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں جن میں سے ایک ہمارا رسالہ منیۃ الناسکین بھی ہے

قُلۡ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ...الآیۃ۹۸

اہل کتاب خود تو گمراہ تھے ہی۔مگر وہ چاہتے تھے کہ اسلام پر غلط سلط ایرادات اور بے جا نکتہ چینیاں کر کے اہل اسلام کو راہ راست سے گمراہ کریں تا کہ وہ لوگ اس راہ راست کو کج اور ٹیڑھا سمجھنے لگیں

اسطرح وہ لوگ ضال ومضل لوگوں والا کردار ادا کررہے تھے۔خداوند عالم نے ان آیات میں بڑے بلیغ انداز میں ان لوگوں کی لعنت ملامت کی ہے اوران کی حرکتوں پر زجروتوبیخ کی ہے کہ حق وحقیقت کے واضح ہوجانے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ تم خود اسلام لاتے اس کے برعکس الٹا تم نومسلم لوگوں کو گمراہ وبدراہ کرنے کی تدبیریں کررہے ہو؟ ع

شرم تم کو مگر نہیں آتی

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا.....الآیۃ۱۰۰

رب الارباب نے اس خطاب میں اہل ایمان کو فہمائش کی ہے کہ وہ پہلے دوست ودشمن میں تمیز کریں اور پھر دشمن کی شاطرانہ چالوں کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کن مکروہ سازشوں کا جال بچھا کر ضرر وزماں پہنچانا چاہتا ہے اور کس طرح ان کو آپس میں لڑا کر ان کو ضرر وزماں پہنچانا چاہتا ہے۔اور کن لطائف الحیل سے ان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔چنانچہ اس آیت مبارکہ کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مدینہ کے دو بڑے قبائل اوس وخزرج کی ایک سوسال سے زیادہ عرصہ سے دشمنی چلی آرہی تھی اور کئی بار ایک دوسرے سے جنگیں کرچکے تھے اوران کے ہزاروں آدمی ان جنگوں کی بھینٹ چڑھ چکے تھے اسلام کے آنے کے بعد اور پیغمبرؐ کے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ اسلام کی برکت اور کچھ رحمۃ العالمین کے فیض رحمت سے ان کی دیرینہ دشمنی اور خاندانی عداوت اسلامی اخوت ومحبت سے بدل گئی اور اکسیر رسالتؐ سے ان کے سب زخم مندمل ہوگئے۔تو یہ بات یہودیوں کو ایک آنکھ نہ بھائی اور لگے ان کو آپس میں لڑانے کی شیطانی تدبیریں کرنے۔چنانچہ ایک بار ایک یہودی ایک ایسی بزم سے گزرا جہاں اوس وخزرج باہم پیار ومحبت کی گفتگو کررہے تھے۔اس نے ایک اور یہودی کو بھیجا جس نے اس بزم میں جاکر ایسے اشعار پڑھنا شروع کئے جن میں ان قبیلوں کی پرانی جنگوں کا تذکرہ تھا۔

سازش کامیاب ہوئی اور اچانک فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی اور باہمی جنگ وجدل اور قتل وقتال کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔جب اس واقعہ کی حضرت رسول خداؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ فوراً چند صحابہ کی معیت میں وہاں پہنچے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوکر فرمایا:''اے اوس وخزرج! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ میری موجودگی میں، مسلمان ہوتے ہوئے اور باہمی اخوت ومحبت کے ہوتے ہوئے کیا تم پھر کفر کی ضلالت وجہالت کی طرف عود کرنا چاہتے ہو؟ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی اور دشمن کی جعل سازی ہے''۔

آنحضرتؐ کا یہ کلام حق ترجمان سن کر ان کی آنکھیں کھلیں اور اب سمجھے کہ یہ شیطان کی حرکت اور دشمن کی چال ہے جس کے جال میں ہم پھنس گئے ہیں فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور باہم بغلگیر ہوکر روئے اور توبہ کی

اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔(مجمع البیان روح المعانی) پیر کرم شاہ ازہری اپنی تفسیر (ضیاء القرآن ج ا ص ۲۵۷) میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد بڑے درد دل کے ساتھ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں وہ ابدی حقیقت پیش کی گئی ہے جس پر زمانہ کی ہر کروٹ نے مہر تصدیق ثبت کی ہے انیسویں صدی پر نگاہ ڈالئے براعظم پاک وہند میں ملت اسلامیہ پر کیا گذری؟ یورپ کے عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کو کس طرح ایک دوسرے کے خلاف اکسا کر اسلامی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجادی شرق اوسط کے مسلمانفرمانبرواؤں نے کس کی انگیخت پر خلافت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا؟ اور کس طرح اپنے وقار کا جنازہ نکالا؟ مسلمانوں نے جب بھی اغیار پر یوں اندھا دھند اعتماد کیا تو انہیں ان روح فرسا حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسلام نے کسی کے ساتھ کار خیر میں تعاون کرنے سے منع نہیں کیا لیکن اس نے دوسروں سے فریب اور دھوکہ کھانے سے ضرور روکا ہے''

اور یہ قبیح رسم آج بھی بڑے زور وشور سے برابر جاری وساری ہے اغیار سازشوں کے جال بچھا رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمان اس کا شکار ہو رہے ہیں چنانچہ بدقسمتی سے عام اسلامی ممالک میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اسلام کے مختلف فرق ومسالک کے ساتھ وابستہ لوگوں کا دین ومذہب کے مقدس نام پر باہمی کشت وخون ہو رہا ہے اور علماء سُوء نے جزوی اور فروعی مسائل کو اس قدر ہوا دی ہے کہ رائی کو پہاڑ بنا کر باہمی نفرت وعداوت کی وہ دیواریں کھڑی کر دی ہیں کہ بھائی چارہ کی فضا میں مل جل کر رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اور اب تو رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک دوسرے کی عبادت گاہیں اور عبادت گذار بھی فتنہ سامانوں کے فتنہ وشر سے محفوظ نہیں رہے۔ آج میلاد النبی ﷺ کے جلوس پر فائرنگ ہو رہی ہے اور عزاداری کے جلوس پر گولی چل رہی ہے جس سے اسلام ومسلمان ذلیل ورسوا اور ہر جگہ پسپا ہو رہے ہیں۔ یہ اغیار کی سازش کا نتیجہ وثمرہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

اور یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے اسلام کی بنیادی تعلیم تحمل وبرداشت اور رواداری کا دامن چھوڑ دیا ہے یا اللہ ہماری حالت زار پر رحم فرما۔ ع

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے

آیات القرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

مُّسۡلِمُوۡنَ﴿۱۰۲﴾ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۖ وَاذۡكُرُوۡا
نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ
فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ
فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ﴿۱۰۳﴾
وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ
عَنِ الۡمُنۡكَرِؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ
تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ
عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! خدا سے اس طرح ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو(۱۰۲) اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (فضل و کرم) سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے بھرے ہوئے گڑھے (دوزخ) کے کنارے پر کھڑے تھے جو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پا جاؤ(۱۰۳) اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو نیکی کی دعوت دے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی وہ لوگ ہیں (جو دین و دنیا کے امتحان میں) کامیاب و کامران ہوں گے(۱۰۴) اور خبردار تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کھلی ہوئی نشانیوں (دلیلوں) کے آجانے کے بعد اختلاف میں مبتلا ہو گئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے(۱۰۵)۔

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ...الآیۃ ۱۰۲

حقیقی مسلمان بن کر مرنے کا حکم اور تقویٰ کی حقیقت کا تذکرہ

ان دو آیتوں میں اہل ایمان کو تین اچھے کاموں کا حکم دیا گیا ہے اور ایک برے کام سے انہیں روکا گیا ہے وہ احکام یہ ہیں۔

۱۔اس طرح تقویٰ الٰہی اختیار کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

۲۔مرنے سے پہلے صحیح معنوں میں مسلمان بنو۔

۳۔سب باہم مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو۔

اور جس ایک برے کام سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے۔کہ آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو سورہ بقرہ کے آغاز میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں واضح کیا جا چکا ہے کہ خدا کی حاکمیت وسلطنت اور اس کی قدرت وتمکنت اس کے خبیر وقدیر حاضر وناظر ہونے کے علم ویقین سے دل ودماغ میں پیدا ہونے والے خوف وخشیہ کا نام تقویٰ ہے چونکہ تقویٰ کا تعلق دل ودماغ سے ہے لہٰذا یہ کیفیت کس کے اندر ہے اور کس کے اندر نہیں؟ یہ چیز معلوم کرنے کے لئے شریعت مقدسہ نے چند علامات مقرر کی ہیں جن کا تعلق بدن اور ظاہر سے ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔بندہ کی خلوت وجلوت برابر ہو جائے اور وہ ہر جگہ احکام الٰہی کی پابندی کرنے میں کوشاں نظر آئے۔

۲۔بندہ واجبات شرعیہ کی بجا آوری اور محرمات الٰہیہ سے بچنے کی کد وکاوش کرے۔

۳۔جہاں سے مالک وخالق بندہ کو روک دے وہاں اس کو حاضر نہ پائے اور جس کام کے کرنے کا حکم دے وہاں اسے غیر حاضر نہ پائے۔

۴۔اس طرح ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔

اس کی تفسیر حضرت امام جعفر صادقؑ نے یوں فرمائی ہے۔یطاع ولا یعصی ویذکر فلا ینسی ویشکر فلا یکفر۔خدا کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اسے یاد رکھا جائے فراموش نہ کیا جائے۔اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور ناشکری نہ کی جائے (معانی الاخبار)

ایک دوسری آیت میں اس کی وضاحت یوں کی ہے۔فاتقوا اللہ ما استطعتم جس قدر طاقت

وقدرت رکھتے ہواللہ سے ڈرو۔

(۲)۔نہ مرو۔مگراس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔موت کا ایک وقت مقرر ہے جوہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ مرومگراس حالت میں تم مسلمان ہو۔ظاہر ہے کہ مرنا اور نہ مرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے تو پھراس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی کو چاہیے کہ ہروقت مسلمان بن کرر ہے۔حقیقی اسلام پر قائم وبرقرار اور ثابت قدم رہے اور ہرلمحہ موت کے لئے مستعد وتیار رہے اور کسی وقت بھی خلاف اسلام کوئی حرکت نہ کرے نہ معلوم کب پیغام اجل آجائے بعض روایات کے مطابق آیت میں وارد شدہ لفظ ''مسلمون'' (جو کہ اسلام سے ہے کی قرائت ''مسلّمون'' (شد کے ساتھ) تسلیم سے وارد ہوئی ہے بنا بریں مفہوم یہ ہوگا کہ جب تمہیں موت آئے تو پیغمبر اسلامؐ کی لائی ہوئی شریعت اسلامیہ کے سامنے تمہارا سر تسلیم خم ہو اور خدا ورسول اور امام برحق کے مطیع ومنقاد ہو(نورالثقلین)

ویسے اسلام کے ایک لغوی معنی سر جھکانے کے بھی ہیں تو بنابریں مشہور قرات کی بنا پر بھی مسلمون کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ جب تمہیں موت آئے توتم خدائے واحد ویکتا کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوا اسلام کا یہ مفہوم حقیقی ایمان سے بھی بلند وبالا ہے اس لئے عام اہل ایمان کو مسلمان بن کر مرنے کا حکم دیا جارہا ہے یعنی یہاں ایمان بالمعنی الاعم اور اسلام بالمعنی الاخص مراد ہے۔

بنابریں حقیقی اسلام اور حقیقی مسلمان وہ ہے جو اپنی اعتقادی وعملی انفرادی واجتماعی وتہذیبی وتمدنی اور معاشرتی زندگی اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومین کے فرمان کے مطابق گذارے اور خدا اور رسولؐ کی مکمل اطاعت کرے۔

(۳)۔سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو۔

اتحادواتفاق کے برکات

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ کسی قوم وملت کی اجتماعی قوت کی مضبوطی، اسے ناقابل تسخیر بنانے اور اسے شاہراہ ترقی پر گامزن رکھنے کا راز اس کے باہمی اتحاد واتفاق کا دامن تھامنے اور باہمی اختلاف وانتشار سے دامن بچانے میں مضمر ہے۔اس میں دورائیں نہیں ہوسکتیں کہ اتحاد واتفاق ممدوح ہے اور انتشار وخلفشار مقدوح۔اس لئے خداحکیم بار بار مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کا حکم دیتا ہے۔

اختلاف کے نقصانات

اختلاف وانتشار سے منع فرماتا ہے۔ارشاد قدرت ہے!۔''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا''
اورتفرقہ واختلاف سے منع کرتے ہوئے فرماتا ہے۔''وَلَا تَفَرَّقُوْا''
ایک اور جگہ پر خلفشار وانتشار سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ۔''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ'' آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور جب کمزور ہو گے تو پھر تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (عزت وعظمت خاک میں مل جائے گی)۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف وافتراق ہر قسم کی انفرادی اور قومی وملی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔اقوام عالم کے عروج وزوال کی تاریخ کا مطالعہ ان دونوں باتوں کی صداقت کا بہترین شاہد صادق ہے بہر حال قابل غور بات یہ ہے کہ اس حبل اللہ سے مراد کیا ہے؟ جس کے تھامنے کا اہل ایمان کو حکم دیا جارہا ہے۔
بعض احادیث میں اس کی تفسیر اسلام سے،بعض میں قرآن سے،بعض میں آئمہ اہلبیت سے،اور بعض میں خصوصیت سے حضرت علیؑ سے کی گئی ہے (تفسیر عیاشی،صافی،برہان وغیرہ)۔
دراصل ان حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ سب کا حاصل اور مفہوم ایک ہی ہے کہ خدا کے مقرر کردہ نظام یعنی دین اسلام پر قائم اور ثابت قدم رہو جس کا قانون وآئین قرآن ہے اور اس نظام کے رہبر وراہنما اور اس قانون کے معلم اور شارح اور عملی نمونہ پیغمبر اسلامؐ ہیں اور ان کے بعد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں یہ ہے حبل اللہ کا وہ جامع مفہوم جو سب جزئیات کو شامل ہے اور سب افراد پر حاوی ہے تمام مسلمانان عالم کے باہمی اتحاد واتفاق کے لئے اس سے بڑھکر اور کیا بنیاد ہوسکتی ہے کہ سب کا خدا ایک ہے رسول ایک ہے کتاب ایک ہے قبلہ ایک ہے۔ع

اے کاش کہ ہوتے مسلمان بھی ایک

بعد ازاں خدائے مہربان نے اپنے بعض احسانات وانعامات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ تم کفر وشرک اور اپنی بدعملیوں کی وجہ سے بالخصوص خانہ جنگیوں نت نئی لڑائیوں اور فتنہ سامانیوں کی وجہ سے کس طرح دوزخ کی آگ کے گڑھے پر پہنچ چکے تھے۔بس مرنے کی دیر تھی ادھر واصل جہنم ہوئے مگر اس رحمن ورحیم خدا نے اپنے نبی کریم کو بھیج کر صدیوں کی رنجشیں اور کینے دلوں سے نکال کر تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور آتش دوزخ سے چھٹکارا دلا کر جنت الفردوس میں داخل ہونے کا حقدار بنا دیا۔''فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ''

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ...الآیة

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت وافادیت کا تذکرہ

اس آیت مبارکہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فلسفے کا تذکرہ کیا گیا ہے جو تمام اسلامی فرائض وواجبات میں سے ایک اہم اور اشرف فریضہ ہے اس فریضہ کی فضیلت وعظمت کو سمجھنے کے لئے حضرت امیر علیہ السلام کا یہی ایک فرمان کافی ہے فرماتے ہیں وَمَا اَعمَالُ البروَالجِهادُفی آسَبِيلِ اللهِ عِنْدَ الْاَ مربِالْمَعْرُوفِ والنهى عن المنكر الا كنفثة فى بحر لجى۔ تمام نیکیاں جہاد فی سبیل اللہ سمیت اجر وثواب کے لحاظ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے ایک بے کراں سمندر کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ (نہج البلاغہ)۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے امر ونہی کو سبیل الانبیاء (انبیاء کا راستہ) اور منہاج الصلحاء (صالحین کا وہ طریقہ) قرار دیا ہے جس کے ذریعہ سے باقی فرائض ادا ہوتے ہیں، راستے پر امن ہوتے ہیں کاروبار حلال ہوتے ہیں لوگوں کے حقوق واپس لوٹائے جاتے ہیں۔ زمین آباد ہوتی ہے اور تمام کام درست ہوتے ہیں (فروع کافی، تہذیب الاحکام)۔

اور یہ شرعی فریضہ ادا کرنے والوں کی رفعت مقام اور بلندی شان کو سمجھنے کے لئے پیغمبر اسلامؐ کا یہی ایک فرمان کافی ہے کہ فرماتے ہیں من امر بالمعروف ونهى عن المنكر فهو خليفة الله فى ارضه وخليفة رسول الله وخليفة كتاب الله۔ جو شخص لوگوں کو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے وہ خدا کی زمین میں خدا کا خلیفہ ہے، وہ رسول اللہ کا خلیفہ ہے، اور وہ کتاب اللہ کا خلیفہ ہے (مجمع البیان)

حکیم امت رسولؐ نے صرف اس کی فضیلت بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ اس فریضہ کے ترک کرنے کی سخت الفاظ میں مذمت بھی فرمائی ہے فرماتے ہیں:

''لاتزال امتى بخير ما امروا بالمعرف ونهوا عن المنكر وتعاونوء على البر فاذالم يفعلوا ذلك نزعت عنهم البركات وسلط بعضهم على بعض ولم يكن لهم ناصر فى الارض ولا فى السماء'' میری امت اس وقت تک خیر وخوبی سے رہے گی جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نیکی میں باہمی تعاون کرتی رہے گی اور جب یہ کام چھوڑ دے گی تو اس سے برکات سلب کر لی جائیں گی اور بعض پر بعض مسلط ہو جائیں گے اور اس کا زمین وآسمان میں کوئی یار ومددگار نہ ہوگا (وسائل الشیعہ)۔

البتہ اس سلسلہ میں چند باتوں میں قدر اختلاف ہے مثلاً

ایک اختلاف یہ ہے کہ آیا یہ فریضہ واجب عینی ہے یا واجب کفائی اگر اظہر نہیں تو اشہر تو یہی ہے کہ یہ واجب کفائی ہے جیسا کہ متعلقہ آیت میں لفظ منکم کہ (تم میں سے ہمیشہ ایک گروہ رہنا چاہیے) اس پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اگر معاشرہ میں اتنے افراد یہ فریضہ ادا کرنا شروع کریں جس سے اصلاح معاشرہ کا نیک مقصد پورا ہو جائے تو دوسروں سے وجوب ساقط ہو جائے گا دوسرا اختلاف یہ ہے کہ یہ واجب مطلق ہے یا واجب مشروط؟ اقویٰ یہ ہے کہ اس فریضہ میں واجب مطلق اور واجب مشروط دونوں کے جنبے پائے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ من وجہ مطلق ہے اور من وجہ مشروط۔ واللہ العالم

بہر حال جہاں تک اس فریضہ کے شرائط اور اس کے انواع واقسام اور اس کے مدارج ومراتب کا تعلق ہے تو ان امور کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات کتب فقہیہ یا کم از کم ہماری کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ جلد اول کی طرف رجوع فرمائیں۔

بہر کیف متعلقہ آیت میں ''الخیر'' (نیکی) سے مراد دین اسلام ہے۔ اور معروف سے اللہ کی اطاعت کے کام اور منکر سے اللہ کی نافرمانی والے کام مراد ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کسی دنیوی مملکت کے نظام کی بقا اور اس کی کامیابی کے لئے مختلف شعبوں اور ان کے لئے مختلف افراد کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ، صنعتیہ اور زراعتیہ وغیرہ۔

بالکل اسی طرح نظام اسلام کو برقرار رکھنے اور اسے کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے بھی ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے۔ جو غیر مسلمانوں کو اسلام کی دعوت دے اور اس عالمگیر پیغام امن وسلامتی کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچائے۔ اور مسلمانوں کو اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کام کرنے سے انہیں روکے۔ تاکہ اسلامی معاشرہ امن وآشتی مہر ومحبت، راحت وآرام، اور سکون واطمینان میں جنت کی نظیر بن جائے۔ مگر یہ خیال رہے کہ اس مشکل اور کٹھن کام کی انجام دہی بالخصوص اغیار کو دعوت اسلام دینے اور ان تک اسلامی تعلیمات اور اس کے نظریات پہنچانے کا فریضہ ہر کہ ومہ کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے ایک ایسی جماعت تیار کرنا پڑے گی جو اسلامی علوم میں مہارت کے علاوہ پختگی کردار بلندی اخلاق واطوار کے زیور سے آراستہ ہو اور مزید برآں حکمت وموعظہ حسنہ کے ساتھ فریضہ تبلیغ ودعوت انجام دینے کی اہلیت رکھتی ہو تاکہ مطلوبہ نتائج وثمرات حاصل ہو سکیں۔

بہر کیف جو گروہ یہ اسلامی فریضہ ادا کرے گا وہی دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوگا یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ جب امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس قدر اہم اسلامی فریضہ ہے اور اس کے اس قدر فوائد وبرکات ہیں تو پھر ہر شخص بالخصوص علماء اور قومی زعما یہ فریضہ کیوں ادا نہیں کرتے؟

اس سوال کا مختصر مگر تحقیقی جواب یہ ہے کہ ع

فضیلت جو بڑی ہے تو مصیبت بھی بڑی ہے

یہ فریضہ انجام دینا کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے اور نہ ایسا کرنے والوں کا زندہ باد کے نعروں سے استقبال کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کی روپیوں پیسوں سے ان کی جیبیں گرم کی جاتی ہیں اور نہ ہی انہیں تحفے تحائف ملتے ہیں بلکہ گالیاں ملتی ہیں اور ایسا کرنے والوں کا مردہ باد کے نعروں سے اور گالیوں سے استقبال کیا جاتا ہے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں سروں پر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر و بیشتر کو آخر کار زہر جفا کا پیالہ پلا کر یا تلوار و غا کا ذائقہ چکھا کر ان کی شمع حیات کو گل بھی کر دیا جاتا ہے جیسا کہ انبیاء مرسلین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حالات و واقعات اور سوانح حیات سے یہ حقائق روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہیں ان چیزوں نے علماء و زعماء کے لئے اس فریضہ کی ادائیگی کو نہ صرف مشکل بلکہ شجر ممنوعہ بنا دیا ہے۔ الا من شاء اللہ و قلیل ماھم۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ۔ الآیۃ ۱۰۵

یہ آیت شریفہ ''واعتصوا بحبل اللہ جمیعاً'' کا تتمہ ہے اور اس میں خداوند عالم امت مسلمہ کو جو داعی الی الخیر اور آمر بالمعروف اور ناہئ عن المنکر بن کر آئی ہے کو یہود نصاریٰ کی طرح گروہ بندی اور اختلاف و افتراق کی لعنت میں گرفتار ہونے کی ممانعت فرما رہا ہے اور مرکز وحدت اعتصام بحبل اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مذہبی داستان خونچکاں شاہد ہے کہ انہوں نے اصولوں اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کر کے فروعی و جزوی مسائل کو مدار دین بنا دیا تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد یہود کے اکہتر (۷۱) اور جناب عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کے بعد نصاری کے بہتر (۷۲) فرقے وجود میں آ گئے اور انہی لایعنی باتوں میں پڑ کر وہ دین کا اصل مقصد بھی بھول گئے جو کہ عقیدہ و عمل کی اصلاح کرنا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کو بھی یہی خطرہ سامنے آنے والا تھا اس لئے خدائے رحیم و کریم نے بار بار مسلمانوں کو اختلاف و افتراق سے منع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح پچھلی قوموں کو اسی افتراق و انتشار نے تباہ و برباد کیا تھا۔ کہیں تم بھی ان کے راستے پر چل کر برباد نہ ہو جانا۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

یہ میرا صراط مستقیم ہے اسی کی اتباع کرو اور مختلف راستوں کی پیروی نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں خدا کے سیدھے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ (سورہ انعام آیت۔ ۱۵۳)

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ"

جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقے پیدا کئے اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اور پھر اس زیر بحث آیت میں اس تفرقہ بازی کی سخت مناہی فرمائی ہے اور جس طرح اہل کتاب نے روشن نشانیاں آجانے کے باوجود تفرق واختلاف کیا اور دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی میں مبتلا ہوئے۔ کہیں تم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر اور اپنے اصلی مقصد سے انحراف کر کے ذلیل ورسوا نہ ہونا۔ پھر قرآن مجید میں جا بجا مختلف انبیاء کی امتوں کے حالات وواقعات بیان فرمائے گئے ہیں کہ وہ کس طرح جزوی وفروعی مسائل میں الجھ کر اور باہم لڑ جھگڑ کر ذلیل ورسوا اور تباہ وبرباد ہوئیں۔ مگر آہ۔

ع

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

اس قدر وعظ ونصیحت زجر وتوبیخ اور اس قدر منع کرنے کے باوجود مسلمانوں نے اپنے پیغمبر اکرمؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد یہود سے دو فرقوں کا انصاری سے ایک فرقے کا اضافہ کرے ایک اسلام کے تہتر (۷۳) اسلام اور ایک دین کے تہتر فرقے بنا ڈالے اور ایک قرآن کی تہتر تفسیریں وتعبیریں کر دیں۔ جیسا کہ مخبر صادق نے اپنی مشہور اور متفق علیہ بین الفریقین حدیث "ستفرق امتی علی ثلاث وسبعین فرقه.....الخ" میں اس افتراق امت کی پیش گوئی فرمائی تھی خداوند عالم نے حق وصداقت کی روشن نشانیاں آجانے کے بعد اختلاف وافتراق کرنے والوں کو عذاب عظیم کی تہدید فرمائی ہے "واولئك لهم عذاب عظیم"

اور آج ہم دنیا میں اس عذاب عظم کا بچشم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اہل ادیان ومذاہب نے ہمیں آپس میں فضول ولایعنی مسائل میں الجھا کر اور دین مذہب کے نام پر فتنہ وفساد کا بازار گرم کر کے خود الحاد ودھریت کو دعوت دی ہے آج روشن فکر نسل نو دین ومذہب کے انہی خود ساختہ اجارہ داروں کی روش ورفتار سے بد دل ہو کر دھریت کے سیلاب میں بہہ رہی ہے چنانچہ ایک طرف دہریت والحاد نے بنیادی عقائد کی عمارت میں

دراڑیں ڈال دی ہیں اور دوسری طرف مغربی تہذیب نے ہمارے معاشرے کا حلیہ بگاڑ دیا ہے دنیا میں کفر والحاد کا طوفان امڈا چلا آرہا ہے کئی مقامات ایسے ہیں جو کبھی عیسائیت اور اسلام کا مرکز ہوا کرتے تھے مگر آج وہاں کیمونزم کی وجہ سے مسجدیں سجدہ واذان کے لئے ترس رہی ہیں اور گرجے ناقوس کی آواز کے لئے ترس رہے ہیں سب چراغ گل ہو چکے ہیں لیکن ہمیں گروہی نظریات اور ذاتی مفادات سے فرصت ہی نہیں ہے کہ الحاد کے سامنے کوئی بند باندھیں اور اسلام و مسلمانوں کو اس سیلاب کفر والحاد سے بچانے کی کوئی اجتماعی موثر کوشش کریں۔

افسوس! کہ چمنستان اسلام اجڑ رہا ہے اور ہم مسلمان کہلانے والے خاموش تماشائی بن کر تماشہ دیکھ رہے ہیں اور اب رفتہ رفتہ ان لایعنی بحثوں نے خدا و رسول کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کہیں مقام توحید پر بحثیں ہو رہی ہیں اور کہیں شان رسالت پر مباحثے ہو رہے ہیں بعدازیں مسلمانوں کے پاس باہمی اتحاد کی بنیاد کیا باقی رہ جاتی ہے؟ آہ۔ ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

سچ ہے کہ۔ ان اللہ اذا ارا د بقوم شرا شغلھم بالجدل ومنعھم من العمل اس سے اور بڑا عذاب کیا ہوگا؟

الا مان یارحمن اللھم نبھلنا عن نومۃ الغافلین ففقنا لخدمۃ دینك المبین واحفظنا من جمیع شرا لشیاطین من الجن والانس اجمعین وارحمنا برحمتك یا ارحم الراحمین بجاہ النبی والہ الطاھرین صلوات وسلامہ علیھم اجمعین۔

آیات القرآن

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ
وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ
ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

جس دن کچھ چہرے سفید (نورانی) ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) تم نے ہی ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا؟ تو اب اپنے کفر کے نتیجہ میں عذاب کا مزا چکھو (۱۰۶) اور جن کے چہرے سفید (نورانی) ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (۱۰۷) یہ آیات الٰہیہ ہیں جو ہم سچائی کے ساتھ تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں کیونکہ خدا جہان والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا (۱۰۸) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور سب معاملات کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہوتی ہے (۱۰۹) تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی راہنمائی) کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان لائے ہیں مگر بہت سے فاسق و نافرمان ہیں (۱۱۰)۔

تفسیر الآیات

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْه...الآیة ۱۰۶

قیامت کے دن کچھ لوگوں کے چہروں کے سفید و چمکدار اور ہشاش بشاش ہونے اور کچھ کے سیاہ اور گرد آلود ہونے کا تذکرہ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ جیسے۔

''وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ''(سورۃ زمر آیت۔۶۰)

''وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ''(سورہ عبس آیت۔۳۹، ۴۰)۔وغیرہ

لہٰذا بروز قیامت کچھ چہروں کا سفید روشن ونورانی ہونا اور کچھ کا سیاہ وتاریک ہونا تو ایک مسلمہ حقیقت ہے مگر غور طلب امر یہ ہے کہ سفید چہروں والے کون ہوں گے؟

ظاہر ہے کہ جن خوش بخت لوگوں کے دل نور ایمان سے منور ہوں گے اور مخلص مومن ہوں گے (انہی کے چہروں پر یہ سفیدی اور نورانیت کی کیفیت عیاں ہوگی۔ چنانچہ حضرت رسولؐ فرماتے ہیں:

"یا علی! انت وشیعتك تردون علی الحوض رواء امرضین مبیضة وجوههم وان عدوك یردون علی الحوض عطا شا مقحمین"

یا علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر اس حالت میں وارد ہوں گے کہ تم سیراب اور خوش وخرم ہو گے اور تمہارے چہرے سفید ہوں گے اور تمہارے دشمن جب حوض کوثر پر آئیں گے تو وہ پیاسے ہوں گے اور ان کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوں گے (صواعق محرقہ ۱۵۹ طبع مصر)

اور جن کے دلوں پر کفر، شرک، نفاق، ارتداد، بدعت اور فسق وفجور کی سیاہی جمی ہوگی اس گروہ میں کافر مشرک، منافق، مرتد، بدعتی، گناہان کبیرہ کا ارتکاب کر کے بلا توبہ مرنے والے سب داخل ہیں۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کی اجمالی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''هم اهل البدع والاهواء والا راء الباطلة من هذه الامة'' اس سے مراد اسی امت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدعتیں ایجاد کیں۔ من پسند راستے اور باطل نظریات اختیار کئے (مجمع البیان)۔

ترمذی نے ابو امامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں یعنی سیاہ چہرے خوارج کے ہوں گے (تفسیر معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں آیت ''یوم تبیض وجوه وتسود وجوه'' کے متعلق فرمایا ہے کہ مومنین مخلصین کے چہرے سفید ہوں گے لیکن ان کے علاوہ ان تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے دین میں تغیر وتبدل کیا ہوگا خواہ وہ مرتد اور کافر ہو گئے ہوں اور خواہ اپنے دلوں میں نفاق کو چھپائے ہوئے ہوں ان سب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا (تفسیر معارف قرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

مخفی نہ رہے کہا گر اس کے ساتھ ساتھ بخاری ومسلم کی احادیث حوض کا مطالعہ بھی کر لیا جائے تو اس قسم کے کئی اور چہرے بھی بے نقاب ہو جائیں گے۔

بہر حال اس دن مومن وکافر اپنے اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

''یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ'' اس دن مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے۔

بہرکیف نورانی چہروں والے اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور سیاہ چہروں والے عذاب خداوندی کا مزہ چکھیں گے"وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ"اور خدا تو بندوں پر ظلم و زیادتی کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔

بلکہ وہ ہر شخص کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق وہی سلوک کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر بیشتر اپنا فضل وکرم ہی فرماتا ہے۔وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ...الآية

"تم بہترین امت ہو" کا صحیح مفہوم؟

اس سے پہلے پارہ نمبر ۲ کے اوائل میں آیت ۱۴۳"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" کی تفسیر میں امت محمدیہ کے خیر الامم ہونے پر کچھ تبصرہ کیا جا چکا ہے۔اس آیت مبارکہ میں اس کے خیر الامم ہونے کی جو وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔اس کا مقصد حیات بہت اجل وارفع ہے کہ یہ تمام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے وجود میں آئی ہے۔اس کا ابر کرم کسی خاص قوم وقبیلہ یا کسی خاص خطہ ارضی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ملک وملت ہر زمان ومکان اور ہر اپنے وبیگانے انسان کے لئے عام ہے۔اخرجت للناس

۲۔یہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہے۔

۳۔یہ لوگوں کو برائی سے روکتی ہے۔

۴۔یہ خدا پر ایمان کامل رکھتی ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب باتیں تو تمام امتوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں۔وہ بھی امر ونہی کرتی تھیں اور وہ خدا پر ایمان بھی رکھتی تھیں تو پھر امت محمدیہ کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ امتیں بھی ان صفات سے متصف تھیں مگر جو کمال اس امت کے امر بالمعروف میں ہے اور جو جلال اس کی نہی عن المنکر کے حصے میں ہے اور جو جمال اس کے ایمان باللہ میں ہے اور جو فیضان عام اس کی نفع رسانی میں ہے۔وہ دوسری امتوں میں کہاں ہے؟ ان کا امر ونہی صرف قلب ولسان تک محدود تھا مگر امت مرحومہ کا امر ونہی اس سے بڑھکر قوت بازو یعنی جہاد سے بھی ہے اور ایمان باللہ کے سلسلہ ہیں جیسی خالص توحید کا تصور قرآن اور اسلام نے پیش کیا ہے اس کا سابقہ امتوں میں تصور کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔

بہر حال علم الاصول کا قاعدہ ہے کہ ''تعلیق الحکم علی صفة یشعر بالعلیة'' کہ کسی حکم کا کسی صفت پر معلق کرنا اس صفت کے اس حکم کی علت ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ مثلاً جب کہا جائے اکرموا العلماء۔ علماء کا احترام کرو تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ عالم کا علم اس کے احترام کا سبب ہے تو بالکل اسی طرح یہاں امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا ان چار صفتوں پر معلق کیا گیا ہے تو جب تک یہ صفات اس امت میں موجود رہیں گی تب تک وہ خیر الامم رہے گی اور اگر خدانخواستہ کبھی اس سے یہ صفات مفقود ہو گئیں تو اس کا خیر الامم ہونا بھی ختم ہو جائے گا۔

یہاں ایک چیز کی وضاحت کر دینا ضروری ہے (جس کی طرف سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت کے ذیل میں بھی اشارہ کیا جا چکا ہے) کہ آیا یہ خطاب پوری امت محمدیہ کو ہے؟ یا اس میں سے ایک خاص جماعت کو خطاب ہے؟ جو کہ خیر آئمہ ہے جیسا کہ تفسیر عیاشی کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ کی قرأت میں ''خیر آئمہ'' وارد ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ بھلا پوری امت کس طرح بہترین امت ہو سکتی ہے جبکہ اسی امت نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کو شہید کیا؟ (تفسیر قمی و برہان وغیرہ)

دوسری روایت میں جو انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا یعنی ''الامة التی وجبت لها دعوة ابراهیم علیه السلام۔۔۔ الخ'' کہ اس سے مراد وہ جماعت ہے جس کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی تھی ''وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ''۔ (سورہ بقرہ ۱۲۸)

یہی امت وسط ہے اور یہی بہترین امت ہے جس میں سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے (وابعث فیهم رسولا منهم)۔ (تفسیر نور الثقلین)

اور یہ آلؑ رسولؐ ہیں (تفسیر صافی)

یہ ہیں وہ ذوات مقدسہ جن میں منجانب اللہ عہدہ امامت ودیعت ہوا ہے اور یہی پیغمبر اسلامؐ کے بعد پوری کائنات کے حقیقی ہادی و رہنما اور واجب الاتباع ہیں جس پر علاوہ بیسیوں دلائل کے حدیث سفینہ اور حدیث ثقلین بھی بطور نص صریح دلالت کرتی ہیں۔ مولانا مودودی نے اس آیت اور امت وسط والی آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''دنیا کی امامت و رہنمائی کے منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث معزول کئے گئے اور اب اس منصب کے لئے امت محمدیہ کو مامور کیا گیا ہے (تفہیم القران)''

کیا مولانا صاحب نہیں جانتے کہ

''الائمة من قریش'' کہ امامت صرف خاندان قریش میں رہے گی؟ (صحاح ستہ)
اور وہ بھی اس کی ایک خاص شاخ یعنی بنی ہاشم میں سے ہوں گے (ینابیع المودۃ وعمدہ ابن بطریق) اور یہ امامت بارہ میں۔
منحصر ہے ''یکون بعدی اثنا عشر ائمة'' اور یہ کہ امامت صرف بارہ اماموں میں ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک برقرار رہے گا۔ (صحاح ستہ)

اس حدیث نبوی کی صحت پر تمام ائمہ حدیث کا اجماع ہے (صواعق محرقہ طبع جدید مصر)

ان حقائق کی روشنی میں تمام امت کس طرح منصب امامت پر فائز ہوگئی؟

کیا موصوف کو معلوم نہیں ہے کہ:

تمام امت محمدیہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو نہ امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہ نہی عن المنکر۔

اور ایسے بھی موجود ہیں جو منکر کا حکم دیتے ہیں اور معروف سے روکتے ہیں۔

اور ایسے بھی ہیں جن کی نگاہ میں یہود ونصاریٰ کی طرف معروف ومنکر کا مفہوم ہی بدل چکا ہے وہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھتے ہیں

اور ایسے لوگ بھی ہیں جن میں تمام شرعی عیوب ونقائص پائے جاتے ہیں اور وہ بے تحاشا تمام شرعی محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بنابریں وہ تو خود اس لائق ہیں کہ ان کو امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کیا جائے بھلا وہ کس طرح دنیا کی امامت اور رہنمائی کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوسکتے ہیں؟ مالکم کیف تحکمون؟

اے کاش کہ جناب مولانا نے اس عہدہ جلیلہ کی جلالت ونزاکت اور اس منصب کی ذمہ داری کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے کم ازکم اپنے بھائی بندشاہ اسمعیل دہلوی کی کتاب ''منصب امامت'' کا ہی مطالعہ کرلیا ہوتا۔

بہرحال ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہوجاتی ہے کہ یہ خطاب عام امت کو نہیں ہے بلکہ اس میں سے بعض مخصوص افراد کو ہے جن کو منجانب اللہ یہ منصب جلیل عطا ہوا ہے اور وہ خاندان نبوت کے چشم وچراغ بارہ امام علیہم السلام ہیں نہ کوئی اور!

آیات القرآن

لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی ؕ وَاِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ۟ ثُمَّ لَا

يُنۡصَرُوۡنَ۝۱۱۱ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ
الۡمَسۡكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ
الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ۝۱۱۲ لَيۡسُوۡا
سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ
وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ۝۱۱۳

ترجمۃ الآیات

یہ معمولی اذیت کے سوا ہرگز تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھائیں گے پھر انکی (کہیں سے) مدد نہ کی جائے گی (۱۱۱) یہ جہاں بھی پائے جائیں ان پر ذلت کی مار پڑ گئی مگر یہ کہ خدا کے کسی عہد پر اور انسانوں کے کسی معاہدے کے سہارے کچھ پناہ مل جائے اور یہ خدا کے قہر وغضب میں گھر گئے ہیں اور ان پر محتاجی کی مار پڑی یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ آیات الٰہی کے ساتھ کفر کرتے رہے اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے نیز اس لئے کہ نافرمانی کی اور زیادتیاں کیا کرتے تھے (۱۱۲) یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں۔اہل کتاب میں ایسی ثابت قدم جماعت بھی ہے جو رات کے مختلف اوقات میں آیات الٰہی کی تلاوت کرتی ہے۔اور سجدہ ریز ہوتی ہے (۱۱۳)۔

تفسیر الآیات

لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ اِلَّاۤ اَذًى...الآیۃ ۱۱۱

خداوند عالم نے یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد کہ اگر یہ لوگ اپنی غلط اندیشاں کہ ''اسلام لانے سے ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائیگی'' اور انہیں مالی نقصان ہوگا۔چھوڑ کر ایمان لاتے تو ان کے لئے دنیا وآخرت میں

بہتر ہوتا۔ یہاں عزت ملتی اور وہاں ثواب ملتا۔اس سے آگے خداوند عالم نے پیشینگوئی کی ہے کہ اگر یہ ایمان نہ بھی لائے تو باوجود دولت اور قوت، ثروت، اور اثر ورسوخ کے نہ کبھی تم پر غالب آئیں گے اور نہ سوائے زبانی کلامی ایذا رسانی کے تمہیں کوئی خاص نقصان پہنچا ئیں گے اور اگر کبھی تمہارے مقابلہ میں آ گئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے چنانچہ بنوقریظہ اور بنونظیر کے مقابلہ کے وقت جنگ خیبر میں دنیا نے بچشم خود قرآن کی اس پیشینگوئی کی صداقت دیکھ لی اب بھی کوئی قرآن کے اعجاز سے انکار کرسکتا ہے؟

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ...الآیۃ ۱۱۲

یہود کی ذلت مسکنت کا تذکرہ اور موجودہ حکومت کا بیان

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ۶۱ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۵۵ کے ذیل میں اس ذلت ورسوائی اور فقر ومسکنت کی توضیح اور امریکہ و برطانیہ وغیرہ پورے اسلام دشمن ممالک کے باہمی گٹھ جوڑ سے اسرائیل کی عارضی سلطنت کے قیام کی تشریح کی جا چکی ہے۔ یہاں اگرچہ مزید کسی قلم فرسائی کی ضرورت تو نہیں ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے سید العلماء مرحوم کے مختصر مگر جامع افادات کو ہدیہ قارئین کردیا جائے چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں:

''اس آیت میں یہود پر ذلت لکھے جانے کے اعلان کے ساتھ '' الا بحبل من الله وحبل من الناس '' کا استثنا ان تمام اعتراضات کا جواب ہے جو آج تقریباً چودہ سو برس کے بعد انگلستان اور امریکہ کی دستیاری سے اسرائیلی سلطنت کے قیام کی وجہ سے زبانوں پر آنے لگے ہیں کہ قرآن نے کہا تھا کہ ان پر ذلت لکھی گئی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں مشہور تھا کہ یہودیوں کی کوئی سلطنت دنیا میں نہیں ہوسکتی۔ پھر یہ آج ان کی سلطنت کیوں کر قائم ہوگئی؟ مگر قرآن نے صاف طور پر استثنا کردیا ہے کہ وہ خود اپنی طاقت کے بل بوتے پر اس ذلت سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ ہاں! اللہ کی طرف سے کوئی معاہدہ ہو یعنی جزیہ دے کر اسلام کی پناہ میں آ جائیں یا کچھ اور لوگوں کے سہارے کبھی قوت حاصل کرلیں تو اور بات ہے۔ اب دنیا خود فیصلہ کرے کہ یہ اسرائیلی حکومت دوسروں کے سہارے سے قائم ہوئی ہے یا نہیں؟ اب بھی کیا دنیا اعجاز قرآن کا انکار کرے گی؟

''وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ'' (فصل الخطاب ج ۲ ص ۳۳)

لَيْسُوْا سَوَآءً...... الآیۃ

سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو۔

۱۔ثابت قدم ہے۔

۲۔رات کے مختلف اوقات میں آیات الٰہی کی تلاوت کرتی ہے۔

۳۔سجدے کرتی ہے۔

۴۔خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتی ہے۔

۵۔اچھی باتوں کا حکم دیتی ہے۔

۶۔برے کاموں سے روکتی ہے۔

۷۔نیکی کے کام کرنے میں تیزی کرتی ہے۔اس لئے وہ نیکوکاروں میں سے ہے لہٰذا وہ جو نیک کام کرے گی اس کی ناقدری نہیں ہوگی۔

چونکہ خداوند عالم نے سابقہ آیات میں یہود و نصاریٰ کی بے حد مذمت کی تھی تو محض اس لئے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ سب یکساں ہیں۔خالق حکیم نے یہ وضاحت کر دی کہ سب برابر نہیں ہیں بلکہ ان میں ایسی اچھی صفات کے حامل لوگ بھی ہیں جن صفات سے عام یہودی عاری ہیں جو خلوص نیت سے ایمان لائے ہیں اور اب اپنی سیرت، کردار اور روش و رفتار سے اسلام کی سربلندی میں مصرف کار ہیں...... نیز اس میں احبار یہود کے اس پروپگنڈا کا جواب بھی ہے جو انہوں نے بعض اہل کتاب کے اسلام لانے پر کیا تھا کہ یہ ہم میں سے شریر قسم کے لوگ تھے (تفسیر مجمع البیان)

اسی جماعت کا ذکر اس سورہ کے آخر میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

"وَ اِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ‌ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ"

بے شک اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔یہ لوگ خدا سے ڈرتے ہیں آیات الٰہیہ کے عوض کوئی قیمت قبول نہیں کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک ان کا اجر ہے بے شک اللہ جلد حساب بے باق کرنے والا ہے۔(آل عمران ۱۹۹)

مخفی نہ رہے کہ ان آیات شریفہ سے ضمنی طور پر تلاوت قرآن اور نماز و سجود کے ساتھ شب بیداری اور رات کے سمے میں گریہ وزاری کرنے کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا:

"رکعتان یر کعھما العبد فی جوف اللیل الا خیر خیر لہ من الدنیا والا خرۃ"

وہ دو رکعت نماز جو کوئی بندہ رات کے آخری حصہ میں پڑھے وہ اس کے لئے دنیا و آخرت سے بہتر ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے فرمایا:

"وہ گھر جن میں رات کے وقت قرآن۔ کی تلاوت کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے وہ اہل آسمان کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح اہل زمین کے لئے ستارے چمکتے ہیں"۔ نیز فرمایا: "نماز شب پڑھا کرو کہ یہ تمہارے نبی کریمؐ کی سنت اور سلف صالحین کا طریقہ کار ہے"۔ (مجمع البیان ۱۹) "اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلاً" (سورہ مزمل آیت۔۶) یعنی رات کا اٹھنا سخت ضرور ہے مگر ذکر خدا کے لئے بہترین وقت ہے۔

آیات القرآن

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں تیزی کرتے ہیں اور یہ لوگ نیک لوگوں میں سے ہیں (۱۱۴) یہ جو نیکی بھی کریں گے اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی اور خدا پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے (۱۱۵) بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہیں ان کے اموال اور اولاد اللہ (کی گرفت) سے کچھ بھی نہیں بچاسکیں گے۔ وہ تو دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۱۱۶) یہ لوگ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوکی سی ہے جس میں سخت سردی ہو اور وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اور اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ (۱۱۷)

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ ...الآیۃ ۱۱۶

کفار کو مال واولاد کوئی فائدہ نہ دیں گے

اگر چہ کفار کو خدا کی گرفت اور اس کے عذاب سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا مگر خصوصیت کے ساتھ اموال واولاد کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر آدمی فطرۃً یہ توقع رکھتا ہے کہ مشکل وقت آنے پر مال واولاد اس کے کام آئیں گے مگر جب خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ۔

آخر میں جو عبرت آگین مثال دی گئی ہے اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جس طرح موسم سرما میں سخت ٹھنڈی ہوا کھیتی کو خراب و برباد کر دیتی ہے اسی طرح کفار و مشرکین ایمان لائے بغیر ریا و سمعہ اور نام و نمود کی خاطر رفاہ عامہ وغیرہ کے کاموں میں جو مال و دولت خرچ کرتے ہیں جب اس میں کفر و شرک کی زہر مل جائیگی تو ان کے صدقہ و خیرات کو ضائع واکارت کر دے گی اور ان کے صدقات و خیرات ھباءً منثوراً ہو کر رہ جائیں گے اس لئے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ ا

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

آیات القرآن

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ
اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ
وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً
مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا
لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا
يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا
خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اپنے (لوگوں کے) سوا دوسرے ایسے لوگوں کو اپنا جگری دوست (راز دار) نہ بناؤ جو تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ جو چیز تمہیں مصیبت و زحمت میں مبتلا کرے وہ اسے محبوب رکھتے ہیں بغض و عناد ان کے مونہوں سے ٹپکتا ہے۔ اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لئے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔ (۱۱۸) تم اسے (سیدھے) ہو کہ تم ان سے محبت

کرتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ حالانکہ تم (آسمانی) کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ (ان کی حالت یہ ہے کہ) جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غیظ و غضب سے اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہد و کہ اپنے غم و غصہ سے مر جاؤ۔ بے شک اللہ سینے کے اندر والی باتوں کو خوب جانتا ہے (۱۱۹) جب تمہیں کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر سے کام کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو ان کی ترکیبیں اور چالیں تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ بے شک جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں خدا اس کا علمی احاطہ کئے ہوئے ہے (۱۲۰)۔

تفسیر الآیات

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو...الآیة

کفار سے مخلصانہ مراسم محبت قائم کرنے کی ممانعت

اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مدینہ کے بعض قبائل (جیسے اوس و خزرج) کے اسلام لانے سے پہلے مدینہ کے یہودیوں سے گہرے تعلقات تھے اب اسلام لانے کے بعد بھی وہ اسلامی رواداری اور اپنی خاندانی شرافت کی بنا پر ان مراسم و تعلقات کو نبھانا چاہتے تھے مگر یہودی اپنی اسلام و پیغمبر اسلام دشمنی کی بنا پر مسلمانوں سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ اس لئے خدا نے اہل ایمان کو نصیحت کی ہے کہ وہ مخالفین اسلام کو اپنے مخلص اور جگری دوست اور ہمراز نہ بنائیں۔ مبادا وہ تمہارے راز معلوم کر کے تمہیں کوئی اندرونی یا بیرونی طور پر نقصان پہنچائیں (مجمع البیان)

''بطانہ'' کپڑے کے اس نچلے حصہ کو کہا جاتا ہے جو جسم سے ملا رہتا ہے جس طرح ظہارہ اس کے اوپر والے حصہ کو کہا جاتا ہے اور مجازاً بطانہ اس جگری اور مخلص دوست کو کہا جاتا ہے جو اس کا ایسا دم ساز و ہمراز ہو کہ وہ اپنے معاملات میں اس سے مشورہ لیتا ہو۔ بنا بریں اہل ایمان کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی جماعت کے علاوہ مخالفین میں سے کسی شخص کو اپنا معتمد اور مشیر و وزیر نہ بنائیں۔ مبادا کہ وہ تمہیں ضرر و زیاں پہنچائے۔ اور اگر مسلمان بعض حکم و مصالح کے تحت غیر مسلموں سے تعلقات رکھنا چاہیں تو ایک حد کے اندر رکھیں اس سے آگے نہ

بڑھیں۔ وہ حد کیا ہے؟ اس کی وضاحت اسی سورہ آل عمران کی آیت ۲۸ کے ذیل میں کردی گئی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔ غرضیکہ تم جس قدر چاہو ان سے لطف و مدارا کرو وہ تمہارے مخلص دوست نہیں بن سکتے اس لئے ان سے تعلقات رکھنے میں بڑے حزم واحتیاط کی ضرورت ہے اس سے آگے خداوند عالم نے دشمنان اسلام یہود اور اہل اسلام کی روش ورتار کا تذکرہ اور موازنہ کیا ہے کہ وہ

ا۔ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

۲۔ جو چیز تمہیں زحمت پہنچائے اسے محبوب رکھتے ہیں۔

۳۔ تم ان سے محبت کرتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔

۴۔ جب تم سے سامنا ہوتا ہے تو از راہ منافقت ایمان واخلاص کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب تخلیہ ہوتا ہے تو غیظ وغضب سے انگلیاں چباتے ہیں۔

۵۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں الغرض تمہاری اور اسلام کی روز افزوں ترقی اور کامیابی ان کے لئے وہ گلے کی ہڈی بنی ہوئی ہے کہ جسے نہ اگل سکتے ہیں اور نہ نگل سکتے ہیں۔ اور شدت درد والم سے کراہ رہے ہیں خدا فرماتا ہے''**قل موتوا بغیظکم**'' اپنے غم وغصہ سے مر جاؤ۔ کیونکہ حاسد کا اس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے کہ وہ آتش حسد میں جل کر راکھ ہو جائے۔ ع۔

کہ از مشقت اوجز بمرگ نتواں رست

آیت کے آخر میں خداوند عالم نے اس کارگاہ ہستی میں مصائب اور پریشانیوں سے بچنے اور اس رزم گاہ حیات میں کامیاب وکامران ہونے کے لئے دو تیر بہدف گر بتائے ہیں۔

(۱) ایک کا نام صبر ہے کہ جس قدر مصائب وشدائد کے بادل اُمڈ کر آئیں آدمی صبر وضبط کا دامن نہ چھوڑے۔ ان اللہ مع الصابرین۔

(۲) دوسرے کا نام تقویٰ ہے کہ آدمی خدا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر ثابت قدمی سے گامزن رہے اور پرہیزگاری اختیار کرے فرماتا ہے:

وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُھُمۡ شَیۡئًا' اگر تم صبر سے کام لو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کی ترکیبیں اور چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔

''وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ'' جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لئے راستہ کھول دیتا ہے اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں

ہوتا (سورہ طلاق آیت۔۲،۳)۔

اور سورہ یوسف میں فرماتا ہے"وَ من یتق یَصْبِرْ فَاِنَّ اللہ لاَ یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ"(سورہ یوسف آیت۔۹۰)

جوکوئی صبر اور تقویٰ اختیار کرے خدا بھلائی کرنے والوں کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرتا اور ایسے لوگ دنیا و آخرت کی امتحان گاہ میں ضرور کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔کامیابی ان کا مقدر ہے اور ان کا حق ہے جسے کوئی ان سے چھین نہیں سکتا"اِنَّ اللہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ "بے شک یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں خدا اس کا (علمی) احاطہ کئے ہوئے ہے (آل عمران آیت۔۱۲۰)۔

آیات القرآن

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۱۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

جب تم میں سے دوگروہوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کیا (مگر پھر سنبھل گئے) حالانکہ اللہ ان کا حامی و مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے (۱۲۲) بے شک (اس سے

پہلے) جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ تم (اس وقت) بہت کمزور تھے سو اللہ کی نافرمانی سے ڈرو۔ تاکہ تم شکرگذار بنو۔ (۱۲۳) (اے پیغمبر) یاد کرو۔ جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ بات تمہارے (اطمینان) کے لئے کافی نہیں ہے۔ کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے جو (آسمان سے) اتارے گئے ہوں (۱۲۴) ہاں کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ الٰہی اختیار کرو۔ اور وہ (دشمن جوش میں آکر) اس وقت فوری طور پر تم پر چڑھیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا (۱۲۵) اللہ نے اس (غیبی امداد) کو قرار نہیں دیا مگر اسلئے کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو۔ اور تمہارے دل مطمئین ہو جائیں اور (یہ بات تو واضح ہے کہ) مدد اور فتح و نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔ (۱۲۶)

تفسیر الآیات

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ...الآیۃ ۱۲۱

جنگ احد کا تفصیلی تذکرہ اور اس کا پس منظر و پیش منظر

ان آیات میں خداوند عالم نے غزوہ احد کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بات آیت میں مذکور نہیں ہے بلکہ تفسیر و حدیث میں مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اس غزوہ کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ بدر میں (جس کا تذکرہ اسی سورہ آل عمران کی آیت ۱۳ کے ذیل میں کیا جا چکا ہے) جو کہ ۲ھ میں بمقام بدر مسلمانوں اور کفار کے درمیان واقع ہوئی جس میں قلت عددی اور بے سروسامانی کے باوجود قادر مطلق عزوجل نے مسلمانوں کو نمایاں فتح و فیروزی عطا فرمائی اور کفار کو ذلت آمیز شکست دی چنانچہ قریش کے ستر نامور سورما مارے گئے ستر اسیر ہوئے اور باقی ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے جس کی وجہ سے قریش کے دلوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی سینوں میں انتقام کی آگ سلگنے لگی اور اس خیال سے کہ کہیں جوش انتقام سرد نہ پڑ جائے اپنی عورتوں کو مقتولین پر رونے سے منع کر دیا۔

اور بالآخر ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہیں لیں گے آرام و چین سے نہیں بیٹھیں گے اور ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک قریش کے کشتوں کا بدلہ نہیں لے لوں گا

اس وقت تک سر میں تیل نہیں لگاؤں گا اور سال بھر کی تیاری اور جنگ کا انتظام کرنے کے بعد بالآخر قریش کے ساتھ اور بھی بہت سے قبائل مدینہ پر تخت وتاراج کرنے کی غرض سے نکل کھڑے ہوئے اور ہند زوجہ ابوسفیان بھی اور چودہ عورتوں کی سرگروہ بن کر (جن میں بڑے نامورلوگوں کی بیویاں، بہنیں، اور بیٹیاں شامل تھیں) فوج میں شامل ہوگئیں ان عورتوں کو شامل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان کارزار میں جنگ آزماؤں کے جذبات کو بھڑکائیں اور پسپائی کی صورت میں انہیں جوش وغیرت دلاکر واپس میدان میں لائیں۔اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی جو منازل سفر طے کرتا ہوا اور راستہ میں مار دھاڑ کرتا ہوا مدینہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر بمقام احد خیمہ زن ہوا جب حضرت رسول خداؐ کو اس صورت حال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے جنگ لڑنے کے طریقہ کار کے بارے میں مسلمانوں سے مشورہ لیا۔

کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ چونکہ مسلمان تعداد میں کم ہیں لہٰذا دفاعی صورت اختیار کرنا بہتر ہوگا کہ مدینہ کے اندر محصور رہ کر جنگ لڑی جائے مگر پر جوش مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ دشمن کو ہماری کمزوری کا احساس وگمان نہ ہو اس اثنا میں آنحضرتؐ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ وبکتر پہن کر باہر تشریف لائے اور ابن ام مکتوم کو مدینہ میں نگران مقرر کیا اور ۱۴ شوال ۳ھ کو نماز جمعہ کے بعد ایک ہزار کی جمعیت کیساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور کوہ احد کی جانب روانہ ہوئے۔

ابھی پیغمبر اکرمؐ نے آدھا راستہ طے کیا ہوگا کہ عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے کٹ کر واپس مدینہ آگیا اور عذر یہ تراشا کہ چونکہ میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا کہ اندرون شہر رہ کر جنگ لڑی جائے لہٰذا میں حدود شہر سے باہر نکل کر اپنے ساتھیوں کی جانیں خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتا اب مسلمانوں کی تعدا سات سو رہ گئی۔ان سات سو میں انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ و بنی حارثہ بھی واپسی کے منصوبے باندھنے لگے مگر توفیق الٰہی شامل حال ہوئی اور پھر سنبھل گئے اور پلٹنے کا ارادہ ترک کر دیا قرآن مجید میں انہی کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔''**اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا**'' جب تم میں سے دو گروہوں نے (یہیں سے) پسپا ہونے کی ٹھان لی۔

پیغمبر اسلامؐ نے انہی سات سو لشکریوں کے ساتھ دامن کوہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔آج کا دن تو گذر ہی چکا تھا دوسرے دن ۱۵ شوال ۳ھ روز شنبہ دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے آنحضرتؐ نے دشمن کی کثرت تعداد اور اسلحہ جنگ کی فراوانی اور اپنی قلت تعداد اور سامان جنگ کی کمی کے پیش نظر حفاظتی تدابیر کے طور پر کوہ احد کو پس پشت رکھا اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر اور بائیں جانب کوہ عینین

کے ایک تنگ درہ پر پچاس کمانڈروں کا ایک دستہ عبداللہ ابن جبیر کی زیر نگرانی کھڑا کر دیا اور اسے تاکید کی کہ خواہ فتح ہو یا شکست جب تک اسے حکم نہ دیا جائے وہ کسی حالت اور کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑے اگر یہ انتظام نہ کیا جاتا تو کفار اس سمت سے حملہ آور ہو کر لشکر اسلام کو اپنے محاصرہ میں لے لیتے اور مسلمانوں کے لئے اپنی جانیں بچا لے جانا مشکل ہو جاتا۔

اس نظم وانصرام کے بعد بقیہ لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ پر سعد بن عبادہ کو میسرہ پر اسید بن حضیر کو متعین کیا اور لوا مصعب بن عمیر کو دیا اور علم جنگ حضرت علیؑ کے سپرد کیا جو جنگ بدر میں بھی علمبردار تھے اور بعد کے غزاوت میں بھی علمبردار رہے قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ'' اور وہ موقع یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب تم صبح سویرے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور مومنوں کو جنگی مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔

یعنی ایک جگہ تو پوری فوج کا مستقر بنائی گئی اور ایک جماعت کو درہ کوہ کے تنگ راستہ پر مقرر کیا گیا۔ ادھر کفار نے بھی اپنے لشکر کو میمنہ و میسرہ پر تقسیم کیا۔ میمنہ کا سردار خالد بن ولید کو بنایا اور میسرہ کا عکرمہ بن ابی جہل کو سواروں کا افسر عمرو بن العاص کو مقرر کیا۔ اور قلب لشکر میں جہاں قریش کا بڑا بت ھبل اونٹ پر لادر کھا تھا ابوسفیان جا کھڑا ہوا اور علم لشکر بنی عبدالدار کے طلحہ بن عثمان کے سپرد کیا گیا۔ جب کیل کانٹے سے لیس ہو گئے تو قریش کے ''اعل ھبل'' (ھبل کا بول بالا) کا نعرہ لگایا اور ہندہ اور دوسری عورتیں صفوں کے آگے کھڑی ہو گئیں اور جوش پیدا کرنے کے لئے دف پر ٹھک ٹھک کر گانے لگیں۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق

ان تقبلوا نعانق۔ اوتدبروا نفارق

ترانہ کے ختم ہوتے ہی طبل جنگ بجا اور دست بدست لڑائی کا آغاز ہو گیا ادھر سے کفار کا علمبردار طلحہ بن عثمان بڑے کروفر کے ساتھ میدان میں آیا اور طنز۔ آمیز لہجہ میں رجز پڑھا۔ ادھر سے حضرت علیؑ تلوار لہراتے اور رجز پڑھتے ہوئے نکلے اور دونوں شمشیر بکف آپس میں بھڑ گئے۔ طلحہ نے وار کیا حضرت علیؑ نے بیکار کیا اور جوابی حملہ کیا اور بیک ضرب شمشیر اس کا کام تمام کیا۔ یہ منظر دیکھ کر پیغمبرؐ نے صدائے تکبیر بلند کی اور اس کے ساتھ مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر لگایا۔ طلحہ کے مارے جانے سے کفار کے حوصلے پست ہو گئے اس کے بعد عثمان ابن ابی طلحہ نے قریش کا علم بلند کیا حضرت علیؑ نے تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا حضرت علیؑ دونوں صفوں کے درمیان علم کو فضا میں لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کرتے جا رہے تھے اور لشکر قریش میں جو بھی علم ہاتھوں

میں لیتا اسے تہہ تیغ کر کے پرچم کفر سرنگوں کر دیتے یہاں تک کہ آٹھ علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیا اور جب بنی عبدالدار میں سے کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو اس قبیلہ کے ایک غلام صواب نے علم سنبھال لیا حضرت نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اس طرح تمام پرچم برداروں کا خاتمہ کر دیا۔ ابن اثیر نے تحریر کیا ہے:

''کان الذی قتل اصحاب اللواء علی''

جس نے علمبرداران لشکر کو تہ تیغ کیا وہ علیؑ تھے (تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۰۷)

حضرت حمزہؓ کی تلوار صاعقہ بار بھی دشمن کے سروں پر چل رہی تھی۔

الغرض علمبرداران لشکر کے قتل سے قریش کا دم خم جاتا رہا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں جم نہ سکے اور شکست کھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ ابوسفیان علم کو سرنگوں اور ھبل کو خاک بسر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور قریش کی عورتیں بھی پائنچے سمیٹے دوڑ پڑیں مسلمانوں نے جب کفار کو دوڑتے اور میدان کو خالی چھوڑتے دیکھا تو ان پر حرص وطمع کی کمزوری غالب آ گئی اور دشمن کی طرف سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے درہ کوہ کے محافظوں نے جب مال غنیمت لٹتے دیکھا تو ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا اگرچہ عبداللہ بن جبیر نے انہیں پیغمبرؐ کا حکم یاد دلایا اور درہ کو خالی چھوڑنے سے منع کیا مگر چند آدمیوں کے سوا کسی نے بات نہ سنی اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے۔ کمانداروں کی اس بے صبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے درہ کوہ کو خالی دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر اس یلغار کو روک نہ سکے اور ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔ خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے کفار پلٹ آئے اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو از سر نو جمع کیا اور مسلمانوں کے منتشر لشکر پر حملہ کر دیا مسلمان جو حملہ سے بے خبر مال غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے اس دوطرفہ یلغار سے حواس باختہ ہو گئے اور جنگ کا نقشہ پلٹ گیا۔ جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ کچھ مسلمان شہید ہو گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے مورخ طبری نے تحریر کیا ہے:

''کان المسلمون لما اصابھم ما اصابھم من البلا اثلاثاً تلث قتیل ثلث جریح وثلث منھزم'' جب مسلمانوں پر یہ مصیبت پڑی تو ان میں سے ایک تہائی قتل ہو گئے۔ ایک تہائی زخمی ہوئے اور ایک تہائی بھاگ کھڑے ہوئے (تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۹۷)

تاہم حضرت علیؑ اور کچھ صحابہ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ میدان جنگ میں

مصروف کار تھے ادھر مشرکین نے پیغمبرؐ پر ہجوم کیا اور کچھ لوگوں نے براہ راست آپ پر حملہ کر دیا کسی نے آپؐ کی پیشانی پر ضرب لگائی اور کسی نے پتھر پھینکے جس سے آپ کے چار دانت شہید ہو گئے اور ہونٹ شگافتہ ہوا۔ قبیلہ انصار کے چند آدمی آگے بڑھ کر حائل ہوئے کفار پیچھے ہٹے اور تھوڑے فاصلہ سے تیر برسانے شروع کیے ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبرؐ کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرتؐ پر جھک کر اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے اتنے میں یہ افواہ اڑ گئی کہ حضرت رسول خداؐ شہید ہو گئے اس خبر نے صحابہ کرام کے رہے سہے ہوش بھی گم کر دیئے اور ان کی ہمت جواب دے گئی اور عام بھگدڑ مچ گئی کچھ لوگ دور چٹانوں کی اوٹ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگوں نے مدینہ پہنچ کر دم لیا۔

طبری نے تحریر کیا ہے کہ:

''تفرق عنه اصحابه ودخل بعضهم المدينه وانطلق بعضهم فوق الجبل الى الصخرة فقاموا عليها وجعل رسول الله يدعو الناس الى عباد الله''

یعنی آنحضرتؐ کے اصحاب آپ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ان میں سے کچھ مدینہ پہنچ گئے کچھ پہاڑ کے اوپر چٹان پر چڑھ گئے اور وہیں پر ڈیرے ڈال دیئے پیغمبر خداؐ انہیں پکارتے تھے اے بندگان خدا (اے اللہ کے بندو) میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۰۱)

قرآن مجید میں اس واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

''اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ''

جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور رسولؐ تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا مگر تم کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ یہ افواہ سن کر بعض صحابہ نے کہا کہ اگر پیغمبرؐ مارے گئے ہیں تو پھر ہم لڑ کر کیا کریں گے۔ اور حضرت علیؑ نے جو کہ دو دستی تلوار ہاتھ میں لے کر کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے یہ آواز سن کر کہا اگر آنحضرتؐ مارے گئے ہیں تو ہم جی کر کیا کریں گے (مدارج النبوۃ)

مورخ طبری نے چٹان پر بیٹھنے والوں کی باہمی گفتگو بھی درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ بن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابوسفیان سے امان کی درخواست کرتا۔ اے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو قتل ہو گئے اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے وہ آئیں اور تمہیں قتل کر دیں (طبری ج ۲ ص ۲۰۱)

قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

''اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللہُ الشّٰکِرِیْنَ''

اگر پیغمبر اپنی موت مرجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پلٹے گا وہ خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور خدا جلد ہی شکر گذاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔(سورہ آل عمران آیت۔ ۱۴۴)

جناب ابوبکرؓ کہتے ہیں:

''لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ کنت اول من جاء النبی''

جب احد کے دن لوگ رسول اللہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب سے پہلے پلٹ کر آیا(تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۵)

جناب عمرؓ کہتے ہیں:

''تفرقنا عن رسول اللہ یوم احد فصعدت الجبل''ہم احد کے دن رسول اللہ سے الگ ہو گئے اور میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۶۸)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جناب عثمان اس گروہ میں شامل تھے جنہوں نے تیسرے دن مراجعت فرمائی تھی اور انہیں دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

''لقد ذھبتم فیھا عریضۃ،'تم لوگ بہت دور نکل گئے تھے(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۱۰)

ابن سعد حضرت علیؑ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''وکان علی من ثبت مع رسول اللہ یوم احد حین انھزم الناس بایعہ علی الموت''

احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ حضرت رسولؐ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور موت پر بیعت کی تھی(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۳)

خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب عام بھگدڑ مچی تو پیغمبرؐ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا اور دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا جب کفار کا پرا چھٹا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر میدان میں ثابت قدم کھڑے ہیں۔(اسد الغابہ)۔

اس اثنا میں پچاس سواروں کا ایک دستہ آنحضرتؐ پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھا آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یا علیؑ! دشمن حملہ کے لئے بڑھ رہا ہے۔

حضرت علیؑ نے شیرانہ حملہ کر کے انہیں منتشر کر دیا پھر دوسری طرف سے مشرکین نے حملہ کرنا چاہا آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی۔ انہیں روکو جناب نے انہیں بھی تتر بتر کر دیا۔

غرض جدھر سے ہجوم بڑھتا ادھر علیؑ آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے اور دشمن کے پرے توڑ کر رکھ دیتے حضرت علیؑ کی اس جاں نثاری کو دیکھ کر جبرئیل امینؑ نے پیغمبر سے کہا: ''یا رسول اللہ ھذہ المواساۃ''۔ یارسول اللہ ہمدردی وغمخواری اسے کہتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا! انہ منی و انا منہ۔ کیوں نہ ہو علیؑ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ جبرئیلؑ نے کہا اور میں آپ دونوں کا ہوں (تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۹۷)

اسی موقع پر ''لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی'' کی آواز فضا میں گونجی اور فرش سے عرش تک تحسین وآفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ حضرت علیؑ اس غزوہ میں جس پامردی وثابت قدمی سے لڑے وہ اسلامی جہاد کا ایک عظیم نمونہ اور تاریخ کا ایک مثالی کارنامہ ہے انہوں نے اور حضرت حمزہ اور دوسرے دو چار جانبازوں کی جوانمردی وثابت قدمی نے مسلمانوں کو شکست کی بدترین صورت سے بچا لیا۔ حضرت حمزہ نے اس معرکہ میں بڑی داد شجاعت دی مگر آخر کار جبیر بن مطعم کے وحشی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے اور ہند بنت عقبہ نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے دانتوں سے چبایا۔ جب حضرت رسول خداؐ نے جناب حمزہ کا لاشا دیکھا اور ان کے کٹے پھٹے اعضا پر نظر پڑی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ابن سعد کہتے ہیں۔

''مارائینا رسول اللہ۔ باکیا اشد من بکاء علیٰ حمزہ رضی اللہ عنہ''

ہم نے حضرت رسولؐ کو اتنا روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنا ان کو حضرت حمزہ پر روتے دیکھا (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۷۳)

بعد ازاں آنحضرتؐ نے شہداء کی نماز جنازہ ادا کی اور پھر تمام شہداء کو خون آلود کپڑوں میں دفن کیا اور پھر آنحضرتؐ ۲۲ شوال کو روز شنبہ مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے جب انصار کے محلہ سے گذرے تو خواتین کے رونے اور نوحہ وماتم کی آوازیں سنیں۔ جو احد میں شہید ہونے والے عزیزوں پر گریہ وبکا کر رہی تھیں۔ یہ سن کر پیغمبرؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا!

''ولکن حمزہ لا بوا کی لہ'' مگر حمزہ پر رونے والیاں نہیں ہیں؟

انصار نے سنا تو اپنی مستورات سے کہا وہ حضرت حمزہ کے پرسہ کے لئے جائیں اور ان پر نوحہ و ماتم کریں۔ چنانچہ خواتین نے ایسا کیا۔ آنحضرتؐ مسجد میں تشریف فرما تھے جب ان کے رونے کی آواز سنی تو ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ انصار کی عورتوں میں آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب ان کے ہاں کوئی میت ہو جاتی ہے تو پہلے حضرت حمزہ پر گریہ و بکا کرتی ہیں پھر اپنے مرنے والے پر روتی ہیں (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴۴ و سیرۃ النبی ج اول ماخوذ از سیر امیرت المومنینؑ ج ا مفتی جعفر حسین مرحوم)

الغرض یہ صورت حال اختلاف رائے بے ضابطگی، بے صبری اور تقویٰ کا دامن چھوڑنے عزم کی کمزوری اور توکل کی کمی کا قہری نتیجہ تھی۔ بالخصوص جو لوگ درّہ کوہ پر متعین تھے اگر وہ نظم و ضبط کو خیر باد کہہ کر اپنی جگہ نہ چھوڑتے اور مال غنیمت لوٹنے میں مصروف نہ ہوتے اور دشمن کو حملہ کرنے کا موقع نہ دیتے تو اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتے۔

ارشاد قدرت ہے "مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ" (سورہ آل عمران آیت۔ ۱۵۲)

ان کے علاوہ ان لوگوں پر اس کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو اپنی جانوں کی حفاظت کی خاطر پیغمبر اسلامؐ کو نرغہ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ واللہ المستعان۔

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ... الآیۃ ۱۲۳

یہ آیتیں جنگ احد کے بعد اتریں۔ "اذلۃ" ذلیل کی جمع ہے جس کے ایک معنی تو وہی ہیں جو عزیز کی ضد کے ہیں اس بنا پر بعض احادیث کے مطابق اہل بیتؑ کی قرات میں ضعفاء وارد ہے کیونکہ وہ لوگ کس طرح ذلیل ہو سکتے ہیں جن میں حضرت رسول خداؐ جیسی عظیم المرتبت ہستی موجود ہو (تفسیر عیاشی)

اور اس کے دوسرے معنی کمزور و ناتواں کے ہیں بنابریں ظاہر ہے کہ جنگ بدر میں مسلمان تعداد اور سامان حرب و ضرب کے اعتبار سے نہایت ہی کمزور تھے جس کی تفصیل اسی سورہ کی آیت ۱۳ کے ذیل میں گذر چکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی و کامرانی کا دارومدار صرف مادی اسباب پر نہیں ہے بلکہ اس کا حقیقی دارومدار صبر و تقویٰ اور توکل علی اللہ پر ہے اور جو لوگ مصائب و شدائد پر صبر کرتے ہیں اور اسی پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مختلف طریقوں سے ان کی نصرت و مدد فرماتا ہے جس میں سے ایک طریقہ فرشتوں کو نازل کرکے اہل ایمان کی ہمت بڑھانا بھی ہے جس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔ تو جس خدا

نے جنگ بدر میں عددی قلت اور اسلحہ جنگ کی کمی کے باوجود مسلمانوں کو کفار پر حیرت انگیز فتح وفیروزی عطا فرمائی تھی اگر یہ لوگ جنگ احد میں ان معنوی اسباب میں کمی اور اپنی اجتماعی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرتے تو کیا وہ اب ان کو فتح مبین مرحمت نہیں فرما سکتا تھا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ...الآیۃ

یہاں چند امور قابل غور ہیں

۱۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کب مومنوں سے کہی؟ ۲۔ فرشتے کیوں اور کہاں اتارے گئے؟
۳۔ فرشتوں کی تعداد کس قدر تھی؟ ۴۔ ان کی امداد کی کیفیت کیا تھی؟
۵۔ یہ نصرت وامداد کیوں کی گئی تھی؟

(۱)۔ سو واضح ہو کہ امر اول کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بات مقام احد میں کہی گئی۔ مگر اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بات آنحضرتؐ نے جنگ بدر کے مقام پر فرمائی تھی اور قرآن کے سیاق وسباق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲)۔ فرشتے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دینے، اطمینان قلب حاصل کرانے اور ان کے ثبات قدم کی خاطر اتارے گئے تھے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت سے نیز سورہ انفال کی آیت ۱۰ اور ۱۲ سے واضح ہے "اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ" "فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"

ورنہ ظاہر ہے کہ کفار سے جہاد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ نہ کہ فرشتوں پر ہاں! البتہ مسلمانوں کو بشارت دے سکتے ہیں مطمئن کر سکتے ہیں اور انہیں ثابت قدم رکھ سکتے ہیں علاوہ بریں اگر خدا فرشتوں کو کفار سے لڑانا چاہتا تو پھر کوئی ایک کافر بھی زندہ نہ بچتا۔ اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب صرف ایک فرشتہ یعنی جبرئیل قوم لوط کی بستیوں کو الٹ سکتا ہے تو پھر چند ہزار کفار کے مقابلہ کے لئے ہزاروں فرشتوں کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳)۔ جہاں تک تعداد کا تعلق ہے تو سورہ انفال میں ایک ہزار کا اور اس سورہ میں پہلے تین ہزار اور پھر پانچ ہزار کا وعدہ ہے جس کی وجہ سے مفسرین کو صحیح تعداد سمجھنے میں الجھن پیدا ہوئی ہے بظاہر اس کی ترتیب یوں معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں نے اپنی قلت تعداد اور اپنی بے سروسامانی دیکھ کر بارگاہ رب العزت میں فریاد کی تھی تو خدا نے ان کی فریاد سنتے ہوئے دشمن کی تعداد کے مطابق ایک ہزار فرشتوں سے ان کی

امداد کا وعدہ فرمایا اور اطمینان کی خاطر مزید دو ہزار بھیج دیئے اور فرمایا اگر ضرورت پیش آئی تو ان کی تعداد بڑھا کر تین یا پانچ ہزار بھی کی جا سکتی ہے ارشاد قدرت ہے ''اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝۹ '(سورہ انفال ۹)

مگر پانچ ہزار کا یہ وعدہ تین شرطوں کے ساتھ مشروط تھا۔

۱۔مسلمان صبر کریں۔ ۲۔تقویٰ اختیار کریں۔ ۳۔اور دشمن یکدم ان پر حملہ کردے۔

لیکن چونکہ آخری شرط پوری نہیں ہوئی اس لئے پانچ ہزار کے وعدہ کی ایفا بھی ضروری نہ رہی کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط۔

(۴)۔اب رہی یہ بات کہ ان کی امداد کی کیفیت کیا تھی؟ مادی تھی یا معنوی؟

قرآن وسنت میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی اور جو کچھ قرآن کے ارشادات سے مستفاد ہوتا ہے وہ ابھی اوپر امر اول کے ذیل میں بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کا دل بڑھانے، کفار کی ہمت گھٹانے، مسلمانوں کو فتح کی بشارت دینے انہیں اطمینان قلب دلانے اور ثابت قدم رکھنے کے طریقہ پر تھی۔اگرچہ فرشتے نوری مخلوق ہیں مگر وہ مختلف مخلوق کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔چنانچہ جب وہ جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب لوطؑ کے ہاں مہمان بن کر آئے یا جب جبرئیل حضرت مریم کو حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دینے کے لئے آئے تو انسانی شکل وصورت میں آئے۔

اسی طرح جناب جبرئیلؑ حضرت رسول خداؐ کی بارگاہ میں دحئیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے بنابریں بعید نہیں کہ وہ جنگ بدر میں انسانی شکل وصورت میں ہی نازل ہوئے ہوں۔چنانچہ ایک روایت میں مروی ہے کہ جنگ بدر میں ملائکہ نے سفید رنگ کے عمامے باندھے ہوئے تھے اور عمامے کا ایک سرا دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا اور بعض کا بیان ہے کہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے (مجمع البیان)

(۵) باقی رہی آخری بات کہ خداوند عالم نے مسلمانوں کی یہ غیبی نصرت اور امداد کیوں کی؟ تو اس کا جواب قرآن میں یہ دیا گیا ہے

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى...الآیۃ۱۲۶

خوشخبری کے لیے۔اطمینان قلب کے لئے اور ''لیقطع طرفا'' تاکہ کافروں کے ایک حصہ کو قتل کر کے کاٹ دیا جائے، ان کو قید کر کے ذلیل ورسوا کیا جائے، تاکہ باقی ماندہ لوگ خائب وخاسر ہو کر اور نامراد

وناشاد ہوکر واپس چلے جائیں اور جنگ بدر میں ایسا ہی ہوا۔ستر صنادید قریش مارے گئے۔ستر قید ہوئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے''وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ''یعنی ملائکہ کا نازل کرنا کامیابی کے ظاہری علل واسباب میں سے ایک سبب ضرور ہے)مگر فتح وفیروزی عطا کرنے والا خداوندعالم ہے۔

آیات القرآن

لِیَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡ یَکۡبِتَہُمۡ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِیۡنَ﴿۱۲۷﴾
لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَہُمۡ فَاِنَّہُمۡ
ظٰلِمُوۡنَ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ
وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴿۱۲۹﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا
تَاۡکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَۃً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴿۱۳۰﴾
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ
لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴿۱۳۲﴾ سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا
السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ﴿۱۳۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اور یہ امداد اس لئے ہے) تاکہ کافروں کے ایک بڑے حصہ کو کاٹ دے (قلع قمع کردے) یا ان کو ایسا ذلیل کرے کہ وہ ناکام ونامراد ہوکر واپس چلے جائیں (۱۲۷) اے رسول! خدا کے امر (فیصلہ) میں تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے (بلکہ یہ اختیار اللہ کے پاس ہے) چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے اور چاہے تو انہیں سزا دے۔ کیونکہ یہ لوگ بہرحال ظالم ہیں (۱۲۸) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹) اے ایمان والو! یہ دوگنا چوگنا بڑھتا چڑھتا سود نہ کھاؤ (اللہ کی نافرمانی) سے ڈرو تاکہ تم فلاح

پاؤ(۱۳۰)اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے(۱۳۱)اور اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے(۱۳۲)اور تیزی سے دوڑو اپنے پروردگار کی طرف سے بخشش۔اور اس کی بہشت کی طرف جس کی چوڑان تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔(۱۳۳)

تفسیر الآیات

لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ...الآیۃ۱۲۸

ان ضمیروں کا مرجع عام مفسرین نے کفار کو قرار دیا ہے کہ خدا چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے یعنی جبکہ وہ کفر سے توبہ کریں اور اسلام لے آئیں اور چاہے تو انہیں سزا دے یعنی جبکہ وہ اپنے کفر پر قائم رہیں مگر چونکہ یہاں کوئی مخصوص روایت موجود نہیں ہے۔اس لئے بعض معاصر مفسرین کی یہ تحقیق بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس سے مراد جنگ احد کے وہ بھگوڑے مسلمان ہیں جو حضرت رسول خداؐ کو نرغہ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنی جانیں بچانے کے لئے میدان جنگ سے فرار کر گئے تھے۔اس نظریہ کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ آیت بتصریح مفسرین جنگ احد میں نازل ہوئی ہے۔تو وہ رحمۃ للعالمین جو کفار و مشرکین تک کے لئے بددعا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ ''رب اھد قومی انھم لا یعلمون'' وہ کیوں نہ چاہتے ہوں گے کہ ان مجرموں کی سزائیں معاف ہو جائیں؟

اس پر خدا نے اس جہاد میں کمزوری دکھانے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے یہ انداز اختیار فرمایا کہ آنحضرتؐ کو بھی ایک طرح کی تنبیہ کر دی کہ ان لوگوں کا معاملہ آپ سے متعلق نہیں ہے آپ کا کام تو صرف بشارت و نذارت اور ابلاغ ہے ان لوگوں کو معاف کرنا یا سزا دینا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے بہرحال یہ ظالم لوگ ہیں۔

''الصحابہ کلھم عدول'' کا نظریہ بے بنیاد ہے

اس صورت میں قرآن کا کلمہ تحقیق کے ساتھ ''انھم ظلمون'' کہنا عدالت مطلق صحابہ کے عقیدہ کو بے بنیاد ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اس لئے کہ یہ جن کا ذکر ہے وہ دور پیغمبر خداؐ کے مسلمان ہیں جو صحابہ کے زمرہ میں داخل ہیں۔اگر صحابی ہونا عدالت کی ضمانت ہوتا تو قرآن انہیں ''ظالمون'' کیوں کہتا (فصل الخطاب)

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''اویتوب علیھم او یعذبھم '' کا تعلق ''لیقطع طرفا الخ'' سے ہے اور ''لیس لك من الامر شئ'' درمیان میں جملہ معترضہ ہے مطلب یہ ہے کہ یہ چاروں کام خدا سے متعلق ہیں کہ ان کا ایک حصہ قتل کر کے کاٹ دے یا قید کر کے ذلیل کرے یا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو سزا دے یہ کام آپ سے متعلق نہیں ہیں (مجمع البیان)۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ...الآیۃ ۱۲۹

یہ خداوند عالم کے اقتدار اعلیٰ کا اظہار ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی بخشش یا سزا کا کوئی معیار نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر شخص کے ساتھ اس کے استحقاق کے مطابق سلوک کرتا ہے لہٰذا جو شخص اپنے اعمال یا تفضّل یا شفاعت کی وجہ سے بخشش کا مستحق ہوتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جو بدقسمت کسی طرح بھی بخشش کا مستحق نہیں ہوتا اسے سزا دیتا ہے بہرحال یہ فعل خدا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ لہٰذا ایک بندہ مومن کو بیم و امید کے درمیان رہنا چاہیے جو کہ تقاضائے ایمان بھی ہے اور مقتضائے عقل و خرد بھی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا...الآیۃ ۱۳۰

دوگنا چوگنا سود کھانے کی حرمت کا بیان

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ کی تفسیر میں سود کی حرمت اور اس حرمت کے علل و اسباب پر بقدر ضرورت تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے بعض کوتاہ اندیش لوگوں نے اس دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ زیادہ سود لینا حرام ہے اور اگر تھوڑا ہو تو پھر جائز ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کا نام سود ہے وہ بہرحال حرام ہے خواہ زیادہ ہو اور خواہ کم۔ یہاں صرف اس سودی نظام کو حرام قرار دیا جارہا ہے جو اس وقت رائج تھا۔ کہ اگر کوئی شخص ایک متعین مدت تک قرض لیتا اور پھر مقررہ مدت تک ادا نہ کرسکتا تو وہ قرض خواہ سے مل کر اور سود کی رقم میں اضافہ کر کے مدت بڑھوا لیتا اور پھر یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہتا۔ جس کی وجہ سے اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی تھی اور اسے سود در سود یا سود مرکب کہا جاتا تھا۔ خدا نے اس ظالمانہ نظام کو حرام قرار دے کر ختم کر دیا۔

بنابریں یہ ''دوگنا چوگنا'' قید کی حیثیت سے نہیں ہے کہ جو سود ایسا نہ ہو وہ جائز ہو ایسا نہیں ہے اس قسم کی قید کی کئی مثالیں قرآن مجید میں پائی جاتی ہیں جو درحقیقت قید نہیں ہیں جیسے ''وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا

قَلِیْلاً ’’اللہ کی آیات کو کم قیمت پر فروخت نہ کرو (سورہ بقرہ آیت۔۴۱) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ زیادہ قیمت ملے تو پھر فروخت کر دو۔ ’’وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ‘‘ جو نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ (سورہ آل عمران آیت۔۲۱) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حق کے ساتھ پیغمبروں کا قتل جائز ہے۔ کیونکہ ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے بلکہ یہ قتل بہرصورت ناحق ہی ہے۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ جب سود انسانی جذبہ ہمدردی کے خلاف ہونے، حرص و بخل اور تن آسانی کے سفلی جذبات کے پرورش پانے، بغض و حسد اور باہمی منافرت و عناد پیدا ہونے کی وجہ سے حرمت سود کا قانون بنایا گیا۔ تو اب اگر کسی خاص موقع و محل پر وہ مصلحت یا مفسدہ نہ بھی پایا جائے تو بھی وہ فعل حرام ہوگا کہ کلی قوانین مصالح یا مفاسد عامہ کی بنا پر نافذ العمل ہوتے ہیں شخصی یا فردی مصالح و مفاسد کی بنیاد پر نہیں ہوتے۔ کما لا یخفی

آیات القرآن

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ
عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً
اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ
فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا
بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

وہ پرہیزگار خوشحالی اور بدحالی (غرضیکہ ہر حال میں) (راہ خدا میں مال) خرچ کرتے ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں (کی غلطیاں) معاف کر دیتے ہیں اور اللہ بھلائی کرنے والوں

سے محبت کرتا ہے (۱۳۴) یہ لوگ اگر (اتفاقاً) کوئی فحش کام (کوئی بڑا برا کام) کر بیٹھیں یا کوئی عام گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم کر گذریں تو (فوراً) اللہ کو یاد کر کے اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے (۱۳۵) اور وہ اپنے کئے پر دیدہ دانستہ اصرار نہیں کرتے ایسے لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت و بخشش ہے اور وہ جنات (باغات) کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور کتنا اچھا صلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا (۱۳۶) تم سے پہلے بہت سے نمونے (اور دور) گذر چکے ہیں سو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (احکام خداوندی) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا (۱۳۷) یہ (عام) لوگوں کے لئے تو واضح تذکرہ اور تنبیہ ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے (۱۳۸)

تفسیر الآیات

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ...الآیۃ ۱۳۵

چونکہ اس سے پہلی آیت ''وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ...... اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' کے آخر میں متقین کا تذکرہ موجود ہے تو اس آیت اور اس کے بعد والی آیت میں ان متقیوں کے چند اوصاف جلیلہ وصفات جمیلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے لئے جنت کی حوریں اور بہاریں چشم براہ ہیں یہ صفات وعلامات اس لئے بیان کئے گئے ہیں تا کہ دوسرے لوگ ان کو پہچان کر ان کی اتباع و پیروی کر سکیں جو بالترتیب یہ ہیں۔ جس میں سے پہلی چار صفات کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور آخری دو صفات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے

۱۔ وہ سخی ہوتے ہیں۔ اسلئے وہ خوشحال ہوں یا بدحال بہر حال وہ خدائے متعال کی رضا جوئی کی خاطر اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اس انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل قبل ازیں سورۃ بقرہ اور اسی سورہ کے اندر پارہ چار کے اوائل میں بیان کئے جا چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔ مزید برآں یہاں بدحالی میں بھی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنة بعید من النار'' سخی آدمی خدا کے قریب، لوگوں کے قریب، جنت کے قریب، اور جہنم سے بعید ہوتا ہے (مجمع البیان)

۲۔ غصہ کو ضبط کرتے ہیں۔ ۳۔ عفو و درگذر کرتے ہیں۔

۴۔احسان وبھلائی کرتے ہیں یہ وہ مکارم اخلاق ہیں جن کی فضیلت سے قرآن وسنت لبریز نظر آتے ہیں اوران کے بے حد وحساب اجر وثواب وارد ہوئے ہیں۔لہٰذا جو پرہیز گاراورفرض شناس لوگ ہوتے ہیں وہ جذباتی طور پر یا آتش انتقام بجھانے کی خاطر غصہ نہیں کرتے بلکہ عموماً مجرم سے عفو ودرگذر ہی کرتے ہیں کیونکہ

در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست

البتہ اگر کبھی قانون الٰہی کی تکمیل کے لئے شرعاً سزا دینا ضروری ہوتو پھر مناسب اقدام کرتے ہیں۔ آدمی کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ وہ عیش وطیش میں خدا کو بھول جاتا ہے مگر جو خدا کے خالص ومخلص بندے ہوتے ہیں وہ نہ مال ودولت کی فراوانی یعنی عیش میں خدا کو بھولتے ہیں اور نہ غم وغصہ کی فراوانی یعنی طیش میں خدا کو بھولتے ہیں۔ظفر بہادر شاہ دہلوی نے کیا خوب کہا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم وذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خاصان خدا کے کظم غیظ وغضب وعفو ودرگذر اور مخلوق خدا کے ساتھ احسان وبھلائی کرنے کے قصص وحکایات سے کتب سیر وتواریخ چھلک رہی ہیں۔سنن بیہقی کے حوالہ سے کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ:

''حضرت امام زین العابدینؑ کی کنیز امام کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ سے پانی کا برتن گرا جس سے امام کو زخم لگا اور کپڑے بھیگ گئے۔امام کو فطری طور پر غصہ آیا۔مگر جب رمز شناس کنیز نے اس آیت کا یہ فقرہ پڑھا''**والکاظمین الغیظ**''تو امامؑ نے فرمایا''**کظمت غیظی**''میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا پھر اس نے دوسرا جملہ پڑھا''**والعافین عن الناس**،'اس پر امامؑ نے فرمایا''**عفوت عنك**'' میں نے تجھے معاف کیا اور جب اس ہوشیار نے آیت کا آخری جز پڑھا''**واللہ یحب المحسنین**''تو امامؑ نے فرمایا''**اذھبی انت حرۃ لوجہ اللہ**''جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا(روح المعانی،مجمع البیان)۔

ایک بار حضرت امام حسینؑ کے کسی غلام سے کوئی خطا سرزد ہوئی امام نے اسے مارنے کا حکم دیا اس نے اسی آیت کا پہلا حصہ پڑھا''**والکاظمین الغیظ**''امامؑ نے فرمایا میں نے غصہ ضبط کیا اس نے دوسرا حصہ پڑھا''**والعافین عن الناس**،'امامؑ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا۔اس پر اس نے آخری حصہ پڑھا''**واللہ یحب المحسنین**''امامؑ نے فرمایا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا اور جب تک تو زندہ ہے تجھے دوگنی تنخواہ ملتی رہے گی(عاشر بحارالانوار)

ارشاد قدرت ہے

''اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ'' (سورہ حم سجدہ آیت۔ ۳۴)

یعنی دشمن کی برائی کا احسن طریقہ سے دفاع کرو اس سے تمہارا دشمن مخلص دوست بن جائے گا۔

حضرت امیر المومنینؑ اپنے فرزند جناب امام حسنؑ کے نام وصیت فرماتے ہیں: بیٹا! غصہ کو ضبط کرو کیونکہ انجام کے اعتبار سے میں نے غصہ کے ضبط کرنے سے زیادہ میٹھا اور لذیذ تر کوئی گھونٹ نہیں دیکھا۔ اور جب تمہیں دشمن پر غلبہ حاصل ہو تو اس سے درگذر کر کے اس غلبہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرو (نہج البلاغہ)

۵۔ گناہ سرزد ہونے پر خدا کو یاد کر کے توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے: ''والذین اذا فعلوا فاحشة اوظلموا انفسهم'' یہ لوگ اگر (اتفاقاً) کوئی فحش کام (بڑا برا) کام کر بیٹھیں یا (کوئی عام گناہ کر کے) اپنے اوپر ظلم کر گذریں تو (فوراً) خدا کو یاد کر کے اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔

''فاحشہ کیا ہے'' اور ''ظلم علی النفس'' کیا؟

اس میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ میرے خیال میں سب سے بہتر قول مفسر بیضاوی کا ہے کہ فاحشہ سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر و زیاں دوسروں تک پہنچے اور ظلم علی النفس سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر صرف گنہگار کی ذات تک محدود رہے (تفسیر بیضاوی)۔ ہمارے بعض مفسرین (صاحب فصل الخطاب) نے اس اشکال کی بنا پر کہ جو متقین ہوں گے وہ ایسے بڑے بڑے گناہ کا ارتکاب ہی کیوں کریں گے مگر آیت کے سیاق و سباق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی متقین کا وصف ہے۔ (جس کا موصوف کو بھی اعتراف ہے) تو پھر اس کمزور سے استبعاد کی بنا پر اس ظاہر سے دست بردار ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کوئی بھی انسان خواہ وہ جس قدر پرہیزگار اور نیکوکار ہو آخر ہے تو خطا کار و گنہگار انسان وہ کوئی معصوم انسان تو نہیں ہے کہ اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ اس لئے بتقاضائے بشریت اور مجموعہ خطا و نسیان ہونے کی حیثیت سے اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اپنے تقویٰ و پرہیزگاری کی بنا پر اسے فوراً ندامت و پشیمانی کا احساس ہو جاتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کا معاف کرنا صرف خدائے غفار کا کام ہے وہ نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کر کے اپنے گناہ معاف کرانے کی درخواست پیش کرتے ہیں ''وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ''

۶۔ متقیوں کا آخری وصف یہ ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے یعنی اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اسے بار بار نہیں کرتے بلکہ جب ان سے ایک گناہ سرزد ہو جائے تو بہت جلد اس سے توبہ کر لیتے ہیں حضرت

رسول خدا کا ارشاد ہے ''ولا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الا ستغفار '' کوئی صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ ہوجاتا ہے اور کوئی کبیرہ گناہ توبہ واستغفار کرنے سے کبیرہ نہیں رہتا بلکہ معاف ہوجاتا ہے (مجمع البیان، کذا عن الصادق علیہ السلام نور الثقلین)

ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو نہ صرف اپنے ملک وملت کے لئے سرمایہ فخر وناز ہوتے ہیں بلکہ تمام انسانی نوع کے لئے باعث افتخار اور سایہ رحمت پروردگار ہوتے ہیں ''وقلیل ما ھم '' ایسے لوگوں کی جزا ایک مغفرت ہے اور دوسری وہ بہشت ہے جس کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ توبہ صرف مغفرت گناہ کا ہی باعث نہیں بلکہ قابل معاوضہ عمل بھی ہے ''ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ''

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ...الآیۃ ۱۳۷

''سنن'' سنت کی جمع ہے۔ سنت کے معنی ہیں طریقہ اور وہ راستہ جس کی پابندی کی جائے فتح ہو یا شکست، عزت ہو یا ذلت اور جزا ہو یا سزا ہر چیز کے کچھ علل واسباب ہوتے ہیں لہٰذا جو شخص جس قسم کا کام کرے گا وہ اسی قسم کے نتائج سے دوچار ہوگا کیونکہ خدا کے قوانین اٹل ہوتے ہیں گذشتہ قوموں اور امتوں کے حالات وواقعات تاریخ کے صفحات پر مرقوم ہیں جنہیں پڑھ کر درس عبرت حاصل کیا جاسکتا ہے اور فتح وفیروزی، وعزت وعظمت اور اجر وثواب والے علل واسباب پر عمل کر کے یہ خوشگوار ثمرات حاصل کئے جاسکتے ہیں اور ہزیمت وشکست ذلت ورسوائی اور سزا کے موجب افعال واعمال سے احتراز کر کے ان کے تلخ نتائج سے بچا جاسکتا ہے۔ مگر آہ!

کاخ جہاں پر است   ذکر گذشتگان
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

یعنی

وائے نادانی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لہٰذا جو کچھ میدان احد میں پیش آیا وہ مسلمانوں کی اپنی ہی روش ورفتار کا ناخوشگوار ثمرہ ونتیجہ تھا۔

یہ تذکرہ عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے تو ایک بیان اور تنبیہ ہے مگر پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ونصیحت ہے۔

آیات القرآن

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۱۳۹ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ
نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝۱۴۰ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۝۱۴۱ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۝۱۴۲ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۱۴۳

ترجمۃ الآیات

اے مسلمانو! کمزوری نہ دکھاؤ اور غمگین نہ ہو اگر تم مومن ہو تم ہی غالب و برتر ہو گے (۱۳۹) اگر تمہیں زخم لگا ہے تو اس جیسا زخم ان لوگوں (کافروں) کو بھی (جنگ بدر میں) لگ چکا ہے یہ تو ایام (زمانہ کے اتفاقات اور نشیب و فراز) ہیں جنہیں ہم لوگوں میں باری باری ادلتے بدلتے رہتے ہیں (تمہیں یہ چوٹ اس لئے لگی) کہ خدا (خالص) ایمان والوں کو جان لے اور بعض کو (چھانٹ کر) شہید (گواہ) بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا (۱۴۰) نیز اللہ اس (ابتلا و آزمائش) سے یہ چاہتا تھا کہ خالص اہل ایمان کو چھانٹ کر الگ کر دے اور کافروں کو رفتہ رفتہ مٹا دے (۱۴۱) (اے مسلمانو) کیا تم کو یہ خیال ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے (جانچ کر) معلوم ہی نہیں کیا کہ تم میں واقعی مجاہد کون ہیں؟ اور نہ ابھی یہ معلوم کیا ہے کہ صابر اور ثابت قدم کون ہیں (۱۴۲) اور تم لوگ موت کا سامنا کرنے سے پہلے تو اس کی بہت تمنا کرتے تھے۔ لو اب تم نے اسے دیکھ لیا۔ اور اب بھی (اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو) (تو پھر اس سے کنی کیوں کتراتے ہو؟) (۱۴۳)۔

تفسیر الآیات

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ...الآیۃ

اہل ایمان کی سربلندی کا مشروطی وعدہ

''وھن'' کے معنی ہیں ضعف و کمزوری اور حزن اس کیفیت کا نام ہے جو کسی عزیز سے جدائی یا محرومی سے دل میں پیدا ہوتی ہے خداوند عالم جنگ احد میں پیش آنے والے واقعات وحادثات پر مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ کمزوری نہ دکھاؤ، ہمت نہ ہارو، رنجیدہ نہ ہو، غم نہ کرو۔ انجام کار تم ہی غالب اور سربلند ہو گے بشرطیکہ تم نے ایمان سے رشتہ نہ توڑا اس فقرہ میں اس جانب ایک لطیف اشارہ موجود ہے کہ احد میں جو جیتی ہوئی جنگ کا پانسہ بدل گیا اور تمہیں پسپائی ہوئی وہ تمہارے ایمان کی کمزوری کا نتیجہ تھا۔ گویا اس پیرایہ میں خداوند عالم مسلمانوں کو فتح وغلبہ اور سربلندی کا اصول بتارہا ہے کہ اگر تم غالب وسربلند رہنا چاہتے ہو تو دوسرے اسباب فتح مندی کے ساتھ ساتھ ایمان وایقان کے دامن کو بھی مضبوطی سے تھامے رہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر آج مسلمان دنیا میں ذلیل ورسوا اور پسپا ہورہے ہیں تو وہ ایمان سے منہ موڑنے کا قدرتی تازیانہ ہے کیونکہ آج مسلمانوں کی اجتماعی حالت یہ ہے کہ ع

وضع میں وہ ہیں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

بنابریں کسی کا یہ کہنا کہ

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

اور کسی کا یہ شکوہ کرنا کہ ع

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

یہ شکوہ بے جا ہے اور ع

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
بلکہ'' ازما است کہ برما است''

کیونکہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

بہر حال مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تمہیں پیش آمدہ حالات سے مایوس اور دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تمہیں جنگ احد میں زخم لگا ہے تو اس جیسا زخم کافروں کو بھی جنگ بدر میں لگ چکا ہے۔ ''وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاس،، (سورہ آل عمران آیت۔۱۴۰) دنیا کے دن ادلتے بدلتے رہتے ہیں ہمیشہ ایک جیسے حالات نہیں رہتے نہ ہمیشہ فتح مند ہونا کسی کا مقدر ہوتا ہے اور نہ ہمیشہ شکست خوردہ ہونا کسی کا نصیب۔ بلکہ جو فتح و فیروزی والے اسباب وعامل پر عمل پیرا ہوگا وہ فتح مند ہوگا۔ اگرچہ کافر و بدکار ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو ان عوامل سے روگردانی کرے گا وہ شکست سے دوچار ہوگا۔ اگرچہ مومن و نیکوکار ہی کیوں نہ ہو؟

زرنج وراحت گیتی مشور بجاں مشوخندان
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں یہی قانون قدرت ہے یہی آئین فطرت ہے مخفی نہ رہے کہ فتح و فیروزی کے یہ اسباب وعوامل کچھ مادی ہیں جیسے اتحاد، تنظیم، اسلحہ جنگ کی فراوانی اور اس میں مہارت اور کچھ معنوی ہیں جو یہ ہیں صبر، تقوی، ایمان۔ نیز اس ابتلا و آزمائش میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

۱۔ ایک حکمت یہ ہے کہ مومن اور بے ایمان کا علم ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنگ سے پہلے خدا کو اس کا علم نہیں تھا اس کا علم تو ازلی و ابدی ہے۔ وھو بکل شئی علیم۔

وہ ازل سے لے کر آج تک جو واقعات رونما ہو چکے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور جو آج سے لے کر ابد تک رونما ہوں گے ان سے بھی آگاہ ہے۔ وہ امتحان اس لئے لیتا ہے کہ دوسرے لوگوں پر کسی کی اہلیت یا نااہلیت واضح و آشکار ہو جائے۔

۲۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ بعض خوش قسمت لوگوں کو شہادت کی سعادت عطا کرنا چاہتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ وہ بعض لوگوں کے فرار اور بعض کے ثبات و قرار سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ شھداء علی الناس کے عہدہ جلیلہ پر کون افراد فائز ہیں۔

۳۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ۔ اگر اہل ایمان میں کوئی کمزوری ہے اور ہنوز خام کار ہیں تو اس قسم کے ابتلاء آزمائش کی کٹھالی میں ڈالے جانے کے بعد وہ خامی دور ہو جائے اور مومن پختہ کار ہو کر نکھر جائیں اور کندن

ہوکر نکلیں اور جو منافق ہیں اور نمائشی مسلمان ہیں ان کی قلعی کھل جائے۔اور ان کی اصلیت بالکل طشت از بام ہوجائے۔اوراس بات کا کامل ظہور امام صاحب العصر والزمان کے ظہور موفور السرور کے وقت ہوگا (نور الثقلین)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ...الآیۃ ۱۴۲

جنت میں داخل ہونے کے میزان کا بیان

یہ آیت اوراس جیسی بہت سی آیات سے یہ حقیقت واضح وآشکار ہوتی ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے لئے صرف مسلمان یا مومن کہلانا اور صرف مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ نیک کام اوراچھے کردار کی بجا آوری بھی ضروری ہے اورانہی نیک کاموں میں سے ایک اہم نیک کام جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے جس پر نظام اسلام کے قیام اوراس کی بقا کا دارومدار ہے۔اور جہاد میں بھی صرف شرکت کافی نہیں جب تک اپنے صبر وثبات اور کردار سے ثابت نہ کیا جائے کہ واقعی مجاہد کون ہے؟ ایک اور جگہ ارشاد قدرت ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ''

۔خداوند عالم نے اہل ایمان کی جان ومال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے اس لئے وہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔(سورہ توبہ آیت۔۱۱۱)

''لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ''

اے مسلمانو! جنت صرف تمہاری خواہش یا اہل کتاب کی خواہش پر نہیں ملے گی بلکہ عمل وکردار پر ملے گی۔(سورہ نساء آیت۔۱۲۳)

''وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ''

(سورہ بقرہ آیت۔۸۲)

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ۔ الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں جنگ احد سے فرار کرنے والوں پر طنز کیا گیا ہے۔حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جب مسلمانوں کے سامنے جنگ بدر کے شہداء کے مدارج ومراتب کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ کاش اب کوئی ایسا معرکہ پیش آئے اور ہم بھی یہ مرتبہ حاصل کرسکیں مگر جب احد کا معرکہ پیش آیا تو

معدودے چند آدمیوں کے سوا باقی سب راہ فرار اختیار کر گئے (تفسیر قمی)

آیات القرآن

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ
قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ
اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ
وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ
مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا
كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْۤ اَمْرِنَا
وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں ہیں مگر پیغمبر جن سے پہلے تمام پیغمبر گذر چکے ہیں تو کیا اگر وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور عنقریب خدا شکر گذار بندوں کو جزا دے گا (۱۴۴) کوئی ذی روح خدا کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا موت کا وقت تو لکھا ہوا (معین) ہے اور جو شخص (اپنے اعمال کا) بدلہ دنیا میں چاہتا ہے تو ہم اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں اور جو آخرت میں بدلہ چاہتا ہے تو ہم اسے آخرت میں

دیتے ہیں اور ہم عنقریب شکر گذار بندوں کو جزا (خیر) عطا کریں گے (۱۴۵) اور بہت سے ایسے نبی (گذر چکے) ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو اللہ کی راہ میں ان پر جو مصیبتیں پڑیں ان پر وہ نہ پست ہمت ہوئے نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ (دشمن کے سامنے) سرنگوں ہوئے اور اللہ صبر وتحمل رکھنے والوں (ثابت قدموں) سے محبت رکھتا ہے (۱۴۶) (ایسے مواقع پر) ان کا قول اس (دعا) کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر فتح ونصرت عطا فرما (۱۴۷) تو خدا نے ان کو دنیا میں بھی صلہ عطا کیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی عنایت فرمایا۔ اور اللہ نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۴۸)

تفسیر الآیات

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ...الآیۃ

ختم نبوت کی دلیل اور مسلمانوں کے ارتداد کا اندیشہ

اور حضرت محمد نہیں ہیں مگر ایک پیغمبر جن سے پہلے تمام پیغمبر گذر چکے ہیں۔ ''قد خلت من قبلہ الرسل'' کا ترجمہ بعض مترجمین نے یہ کیا ''گذر چکے ہیں ان سے پہلے کئی رسول (ضیاء القران)

بعض نے یوں کیا ہے کہ ہو چکے ان سے پہلے بہت سے رسول (معارف القران)

اور بعض نے یوں کیا ہے ان سے پہلے اور رسول بھی گذر چکے ہیں (تفہیم القرآن)

مگر علامہ علی نقی نقوی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ''جن سے پہلے سب ہی پیغمبر گذر چکے ہیں'' ہمارے نزدیک یہی ترجمہ زیادہ مناسب وموزوں ہے۔ اس کی وجہ موصوف کی ہی زبانی سماعت فرمائیں ''ہم نے سب پیغمبر کا ترجمہ کیا ہے'' یہ ''الرسل'' کی الف لام کی وجہ سے ہے جو استغراق کا فائدہ دیتا ہے اس طرح ان الفاظ سے ختم نبوت بھی ثابت ہوتی ہے یعنی سب پیغمبران کے پہلے گذر چکے ہیں یہ آخری رسول ہیں۔ اسلئے تمام انبیاء جو سنت الٰہیہ رہی ہے وہ آنکھوں کے سامنے آچکی ہے۔ بعض لوگوں نے جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''ان سے پہلے بہت رسول گذر چکے ہیں'' اس وقت درست ہوتا جب ''رسل'' تنوین کے ساتھ ہوتا ''امت مرزائیہ نے اس آیت

سے جناب عیسیٰؑ ۔کی وفات پر استدلال کیا ہے۔اس کا جواب حضرت علامہ کی زبانی سنیے لکھتے ہیں:

''قرآن مجید نے الرسل کے ساتھ ''خلت'' کا لفظ صرف کیا ہے کہ ''گذر چکے ہیں'' ''ماتت'' نہیں کہا ہے کہ ''مر چکے ہیں'' لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ ہونے یا خضر والیاس کی حیات پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔اس دار دنیا کی اس عام زندگی کے ایک لحاظ سے جو ان کے دور حضور میں تھی ہمارے رسول کی نسبت سے وہ سب گذرے ہوئے انبیاء میں داخل ہیں (فصل الخطاب ج ۲)۔

اس آیت کا تعلق بھی غزوۂ احد سے ہے جب درہ کوہ پر متعین مسلمان مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے اور باوجود حاکم کے منع کرنے کے درہ خالی کر دیا اور خالد بن ولید نے عقب سے بھرپور حملہ کر دیا جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور رہی سہی کسر اس افواہ نے پوری کر دی کہ ''لقد قتل محمد'' کہ حضرت رسول خداؐ شہید ہو گئے اس سے عام بھگدڑ مچ گئی۔خداوند عالم اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ حضرت محمدؐ کوئی خدا تو نہیں جسے موت نہ آئے بلکہ پیغمبر اکرمؐ ہیں لہٰذا اگر وہ طبعی موت مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارتداد کا خطرہ انہی لوگوں سے ہے جن کے پاؤں جنگ احد میں اکھڑ گئے تھے چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات حسرت کے بعد اس خطرہ نے کس طرح حقیقت کا روپ دھارا؟ اور یہ ارتداد کی وبا کس طرح پھوٹ پڑی؟ یہ داستان خونچکاں معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب تجلیات صداقت کی طرف رجوع فرمائیں۔

ان حالات میں نجات کن کا دامن تھامنے میں ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ خواب انہی ہستیوں کا دامن تھامنے سے شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جو جنگ احد میں ثابت قدم رہے تھے اور اس مشکل وقت میں پیغمبرؐ کا ساتھ دے کر ان کی جان بچائی تھی اور پھر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان کے جسد عنصری کا ساتھ دے کر ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور آپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین فرمائی تھی

امامے که روز وفات پیغمبر
خلافت گذاردبماتم نشیند

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ.....الآیۃ ۱۴۵

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب موت کا وقت مقرر ہے جو جبن و بزدلی سے بڑھ نہیں سکتا اور شجاعت و بہادری سے گھٹ نہیں سکتا تو پھر میدان جہاد سے راہ فرار کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ اس طرح خداوند حکیم مجاہدوں

کی ہمت بڑھانا چاہتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ جب بعض اوقات بڑے بڑے بہادر بھی میدان جنگ سے فرار کر جاتے ہیں تو آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا:

من ای یومین افر

یوم قدر ویوم قدر

زندگی کے دو دن ہیں ایک دن وہ ہے جس میں موت مقرر ہو چکی ہے (اس دن فرار بچا نہیں سکتا) اور ایک دن وہ ہے جس میں موت مقرر نہیں ہے (اس دن لڑنا مار نہیں سکتا)۔ پھر فرار سے کیا حاصل؟ (دیوان منسوب بہ حضرت امیرؑ)

حضرت امیر علیہ السلام کا ہی یہ مشہور فرمان ہے کہ ''کفی بالموت حارسا'' کہ موت بہترین محافظ ہے۔ جو اپنے مقررہ وقت سے پہلے آدمی کو مرنے نہیں دیتی اور جب وقت آجائے تو وہ ٹل نہیں سکتا اس سے آگے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ قانون قدرت کا بیان ہے کہ ہر کام کرنے والے کو اس کے کام کا معاوضہ ضرور ملتا ہے۔

ہاں! بموجب ہے ''انما الاعمال بالنیات'' دنیا طلبوں کو دنیا ملتی ہے اور آخرت کے طلبگاروں کو اخروی اجر و ثواب ملتا ہے سابقہ آیت کے آخر میں فرمایا ''سیجزی اللہ الشاکرین''۔ کہ ہم شکر گزاروں کو جزائے خیر عطا کریں گے۔

اگر چہ یہ قدرت کا قانون مکافات ہے جس کے مطابق وہ ہر شخص سے اس کی روش و رفتار کے مطابق سلوک کرتا ہے مگر اس جزء کے نزول کی ایک خاص شان حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ احد میں حضرت علیؑ کے بدن اقدس پر ساٹھ زخم لگے تھے۔ جنہیں دیکھ کر ہر شخص کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ اور عام مسلمان آپ کی عیادت کر رہے تھے مگر حضرت علیؑ برابر شکر خدا ادا کر رہے تھے کہ ''الحمد اللہ اذلم افر ولم اولی الدبر'' میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں ثابت قدم رہا اور راہ فرار اختیار نہیں کی۔ تو خدا نے دوبارہ ان کے ادا شکر کا تذکرہ فرمایا (مجمع البیان) قل کل یعمل علی شاکلتہ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ...الآیۃ ۱۴۶

''کاین'' کم خبریہ کے معنی میں ہے اصل میں ''ای'' تھا اس پر کاف تشبیہ کا داخل کر کے نون تنوین کو نون کی شکل میں لکھ دیا گیا۔ اس میں مشہور لغت کائن بھی ہے۔ ''ربیون'' کی ''ر'' پر تینوں حرکتیں آسکتی

ہیں زمحشری نے اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ والربیون الربانیون (کشاف)

لیکن علامہ قرطبی نے دوسرا معنی انبوہ کثیر بھی لکھا ہے "الربیون الجماعة الكثيرة" اس صورت میں اس کا واحد ربی ہے اور ربہ بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے۔

بہرنوع اس آیت میں بھی ان لوگوں کی سرزنش کی جارہی ہے جن کے قدم احد میں ڈگمگائے۔ کہ پہلے انبیاء کرام اپنے صحابہ سمیت کفر سے جنگ آزما ہوئے لیکن وہ مصائب وشدائد میں گھبرائے نہیں اور تم تو خیرالامم ہو اور سیدالانبیاءؑ کے غلام ہو کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ مصیبت کے لمحوں میں ثابت قدم نہ رہو (ضیاء القرآن)

انبیاء ماسلف کے یہ مخلص جان نثار اس صبر وثبات کے باوجود اپنے کردار پر فخر وناز نہیں کرتے تھے بلکہ نہایت عجز ونیاز کے ساتھ بارگاہ خدا میں چند دعائیں کرتے رہتے تھے

۱۔ اے ہمارے پروردگا! ہمارے سابقہ گناہ معاف فرمادے۔

۲۔ اپنے کام (جہاد) میں ہم سے جو زیادتی یعنی کوتاہی ہوگئی ہے اسے معاف فرما۔

۳۔ ہمیں ثابت قدم رکھ۔

۴۔ ہمیں کافروں پر فتح ونصرت عطا فرما۔

اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ایک بندہ خدا جس قدر بھی کوئی بڑا نیک کام انجام دے اور راہ خدا میں جس قدر بھی مالی یا بدنی جہاد کرے اسے عجب وغرور کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا اقف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ"

خدائے مہربان ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی صلہ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی بہترین ثواب یعنی جنت الفردوس عنایت فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

آیات القرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى

الظّٰلِمِیْنَ۝۱۵۱ وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَہُمْ بِاِذْنِہٖ ۚ حَتّٰۤی
اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىکُمْ مَّا
تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ۚ ثُمَّ
صَرَفَکُمْ عَنْہُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ ؕ وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ
عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۝۱۵۲

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اگر تم نے ان لوگوں کی اطاعت کی جنہوں نے کفر اختیار کیا تو تم کو الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھیر کرلے جائیں گے اور تم بڑا خسارہ اٹھا کر واپس ہو گے (۱۴۹) (تمہیں کسی کی اطاعت کی کیا ضرورت ہے بلکہ) تمہارا حامی وسرپرست خدا ہے اور وہ بہترین مدد گار ہے (۱۵۰) (تم پریشان نہ ہو) ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے خدائی میں ان بتوں کو شریک بنایا ہے۔ جن کے بارے میں خدا نے کوئی سند ودلیل نہیں اتاری اس لئے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا (یہ) کیا برا ٹھکانہ ہے (۱۵۱) اور بے شک خدا نے (جنگ احد میں) اپنا وعدہ (نصرت) اس وقت سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے ان (کافروں) کا قلع قمع کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی تو تم نے حکم عدولی کی۔ (یہ اس لئے کہ) تم میں کچھ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے طلبگار تھے پھر اس نے تمہیں ان کے مقابلے میں پسپا کر دیا تا کہ تمہارے ایمان واخلاص کی آزمائش کرے۔ اور (پھر بھی) تمہیں معاف کر دیا۔ اور اللہ اہل ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے (۱۵۲)

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...الآیۃ۱۴۹

علامہ طبرسی نے اس آیت کی شان نزول حضرت علیؑ سے یہ نقل کی ہے کہ جب مسلمان جنگ احد سے ہزیمت خوردہ ہوکر واپس آئے تو منافقین نے ان سے کہا کہ اپنی برادری کی طرف اور اپنے سابقہ دین (کفر) کی طرف پلٹ آؤ اس پر یہ آیت اتری (مجمع البیان)

اور شیخ مراغی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے ''المراد بالذین کفروا ابو سفیان لانہ شجرۃ الفتن'' کہ یہاں کافروں سے مراد ابوسفیان ہے کیونکہ وہ فتنوں کا درخت ہے۔(تفسیر مراغی بحوالہ الکاشف)

''بل اللہ مولکم'' تمہیں کسی کی اطاعت کرنے یا کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اللہ جو تمہارا حامی اور سرپرست ہے وھو خیر الناصرین۔۔۔۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْب...الآیۃ ۱۵۱

اس آیت کی شان نزول یوں وارد ہے کہ جنگ احد سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم نے باقی ماندہ مسلمانوں کو زندہ چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔ واپس چلو اور ان کا مکمل خاتمہ کرو اور بروایتے کہا کہ مدینہ چلو اور مسلمانوں کا گھر بار غارت کرو۔ مگر خدا نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ مبادا آنحضرتؐ اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل نہ کر دیں (مجمع البیان)

حضرت رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے ''نصرت بالرعب'' رعب و دبدبہ سے میری نصرت کی گئی ہے (نور الثقلین الخصال)

'بئس مثوی الظالمین'' ظالموں کا ٹھکانہ (دوزخ) کیا برا ٹھکانہ ہے؟

وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ ۔۔الآیۃ

خداوند عالم نے آیت ''ان تصبروو تتقوا ویاتو کم من فورھم ھذا''۔ یا پیغمبرؐ کی زبانی جنگ احد میں فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا مگر اس شرط کے ساتھ کہ صبر و ضبط سے کام لیں گے۔ تقوائے الٰہی اختیار کریں گے اور آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور ان کی حکم عدولی نہیں کریں گے چنانچہ آغاز جنگ میں خدا نے یہ وعدہ اس وقت سچا کر دکھایا جب شیر کردگار حیدر کرارؑ نے یکے بعد دیگرے کفار کے نو علمبردار واصل جہنم کر دیئے (تاریخ کامل ابن اثیر)

یہاں تک کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست خوردہ ہوکر میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے مگر جب مسلمانوں نے کمزوری دکھائی اور حکم رسولؐ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درہ کوہ کو خالی چھوڑ کر مال

غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے تو ان کی اس کمزوری، باہمی نزاع، بد نظمی اور حکم رسول کی خلاف ورزی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل نے عقب سے حملہ کردیا۔ تو مسلمان اس یلغار سے حواس باختہ ہوگئے اور جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل قبل ازیں آیت مبارکہ۔۔۔واذ غدوت من اھلك" کے ذیل میں گذر چکی ہے

یہی صحابہ کرام کی وہ مقدس جماعت ہے جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ "منکم من یرید الدنیا" کہ تم میں سے بعض دنیا کے طلب گار ہیں اور بعض آخرت کے طلبگار بایں ہمہ سب برابر کس طرح ہوئے؟

اس آیت مبارکہ میں خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی پسپائی کے علل واسباب کی بڑے احسن انداز میں نشاندہی فرمائی ہے۔

آیات القرآن

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡكُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِیَّةِ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَكَ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ كُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اس وقت کو یاد کرو) جب تم بے تحاشا بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ پیغمبر تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے (تمہاری اس روش کی وجہ سے) خدا نے تمہیں ثواب کے بدلے رنج پر رنج دیا تا کہ (آئندہ) جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس پر ملول نہ ہو اور جو مصیبت درپیش ہو اس پر رنج نہ کرو۔ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے خوب باخبر ہے (۱۵۳) پھر اس (خدا) نے رنج و غم کے بعد نیند کی صورت میں تم پر سکون و اطمینان اتارا۔ جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہوگئی۔ اور ایک گروہ ایسا تھا کہ جسے صرف اپنی جانوں کی فکر تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق زمانہ، جاہلیت والے گمان کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ آیا اس معاملہ میں ہمیں بھی کچھ اختیار ہے؟ کہہ دیجئے ہر امر کا اختیار صرف اللہ کو ہے یہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے ہیں جن کا آپ سے اظہار نہیں کرتے کہتے ہیں کہ اگر ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ کہہ دیجئے! اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی جن کے لئے قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور اپنے مقتل کی طرف نکل کر جاتے (یہ سب کچھ اس لئے ہوا) کہ خدا اسے آزمائے جو کچھ تمہارے سینوں کے اندر ہے اور نکھار کے سامنے لائے اس (کھوٹ) کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کے اندر کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔ (۱۵۴)

تفسیر الآیات

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ...الآیۃ۔

اس آیت میں جنگ احد میں مسلمانوں کی افراتفری کی تصویر کھینچی گئی ہے جس کی تفصیل قبل ازیں آیت واذ غدوت کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

ہموار وادیوں میں چلنے کو اصعاد اور بلندی پر چڑھنے کو صعود کہا جاتا ہے

"ولا تلوون لوی یلوی لیا رمی یرمی رمیا" کے باب سے ہے جس کے معنی گردن موڑ کر

پیچھے دیکھنا۔(مفردات راغب)

خدا نے تمہیں رنج پر رنج اور غم پر غم اسلئے دیا تا کہ آئندہ محتاط ہوجاؤ اور ایسی صورت حال کا سامنا کرنے کے عادی ہوجاؤ کہ جو ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر ملول نہ ہو اور پیش آمدہ مصیبت پر رنج نہ کرو بلکہ پورے صبر وضبط اور ثابت قدمی سے کام لو۔ان اللہ مع الصابرین۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا...الآية

جنگ احد میں پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ دو قسم کے لوگ تھے ایک اسلام وقرآن کی صداقت وسچائی پر مکمل ایمان رکھنے والے۔دوسرے منافقین۔اگر چہ ابن ابی (رئیس المنافقین) اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ راستہ سے ہی واپس لوٹ گیا تھا مگر ایک مختصر سی جماعت (معتب بن قشیر وغیرہ) آنحضرتؐ کے ہمراہ تھی۔جنگ میں مجاہد مسلمان زخموں سے چور اور اعزا واحباب کے داغ مفارقت سے مجہور اور خوف وہراس اور حوصلہ شکن حالات سے مجبور تھے ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں بے چینی کی وجہ سے نیند نہیں آتی مگر خدا نے اپنے خاص فضل وکرم سے ان پر نیند غالب کر دی جو کہ ان کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی جس سے ان کی تھکاوٹ واکتاہٹ دور ہوگئی اور وہ تازہ دم ہو گئے مگر خدا نے دوسرے گروہ کو اس نعمت سے محروم رکھا جسے نہ بانی اسلام کی فکر تھی اور نہ جنگ میں کامرانی کی۔

ہاں! البتہ اسے اگر فکر دامن گیر تھی تو صرف اپنی سلامتی کے ساتھ اپنے گھر پہنچنے کی وہ اللہ کے بارے میں زمانہ جاہلیت والے گمان کر رہا تھا اور جنگ کا نقشہ بدلا ہوا دیکھ کر جو کچھ نفاق دل میں چھپا ہوا تھا وہ سب کچھ زبان سے باہر اگل دیا۔انہوں نے جو بے بنیاد باتیں کیں وہ قرآن نے سب بیان کر دی ہیں۔ان لوگوں کی انہی بے سروپا باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ

''اگر ہمارے ہاتھ میں کچھ اختیار ہوتا تو ہم (یعنی جو ہم سے) یہاں مارے گئے ہیں وہ قتل نہ ہوتے''

ان کی اس بات کے جواب میں خدا فرماتا ہے:

"قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ......الایه"

کہہ دیجئے اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لئے قتل ہونا (شہید ہونا) لکھا جا چکا تھا وہ خود اپنی قتل گاہ کی طرف چل کر جاتے۔یہ سب کچھ اسلئے ہوا کہ خدا اسے آزمائے اور لوگوں پر ظاہر فرمائے جو کچھ تمہارے سینوں کے اندر ہے۔اور نکھار کر سامنے لائے اس کھوٹ کو جو تمہارے دلوں میں ہے۔وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ
الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا
مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ
وَ یُمِیْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جن لوگوں نے دو جماعتوں کی مڈبھیڑ کے دن پیٹھ پھرائی (اس کا سبب یہ تھا) کہ ان کی بعض بدعملیوں کے نتیجہ میں جو وہ کر بیٹھے تھے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگائے تھے اور بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا نہایت بردبار ہے (۱۵۵) اے ایمان والو! کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے ان بھائی بندوں کے بارے میں کہتے ہیں جو سفر میں گئے یا جہاد کے لئے نکلے (اور وہاں وفات پا گئے) کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ (طبعی موت) مرتے اور نہ قتل کئے جاتے یہ لوگ یہ بات اس لئے کہتے ہیں کہ خدا اسے ان کے دلوں میں رنج وحسرت کا باعث بنا دے۔ حالانکہ اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے (۱۵۶)

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ...الآیۃ ۱۵۵

اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض سابقہ بدعملیوں کی نحوست کے نتیجہ میں جو وہ کر بیٹھے تھے شیطان

نے ان کے قدم ڈگمگائے تھے اور بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا یقینا اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ بے شک خدا نے جنگ احد میں پیغمبر کو نرغہ اعداء میں گھرا چھوڑ کر بھاگنے والے صحابہ کرام کو معاف کر دیا ان کی خطاء ولغزش سے درگزر فرمایا۔ اس کی تفسیر گذر چکی ہے اب اگر کوئی شخص اس عفو ودرگذر میں شک کرتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔

اس واقعہ سے جو بڑی تفصیل سے قرآن میں مذکور ہے دو باتیں توالم نشرح ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ویکف عن ذکر الصحابہ الا بخیر" یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر خیر اور بھلائی کے بغیر نہ کیا جائے (عقائد نسفیہ)

یہ عقیدہ قرآنی تعلیم کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ اگر خدا کو صحابہ کرام کے نام کی لاج رکھنے کی خاطر یہ منظور ہوتا کہ ان کے اقوال وافعال پر کوئی نقد وتبصرہ نہ کیا جائے اور بجز خیر وخوبی کے ان کا نام نہ لیا جائے تو وہ قرآن مجید میں جو ابدالآباد تک باقی رہنے والی کتاب ہے ان کے ہر قول وفعل کا تذکرہ کیوں کرتا اور پھر اس پر تبصرہ کیوں کرتا؟ جیسا کہ جنگ احد میں میدان جنگ سے ان کے فرار کرنے کی تفصیلات اور اس جیسے دوسرے بیسیوں واقعات کی جزئیات بیان کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہے۔

دوسری یہ کہ یہ درست ہے کہ جنگ احد میں میدان جنگ سے بھاگنے والوں کو معافی مل گئی یعنی وہ اس جرم کی سزا سے دنیا وآخرت میں بچ گئے مگر فرار کے جرم سے تو بری نہیں (کہ یہ جرم ہی نہیں کیا) اگر کوئی حاکم کسی مجرم کو (ثبوت جرم کے بعد) معاف کر دے اور سزا نہ دے تو اس سے وہ شخص نفس جرم سے تو بری نہیں ہوتا بلکہ اس کا نام جرائم کے رجسٹر میں درج ہو جاتا ہے اور اس کی روش ورفتار پر خاص نظر رکھی جاتی ہے بنا بریں اس عفو ودرگذر سے فرار کا داغ تو نہیں مٹا۔

علاوہ بریں یہ عفو ودرگذر جنگ احد سے مخصوص ہے دوسرے غزوات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے جن سے ان لوگوں نے فرار اختیار کیا لہٰذا اس عفو کو کہاں کہاں سپر بنایا جائے گا؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا ...الآیۃ ۱۵۶

یہ آیت اور اس کے بعد والی چند آیات بھی جنگ احد اور اس میں پیش آنے والے واقعات وسانحات سے متعلق ہیں۔ منافقین (جن کو خدا نے یہاں کافرین کہا ہے) چونکہ بظاہر مسلمان کہلاتے تھے اور بظاہر اہل اسلام سے بھائی چارے کا دعوی کرتے تھے۔ وہ اپنی بے ایمانی اور بزدلی کو دانشمندی اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد وفداکاری کو حماقت ودیوانگی کا نام دیتے تھے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان سفر میں جاتا یا میدان جہاد میں جام شہادت

نوش کرتا تو ہمدردی اور خیر خواہی کے لب ولہجہ میں کہتے کہ اگر یہ لوگ ہماری طرح آرام سے گھر میں بیٹھ رہتے تو ان پر یہ افتاد نہ پڑتی نہ بچے یتیم ہوتے اور نہ بیویاں بیوہ ہوتیں۔ وہ یہ باتیں اس لئے کرتے تھے تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں حسرت اور غم وغصہ پیدا ہو جائے کہ وہ جہاد کو کیوں گئے اور جان عزیز سے ہاتھ کیوں دھوئے۔

بنابریں ''فی قلوبھم'' کی ضمیر اخوانھم کی طرف عائد ہوگی جو کہ اہل ایمان ہیں اور لام اظہار مقصد کے لئے ہی ہوگی مگر اکثر مفسرین نے فی قلوبھم کی ضمیر کو یہ کہنے والوں کی طرف راجع کیا ہے کہ وہ یہ بات اسلئے کہتے تھے تاکہ اللہ اس رنج وحسرت کو ان (منافقین) کے دلوں میں رکھ دے۔ بنابرین یہ لام عاقبت اور نتیجہ کیلئے ہوگا۔ جیسا کہ زوجہ فرعون نے جناب موسیٰؑ کو رکھا تو سکون وآرام کے حاصل کرنے کے لئے تھا مگر نتیجہ یہ نکلا کہ ''لیکون لھم عدوا وحزنا'' کہ وہ ان کے لئے دشمن جان اور باعث رنج وملال ہوا۔

یہاں بھی نتیجہ یہی نکلا کہ جب مسلمان ان کی باتوں کو نہیں مانتے تھے تو یہ بات الٹا ان کے لئے باعث رنج وملال اور حسرت ویاس کا باعث بنتی تھی۔ والا ول اظہر بہر حال خدائے علیم وحکیم اہل اسلام کو متوجہ کر رہا ہے کہ وہ ان عیاروں کی باتوں میں نہ آئیں بلکہ یقین رکھیں کہ موت وحیات خدا کے قبضہ قدرت میں ہے وہ چاہے تو گھر کے اندر روح قبض کر لے اور چاہے تو میدان کارزار میں گولیوں کی بارش، توپوں کی گھن گرج اور طیاروں کی بمباٹ منٹ میں بھی بچا لے۔ اصل بات یہ ہے کہ قضاء الٰہی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی۔ ع

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

یہ قیاسات وخیالات کے تانے بانے بالکل بے جا ہیں

آیات القرآن

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ

بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ
وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ
بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم راہ خدا میں قتل کئے جاؤ۔ یا اپنی موت سے مر جاؤ تو بے شک اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت بہت ہی بہتر ہے اس (مال ودولت) سے جو لوگ جمع کرتے ہیں (۱۵۷) اور تم اپنی موت مرو، یا قتل کئے جاؤ بہر حال اللہ کے ہی حضور میں محشور کئے جاؤ گے (۱۵۸) (اے رسول) یہ اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے اتنے نرم مزاج ہو ورنہ اگر تم درشت مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد و پیش سے منتشر ہو جاتے، انہیں معاف کر دیا کریں۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کیا کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ بھی لے لیا کریں۔ مگر جب کسی کام کے کرنے کا حتمی ارادہ ہو جائے تو پھر خدا پر بھروسہ کریں بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۱۵۹) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (مدد نہ کرے) تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اہل ایمان کو صرف خدا پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے (۱۶۰) کسی نبی کی یہ شان اور کام نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ اپنی خیانت کردہ چیز سمیت قیامت کے دن حاضر ہو جائے گا۔ پھر ہر ایک شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا (۱۶۱) بھلا وہ شخص جو ہمیشہ خدا کی رضا پر چلنے والا ہو وہ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو خدا کے غضب میں گھر گیا ہو۔ اور جس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہو اور وہ کیا برا ٹھکانہ ہے (۱۶۲)۔

تفسیر الآیات

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ ...الآیۃ

اس دار دنیا میں انسان کی بڑی کامیابی یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ کوئی بڑی دولت جمع کر جائے مگر یہ جمع کردہ اندوختہ تو بہر حال فانی ہے۔ان کے لئے آخرت کی نعمتیں جو اللہ کی راہ میں مارے جانے کی صورت میں ہیں وہ بلاشبہ اس سے جو یہ دنیا میں جمع کرتے ہیں بہتر ہیں۔ولئن متم۔یہ تم کے مخاطب چونکہ مومنین ہیں لہٰذا وہ فرش خواب پر مریں تو اللہ کی رضامندی کی دولت لئے ہوئے دنیا سے جائیں گے اور اگر قتل ہوں تو یہ قتل بھی راہ خدا میں ہوں گے اور پھر محشور بھی اللہ کی طرف ہونا ہے جس کی راہ میں جان دی ہے تو بلاشبہ وہ اس کا بہتر سے بہتر صلہ عطا کرے گا (فصل الخطاب)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اخلاق کریمانہ کا بیان

اس آیت شریفہ میں پیغمبر اسلامؐ کے اخلاق کریمانہ اور الطاف رؤوفانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر ان کو رحمت اور رافت خداوندی کا نتیجہ وثمرہ قرار دیا گیا ہے۔پیغمبر اسلامؐ کے ساتھیوں سے ایک ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں آنحضرتؐ کو جسمانی اور روحانی تکلیف پہنچتی ہے۔جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے یعنی جیتی ہوئی جنگ شکست سے بدل جاتی ہے اور اسلام و مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان وزیاں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر خلق عظیم کا مالک ایسے لوگوں کو سزا دینا تو کجا زبانی سرزنش بھی نہیں کرتا بلکہ لطف و مدارا کے ساتھ ان سے پیش آتا ہے۔یہ خدائے رحیم و کریم کی رحمت واسعہ کی جلوہ فرمائی نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر آنحضرتؐ کا حوصلہ اتنا بلند،رحمت وشفقت اس قدر وسیع اور عفو و درگذر اس قدر بے پایاں نہ ہوتا تو شمع رسالت مآبؐ کے پروانوں اور جمال محبوب کے دیوانوں کا اتنا جمگھٹا کیسے ہوتا؟ بلکہ قصور وار سزا کے خوف سے اور بے قصور بدخلقی اور درشت مزاجی کی وجہ سے تتر بتر ہوجاتے اور اس طرح آپ یکا وتنہا رہ جاتے اور تبلیغ اسلام کا مقدس سلسلہ رک جاتا اور آپ اپنے مشن میں ناکام ہوجاتے خدائے غفار وستار نے عجیب مشفقانہ انداز میں سفارش کی ہے ''فاعف عنھم'' ان لوگوں سے جو غلطی ہوگئی ہے آپ اس کو معاف کردیں۔''واستغفرلھم''میری جناب میں بھی ان کی مغفرت کی شفاعت کریں اس مقام پر جناب پیر کرم شاہ الازہری مرحوم نے بالکل بجا لکھا ہے کہ:

''اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم گنہگاروں کے گناہ بخشنے کے لئے ہمارے دکھ درد دور کرنے کیلئے حضور نبیؐ کی دعا کو واسطہ اور وسیلہ بنایا ہے حضورؐ کو وسیلہ سمجھنا اور حضور کی بارگاہ میں شفاعت کے لئے التجا کرنا شرک نہیں عین اسلام ہے۔اور قرآن کی تعلیم ہے''(ضیاء القرآن)

''**وشاورھم فی الامر**'' اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں۔آگے بڑھنے اور مشورہ کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے سے پہلے یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اہل اسلام کے ساتھ جس حسن سلوک کرنے کا پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا گیا ہے وہی حکم ایک عام سربراہ اور دینی مصلح کے لئے بھی ہے۔مسلمانوں کے سربراہ اور ایک مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ نرم دل اور نرم گفتار ہو۔اور یہ نرم روی صرف عام معمولات زندگی میں ہی مطلوب نہیں ہے بلکہ اسلام اور غیر اسلام کے تصادم جیسے اہم مواقع پر بھی مطلوب ہے جبکہ کچھ لوگوں کی حکم عدولی کیوجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل جائے۔جب تک حاکم اور سربراہ کے اندر یہ وسعت قلبی اور بلند ہمتی نہ ہو تب تک طاقت اور اجتماعیت قائم نہیں رہ سکتی۔سربراہ کو چاہیے کہ وہ ایسی غلطی کو بھلا کر لوگوں سے معاملہ کرے۔حتی کہ ایسے لوگوں کا اتنا خیر خواہ ہونا چاہیے کہ اس کے دل سے ان کے لئے دعائیں نکلیں جب وہ ایسا سلوک کرے گا تو لوگ بھی اس سے دیوانہ وار پیار و محبت کریں گے اور اس کے احکام واوامر کی پابندی کریں گے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ...الآیة

اسلام میں مشورہ کی اہمیت

قرآن مجید میں دو جگہ مشورہ کا صریح حکم دیا گیا ہے۔ایک جگہ یہی ہے اور دوسری جگہ سورہ شوریٰ میں اہل ایمان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ "**وامرھم شوری بینھم**" کہ ان کے باہمی معاملات مشورہ سے طے ہوتے ہیں اسی طرح متعدد احادیث میں مشورہ کا حکیمانہ حکم دیا گیا ہے کہ "**ماخاب من استخار ولاندم من استشار**" جو استخارہ کرتا ہے وہ کبھی خائب وخاسر نہیں ہوتا اور جو مشورہ کرتا ہے وہ کبھی نادم وپشیمان نہیں ہوتا(تفسیر ابوالفتوح ودرمنثور وغیرہ)

آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا ''**المتشار موئتمن**'' کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے'' کہ اپنے علم وعقل کے مطابق صحیح مشورہ دے(جامع صغیر)

بعض احادیث میں وارد ہے کہ جب اہل خبرہ اور اہل دین ودیانت اور اس شعبہ کے ماہرین سے

مشورہ کیا جائے تو خدا ضرور کسی شخص کی زبان پر حق بات جاری کر دیتا ہے (مکارم اخلاق ومحاسن برقی)

الغرض جب کسی بھی کام کے کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اپنی خداداعقل وخرد سے اس کام کے تمام مثبت ومنفی پہلوؤں پر غور فکر کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے اور جب اپنی عقل کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہو تو پھر دوسرے اہل عقل ودانش سے مشورہ لینا چاہیے اور اگر بالفرض پھر بھی کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکے تو اب استخارہ کرنا چاہیے اور جب عقلی غور وفکر سے یا مشورہ سے یا استخارہ وغیرہ سے اس کام کے کرنے کا حتمی ارادہ ہو جائے تو پھر توکل برخدا ضرور وہ کام کر گذرنا چاہیے۔ اور کسی قسم کے تذبذب کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ ترک اسباب کا نام توکل نہیں بلکہ حتی الامکان کسی کام کے تمام ظاہری اسباب فراہم کر کے نتیجہ خدا کے سپرد کرنے کا نام توکل ہے کہ کامیابی کے اسباب کی بجائے مسبب الاسباب کی ذات والاصفات پر بھروسہ کیا جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں سے جس مشورہ کا حکم دیا گیا ہے اس کی نوعیت کیا تھی؟

باوجودیکہ حضرت رسول خدا معصوم عن الخطاء تھے۔ دینی معاملات میں وحی الٰہی کے تابع تھے اور اسی کے پابند تھے ''اتبع مایوحی الیک'' اور پھر نظر بظاہر حالات وہ عقل کل کے مالک تھے ان حالات میں ان کو مشورہ کا کیوں حکم دیا گیا؟

اس سوال کا جواب عام مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اس میں ایک تو صحابہ کرام کی تالیف قلب اور دلجوئی مقصود تھی تاکہ ان کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ کسی شمار وقطار میں نہیں ہیں اور دوسرے لوگوں کو مشورہ کی اہمیت سے آگاہ کرنا مطلوب تھا۔ علاوہ بریں اس مشورہ کا تعلق حرب وضرب اور دوسرے ایسے انتظامی امور سے تھا جو نص سے متعلق نہ تھے چنانچہ مفسر قرطبی لکھتے ہیں:

''ما امر اللہ نبیہ بالمشاورۃ لحاجۃ منہ الی رائھم وانما اراد ان یعلمھم مافی المشاورۃ من الفضل ولتقتدی بہ امتہ من بعدہ'' اور دوسری وجہ یہ لکھی ہے'' تطیبا لنفوسھم ورفعا لاقدارھم'' (تفسیر قرطبی)

فاضل رازی لکھتے ہیں:

''ذھب کثیر من العلماء الی ان الا الف والا م فی لفظ الامر لیس للاستغراق بل للعھد والمعھود فی ھذہ الایتہ الحرب ولقاء العدو وقال اخرون انہ یشمل جمیع

الامور الدنیویه دون غیرها والحکمة فی المشورة ان تطیب قلوبهم وترتاح انفسهم ۔لان المعصوم لا یشترشد برائی غیرالمعصوم ''(تفسیر رازی)

یعنی بہت سے علماء نے یہ کہا ہے ''الامر '' پر جو الف لام داخل ہے یہ استغراق کا نہیں بلکہ عہد کا ہے اور یہاں اس معہود سے مراد جنگ وجدل کا معاملہ ہے وبس اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ تمام دنیوی امور کو شامل ہے نہ کہ دینی امور کو نیز یہ مشورہ کا حکم ان لوگوں کا دل خوش کرنے کے لئے تھا ورنہ معصوم ہستی کسی غیر معصوم کی رائے کی محتاج نہیں ہوتی (تفسیر کبیر)

جمہوریت کے برحق ہونے کے خیال کا ابطال

کچھ لوگ جو جمہوریت کے دلدادہ ہیں اور اسے مشرف باسلام کرنے پر مصر ہیں وہ بڑے زور وشور سے اس کی حقانیت پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں مگر وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

نیز وہ جمہوریت کی اندھی حمایت میں یہ بھی نظرانداز کر دیتے ہیں کہ۔ ع

از مغز دوصد خر فکر انسانے نمی آید

لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ع

بترس از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا سربراہ اگر معصوم نبیؐ ہو اور اس کا معصوم وصی ۔تو پھر اسلام شخصی حکومت کا قائل ہے کہ وہی ایک شخص تمام سفید وسیاہ کا مالک ومختار ہوگا مگر وہ حکم پروردگار کا پابند ضرور ہوگا کیونکہ ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' ہاں البتہ جب نبی وامام موجود نہ ہوں یا مبسوط الیدنہ ہوں اور نظام دنیوی کو برقرار رکھنے کے لئے حکومت کی تشکیل وتاسیس ضروری ہو تو پھر ''بموجب گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است'' تو کسی غیر معصوم کی شخصی آمرانہ حکومت کے مقابلہ میں اسلام شورائی نظام حکومت کی تائید کرتا ہے ۔وامرھم شوری بینہم

باقی رہیں اس شوری کی تفصیلات کہ مجلس شوری کا انتخاب کس طرح عمل میں لا یا جائے؟

اور پھر باہمی مشورہ کا طریقہ کار کیا ہو؟

اور اختلاف آراء کی صورت میں آخری حل کیا ہو؟

ان تفصیلات کے ذکر کرنے اور پھر ان پر نقد وتبصرہ کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے ''واللہ الہادی الی سواء السبیل'' بہر حال اس صورت میں دستور العمل یہی ہے کہ جماعت سے مشورہ کرنا چاہیے اور باہمی مشورت سے طے شدہ بات پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ...الآية

نبی کبھی خیانت نہیں کرسکتا

غلول کے معنی ہیں مال غنیمت میں خیانت کرنا

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں فریقین کی جو روایتیں ملتی ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ بدر کے روز مال غنیمت میں سے ایک سرخ رنگ کی چادر غائب ہوگئی تو بعض آدمیوں نے کہا کہ آنحضورؐ نے وہ چادر اپنے لئے الگ کرلی ہے اس پر یہ آیت اتری (ترمذی وغیرہ)

ان روایتوں کے راوی ضعیف اور مجہول سہی مگر آیت کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور رونما ہوا ہے ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ پر اس قسم کا الزام لگانے والے کفار ومشرکین تو نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ منافقین ہی ہوسکتے ہیں جو حسب ظاہر صحابہ کرام کی جماعت ہی میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ بہر حال خدا انہیں جواب میں یاد دلا رہا ہے کہ جب تم انہیں نبی مانتے ہو تو جو نبی ہوتا ہے وہ خیانت کار نہیں ہوتا یہ بات اس کے شایان شان نہیں ہے۔ نبوت وخیانت یکجا جمع نہیں ہوسکتیں۔

بعض مفسرین نے اس کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم نے جن تیر اندازوں کو احد کے درہ پر متعین کیا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن کا ساز وسامان لوٹا جارہا ہے اور دوسرے مسلمان مال غنیمت اکھٹا کررہے ہیں تو انہوں نے خیال کیا کہیں آنحضورؐ سارا مال غنیمت انہی لوگوں کو نہ دے دیں اور یہ اس سے بالکل محروم نہ ہوجائیں اس لئے انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوگئے۔ جب آنحضرت نے ان لوگوں سے درہ چھوڑنے کی وجہ دریافت کی تو وہ کوئی معقول جواب پیش نہ کرسکے۔ اس پر آپ نے فرمایا'' ظننتم انا نغل ولا نقسم لکم ''تم نے گمان کیا کہ ہم خیانت کریں گے اور تمہیں تمہارا حق نہیں دیں گے؟ مطلب یہ کہ جب فوج کا سربراہ اللہ کا معصوم نبی ہے تو تمہارے دلوں میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا۔ کہ وہ تمہارے مفادات کا خیال نہیں رکھیں گے؟

آیات القرآن

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۶۴ اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ
قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝۱۶۵ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۶۶

ترجمۃ الآیات

(ان دوقسم کے لوگوں کے) اللہ کے یہاں (مختلف درجے ہیں) اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے (۱۶۳) اللہ نے ہمیشہ اہل ایمان پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کے سامنے آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتا ہے ان کو پاکیزہ کرتا ہے (ان کی اصلاح کرتا ہے) اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے (۱۶۴) (اے مسلمانو! تمہارا کیا حال ہے) کہ جب تم پر (جنگ احد میں) کوئی ایسی مصیبت آپڑی جس سے دگنی مصیبت تم دوسرے فریق کو (جنگ بدر میں) پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی؟ کہہ دیجئے یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۶۵) اور دو جماعتوں کی مڈبھیڑ والے دن (جنگ احد میں) تم پر جو مصیبت آئی وہ خدا کے اذن سے آئی تا کہ اللہ دیکھ لے (مخلص) مومن کون ہیں (۱۶۶)

تفسیر الآیات

هُمۡ دَرَجٰت...الآیة

مختلف لوگوں کے درجے اور طبقے مختلف ہوتے ہیں

اس ''ھم '' کی ضمیر کا مرجع ''مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَ اللهِ اورمَنۡ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللهِ'' ہر دو ہیں ان دونوں آیتوں کے ملانے سے عقلی اصول کا پتہ چلتا ہے کہ اچھے اور برے میں تفریق کرنا ضروری ہے کیونکہ سب کے درجے اور طبقے جدا جدا ہیں بلکہ اس سے بڑھکر سب اچھے بھی ایک جیسے نہیں ہیں ان کے درجے بھی مختلف ہیں کوئی افضل ہے اورکوئی مفضول کوئی راجح ہے اورکوئی مرجوح کوئی بلند درجہ رکھتا ہے اورکوئی بلند تر لہٰذا ان میں بھی حفظ مراتب کا خیال رکھنا ضروری ہے اورسب کو یکساں سمجھنا جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ مفضول کو سربراہ بنالیا جائے اور افضل کو گھر میں بٹھا دیا جائے یہ صریحی ظلم ہے ایک روایت میں جو حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا:

''ان الذین اتبعو ا رضوان الله '' ''ھم الائمة علیھم السلام '' کہ خدا کی مکمل خوشنودی کے درپے رہنے والے آئمہ اہل بیتؑ ہیں (اصول کافی وعیاشی)

یعنی یہ بزرگوار اس آیت کے مصداقوں کے اعلیٰ واکمل افراد ہیں۔

لَقَدۡ مَنَّ اللهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡن...الآیة

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اہل ایمان پر خدا کا بڑا احسان ہے

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں پیغمبر اسلامؐ کے ان اوصاف جلیلہ کی بقدر ضرورت تشریح کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے البتہ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

ایک یہ کہ جب پیغمبر اسلامؐ رحمۃللعالمین اور نذیر للعالمین ہیں اوران کی بعثت تمام عالمین پر خالق دوجہاں کا احسان وانعام ہے تو یہاں اس احسان کو صرف اہل ایمان تک کیوں محدود رکھا گیا ہے کہ خدا نے اہل ایمان پر احسان فرمایا۔ کہ باعتبار لغت جنس سے اور باصطلاح منطق ان کی نوع سے ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک آپ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین ہیں اور آپ کی بعثت خدائے کریم کا عالمین پر احسان عظیم ہے مگر یہ نتیجہ کے اعتبار سے خبر دی گئی ہے کہ اس عالمی نبی رحمت کی رحمت و رسالت سے فیض وہی خوش قسمت لوگ پائیں گے جو اہل ایمان ہوں گے باقی بدقسمت لوگ محروم ہی رہیں گے۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح قرآن مجید کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ''ھدی للمتقین'' ہے حالانکہ وہ ''ھدی للناس'' ہے بلکہ ''ھدی للعالمین'' ہے۔ایسا کیوں ہے؟

اسلئے کہ اس سے فائدہ صرف پرہیز گار لوگ ہی اٹھائیں گے۔

دوسری یہ کہ علم الکلام میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم پر از راہ لطف انبیاء کا بھیجنا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ واجب کی ادائیگی کوئی احسان نہیں ہوتا پھر یہ احسان کیسا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''اول'' تو یہ واجب دوسرے شرعی واجبات کی طرح نہیں ہے کہ کسی اور حاکم اعلیٰ نے خدا پر لازم قرار دیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے شایاں شان یہ ہے کہ اس نے از راہ لطف وکرم کو اپنے اوپر فرض قرار دیا ہے جیسے آیت ''کتب علی نفسه الرحمة ''میں وارد ہے کہ خدا نے لوگوں پر رحم کرنا اپنی ذات پر فرض قرار دے دیا ہے لہٰذا جس طرح خدا کا اپنی ذات پر یہ فرض قرار دینا احسان ہے اسی طرح انبیاء کا بھیجنا بھی اس کا احسان ہے۔بقول مولانا عمار علی صاحب

''جیسے کہ آدمی پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور جب وہ کسی دوسرے کو دیتا ہے تو اس پر اس کا احسان ہوتا ہے ایسے ہی خدائے تعالیٰ پر پیغمبر بھیجنا واجب ہے اور جس وقت اس کو بھیجا اور مومنین نے اس سے فائدہ حاصل کیا تو خدائے تعالیٰ کا ان پر احسان ہوا'' (عمدۃ البیان)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُم...الآیۃ

حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں کہ فتح وشکست کا دارومدار ظاہری آلات واسباب پر ہوتا ہے اور جنگیں معجزات سے نہیں جیتی جاتیں بلکہ لاؤلشکر اور اس کی جنگی مہارت اور تدبیر حرب وضرب سے جیتی جاتی ہیں مگر عام مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم حق پر ہیں۔رسول اللہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور اللہ کی تائید ونصرت ہمارے ساتھ ہے تو کفار کبھی فتح حاصل کر ہی نہیں سکتے۔لہٰذا جب جنگ احد میں خلاف توقع ان کو شکست ہوئی تو ان کے اس خیال کو سخت دھچکا لگا اور وہ پریشان ہو کر کہنے لگے کہ ایسا کیوں ہوا یہ کیا ہوا؟

ان کی اسی پریشانی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ جو کچھ ہوا تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہوا۔نہ تم حکم رسول کی حکم عدولی کرتے نہ درہ کو خالی چھوڑتے۔نہ دشمن عقب سے حملہ کر کے

تمہیں شکست سے دوچار کرتا اور اگر تمہارے ستر (۷۰) آدمی مارے گئے ہیں تو تم اس سے پہلے (جنگ بدر میں) اس سے دوگنا نقصان دشمن کو پہنچا چکے ہو اس کے ستر آدمی قتل کر چکے ہو اور ستر کو قیدی بنا چکے ہو' تلك الايام نداولها بين الناس' اور پھر یہ جو کچھ ہوا خدا کے اذن ومشیت سے ہوا جو قادر مطلق ہے جو تمہیں فتح وفیروزی بھی عطا فرما سکتا ہے اور تمہیں شکست سے دوچار بھی کر سکتا ہے۔

جہاد اس لئے واجب ہے کہ مومن ومنافق کی پہچان ہو جائے

اور پھر اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی مضمر تھی کہ خدا مومن ومنافق کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتا تھا اور دیکھنا و دکھانا چاہتا تھا کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کا علم ازلی وابدی ہے اور چیزوں کی خلقت اور وقوع پذیر ہونے سے پہلے اسے ان کا اسی طرح علم ہوتا ہے جس طرح خلقت اور واقع ہونے کے بعد لہٰذا اگر کوئی شئ وقوع پذیر ہونے والی ہی نہ ہو تو وہ معلوم کیونکر ہو گی؟

مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ باعتبار زمانہ اللہ کو اسوقت علم ہو گا جب واقعہ عالم خارج میں ظاہر ہو جائے علم تو ازلی ہے مگر ہے وہ اسی بنا پر کہ یہ شئ اپنے وقت پر وقوع میں آئے گی۔

اس فلسفہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاد کے واجب ہونے اور فتح وشکست سے دوچار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے مخلص مومن اور منافق کی پہچان ہو جائے کہ میدان کارزار میں جم کر لڑ کر اپنے ایمان کا ثبوت کون پیش کرتا ہے اور اس سے راہ فرار اختیار کر کے اپنے منافق ہونے کا ثبوت کون پیش کرتا ہے؟

آیات القرآن

وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ‌ۖۚ وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ
ادۡفَعُوۡا‌ ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰكُمۡ‌ ؕ هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَٮِٕذٍ
اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ‌ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ‌ ؕ
وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ‌ۚ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ
اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا‌ ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ

صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ
اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۙ
وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْۙ اَلَّا خَوْفٌ
عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَۘ﴿۱۷۰﴾ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍۙ
وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۷۱﴾ۚۛ

ترجمۃ الآیات

اور منافق کون؟ جن سے جب کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم ازکم) دفاع ہی کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو تمہارے پیچھے آتے جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے اس وقت وہ بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے (۱۶۷) یہی وہ لوگ ہیں جو خود تو (گھروں میں) بیٹھے رہے مگر اپنے (شہید ہونے والے) بھائی بندوں کے بارے میں کہا کہ اگر یہ لوگ ہماری پیروی کرتے (اور جہاد کرنے نہ جاتے) تو مارے نہ جاتے۔ (اے رسولؐ) ان سے کہو۔ کہ اگر تم سچے ہو تو جب خود تمہاری موت آئے تو اسے ٹال کر دکھا دینا (۱۶۸) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہر گز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں (۱۶۹) اللہ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش وخرم ہیں اور اپنے ان پسماندہ گان کے بارے میں بھی جو ہنوز ان کے پاس نہیں پہنچے خوش اور مطمئن ہیں کہ انہیں کوئی خوف نہیں ہے اور نہ کوئی حزن وملال ہے (۱۷۰) وہ اللہ کے فضل وانعام پر خوش اور شاداں ہیں اور اس بات پر فرحاں ہیں کہ اللہ اہل ایمان کے اجر وثواب کو ضائع وبرباد نہیں کرتا (۱۷۱)

تفسیر الآیات

وَقِيلَ لَهُمْ...الآية

اس آیت میں منافقین کے کردار اوران کی روش ورفتار کی مزید نشاندہی کی گئی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرو۔ یا کم از کم اپنے مال وجان اور قوم ووطن کا دفاع ہی کرو۔تو وہ مختلف حیلوں بہانوں سے کام لیتے ہیں۔

چنانچہ جب عبداللہ بن ابی مدینہ سے احد آتے ہوئے راستہ سے اپنے تین سو منافق ساتھیوں سمیت واپس لوٹنے لگا تو اسے سمجھا بجھا کر ہمراہ چلنے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس نے جواب دیا ''لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ''اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم تمہارے ساتھ چلتے یعنی جنگ نہیں ہوگی لہٰذا ہم تمہارے ہمراہ نہیں چلتے۔

اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ ہم اسے جنگ ہی نہیں جانتے کیونکہ جنگ میں دو طاقتوں کے درمیان تناسب ضروری ہے۔لہٰذا اپنے سے چار گنا زیادہ اور وہ بھی اسلحہ جنگ سے پوری طرح لیس کے ساتھ لڑنا خودکشی ہے جنگ نہیں ہے۔ہم جنگ میں تو ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں مگر خودکشی میں نہیں۔

خدا فرماتا ہے: وہ جب یہ بات کہہ رہے تھے وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے اوران کی منافقت کی دوسری کھلی ہوئی علامت ان کا وہ قول ہے جسے خدا نے یوں نقل کیا ہے کہ ''اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ ''جنہوں نے گھروں میں بیٹھ کر اپنے شہید ہونے والے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری پیروی کرتے (اور جہاد کرنے نہ جاتے) تو مارے نہ جاتے۔

خداوند عالم ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ اے رسولؐ! ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو جب تمہاری موت آئے تو اسے ٹال کے دکھا دینا حالانکہ ''يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ'' (سورہ نساء آیت۔۷۸)

توجب ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے اوراگر فرار کے بعد بھی اس کا مزہ چکھنا ہے تو اگر موت ایک فرض کی ادائیگی میں آئے اور اس طرح جان جان آفرین کے حوالے کی جائے تو اس سے بڑھ کر اور سعادت وعبادت کیا ہے؟

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ...الآية

شہیدان راہ خدا زندہ ہیں

یہ آیت بظاہر منافقین کے خیال کا رد ہے جو شہداء راہ خدا کو مردہ تصور کر کے ان کے حال پر اظہار افسوس کرتے تھے کہ ہمارا کہنا نہ مانا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ان کے جواب میں خدا فرما رہا ہے کہ شہیدان راہ خدا و کشتگان راہ وفا کو مردہ کہنا غلط ہے وہ تو زندہ ہیں اور زندہ بھی پوری کیفیات زندگی کے ساتھ ہیں ان کو اللہ جل جلالہ کی طرف سے رزق ملتا ہے ظاہر ہے کہ رزق زندہ کو ہی ملتا ہے اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش و خرم ہیں۔ نیز وہ اپنے جو اعزا و اقارب دنیا میں چھوڑ گئے ہیں وہ ان کے بارے میں بھی خوش ہیں اور پر امید ہیں کہ جب وہ دنیا میں رہ کر ایمان کے ساتھ نیک کام کریں گے اور مصروف جہاد رہیں گے تو انجام کار ان کو بھی یہی نعمتیں میسر آئیں گی۔ کیونکہ خدا ایمان والوں کے اجر و ثواب کو برباد نہیں کرتا۔ دنیا میں رہ کر ان کا ایمان تھا اور اب مشاہدہ و عیاں ہے۔

ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ شہید کی یہ حیات اس حیات برزخی سے علیحدہ ہے جو ہر مسلم و کافر کو حاصل ہے یہ اور بات ہے کہ ہم اس حیات کی پوری کیفیت و نوعیت کو نہ سمجھ سکیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں:

بھلا سونے والے نے عالم خواب میں کب بیداری کو سمجھا ہے؟

جو ہم اس خواب بیداری میں اس حیات جاوداں کی کیفیت کو سمجھ سکیں جو راہ خدا میں شہید ہو کر حاصل ہوتی ہے؟

بس اس کی حقیقت و اصلیت خالق کائنات کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا یہ ہمارے فہم و ادارک کی حدوں سے ماوراء ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس آیت کے ساتھ ملی جلتی ایک آیت کی تفسیر میں سورہ بقرہ نمبر ۱۵۴ کے اندر حیات شہداء پر بقدر ضرورت گفتگو کی جا چکی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں خدا نے فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو۔ اور یہاں فرمایا کہ ان کے مردہ ہونے کا گمان بھی نہ کرو کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ اور بارگاہ خدا سے رزق پا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کا ہمارے فہم کی رسائی سے بالاتر ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے روح کی ماہیت آج تک سر مکتوم ہے اس کو نہ سمجھنا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتا (ضیاء القران)

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا:

ایک شخص حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں بخوشی جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا بے شک راہ خدا میں جہاد کر اگر مارا گیا تو ایسا زندہ قرار پائے گا کہ جو اللہ سے رزق پاتا ہے

اور اگر اپنی موت مرگیا تو تیرا اجر وثواب خدا کے ذمہ ہوگا اور اگر زندہ لوٹ آیا تو گناہوں سے پاک ہوجائے گا (تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقرؑ سے ہی مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ جب ان کی روحیں جنت الفردوس میں داخل ہونگی اور وہ بارگاہ خداوندی سے عزت وکرامت حاصل کریں گے اور ان کو مکمل یقین ہوجائے گا کہ وہ دین حق پر تھے تو اپنے پسماندگان اہل ایمان کے بارے میں خوش ہوں گے کہ آخر ایک دن وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوجائیں گے (اصول کافی)

آیات القرآن

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ
النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ
وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ
وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی آواز پر لبیک کہی۔ان میں سے جو نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لئے بڑا اجر وثواب ہے (۱۷۲) وہ کہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا لشکر جمع کیا ہے لہٰذا تم ان سے ڈرو۔تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا۔اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے (۱۷۳) پس یہ لوگ اللہ کی عنایت اور اس کے فضل وکرم سے اس طرح (اپنے

گھروں کی طرف) لوٹے کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نے چھوا بھی نہیں تھا۔ اور وہ رضاء الٰہی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل وکرم والا ہے (۱۷۳) دراصل یہ تمہارا شیطان تھا جو تمہیں اپنے حوالی موالی (دوستوں) سے ڈراتا ہے اور تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو۔ اگر سچے مومن ہو (۱۷۵)

تفسیر الآیات

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْ...الآیۃ

غزوہ بدرالصغری کا تذکرہ

ابھی تک غزوہ احد کا تذکرہ تھا مگر ان آیات میں غزوہ حمراء الاسد کا تذکرہ ہے جسے غزوہ بدرالصغری بھی کہا جاتا ہے اور اس کا مختصر قصہ کچھ یوں ہے کہ ابوسفیان اور دوسرے کفار مکہ جب احد سے واپس چلے گئے تو راستہ میں بمقام ''روحا'' پہنچ کر ان کو یہ خیال آیا کہ غالب آنے کے باوجود ہم جنگ کو اس کے منطقی انجام تک پہنچائے بغیر واپس آ گئے ہمیں چاہیے تھا کہ سب مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیتے۔ یہ خیال کر کے واپس مدینہ لوٹنے اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر خداوند عالم نے بذریعہ وحی پیغمبر اسلام کو اس کی اطلاع دی اور آنحضرتؐ نے اعلان کر دیا کہ ہم نے کفار کے تعاقب میں جانا ہے۔

یہ اگرچہ بڑا ہی نازک موقع تھا مگر پھر بھی مخلص مومن صحابہ جانثاری کے لئے تیار ہو گئے ان میں کئی آدمی ایسے بھی تھے جو جنگ احد میں سخت زخمی ہوئے تھے اور آنحضرتؐ ان جانثاروں کے ساتھ مقام حمراء الاسد تک پہنچے جو مدینہ سے قریبا آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر ابوسفیان نے نعیم بن مسعود اشجعی کے ذریعہ آنحضرتؐ کو مرعوب کرنے کے لئے پیغام بھیجا کہ ابوسفیان اپنے حلیفوں کے ساتھ ایک لشکر جرار لے کر حملہ آور ہوا چاہتا ہے یہ وحشت ناک خبر سن کر مسلمان یک زبان ہو کر بولے ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل''

دوسری طرف معبد خزاعی جو کہ مکہ جا رہا تھا جب اس نے راستہ میں دیکھا کہ ابوسفیان مدینہ پر حملہ کرنے کی فکر کر رہا ہے تو اس نے بتایا کہ تم کس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے؟ میں نے ان کا جم غفیر حمراء الاسد میں دیکھا ہے جو تمہارے تعاقب میں آ رہا ہے۔ اس خبر کا ابوسفیان پر یہ اثر ہوا اور اس پر ایسا رعب پڑا کہ وہ اپنا ارادہ بدل کر مکہ چلا گیا۔ اور حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بہر حال جب کفار واپس چلے گئے تو آنحضرتؐ

بھی اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے گئے (تفسیر فصل الخطاب، معارف القرآن، تفسیر صافی، کاشف)

باختلاف روایات یہ واقعہ جنگ احد کے دوسرے روز وقوع پذیر ہوا یا ایک سال کے بعد (تفسیر صافی)

بہر حال ان تین آیات مبارکہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آنحضرتؐ کے انہی مخلص مومن اور جانثار صحابہ کرام کی مدح وثنا کی گئی ہے جو اس واقعہ میں کندن ہو کر نکلے۔ جو غزوہ احد میں زخمی ہونے کے باجود جدال وقتال پر آمدہ ہو گئے تھے۔ اور دشمن کی جمعیت معلوم کر کے بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے بلکہ ''**حسبنا الله ونعم الوکیل**'' کا مومنانہ نعرہ لگایا تھا۔ اور پھر بغیر کسی ضرر وزیاں کے صحیح سلامت شاداں وفرحاں اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئے تھے۔

ان واقعات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اطاعت رسول اطاعت خدا ہے اور حکم رسول حکم خدا ہے۔ اور عمل کی روح رواں اخلاص ہے۔ اور یہ کہ جو خدا پر بھروسہ کرتے ہیں خدا بھی ان کو نا شاد ونا مراد نہیں کرتا اور یہ کہ کلمہ مبارکہ "**حسبنا الله ونعم الوکیل**" کے پڑھنے کے بڑے فوائد مذکور ہیں منجملہ ان کے دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے روزانہ اس کا ایک سو بار پڑھنا مجرب ہے (مفاتیح الجنان)

ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ...الآية

شیطان اپنے دوستوں کے ذریعہ سے اہل ایمان کو ڈراتا ہے

ان الفاظ کے ترجمہ میں بعض اعلام نے اپنے تحیر وتردد کا اظہار کیا ہے کہ شیطان اپنے حوالی وموالی کو ڈراتا ہے۔ یا شیطان تمہیں اپنے حوالی وموالی سے ڈراتا ہے۔

ظاہر ہے کہ شیطان اپنی اصلی صورت میں سامنے آکر تو نہ حملہ کرتا ہے اور نہ ہی ڈراتا ہے وہ جب بھی وار کرتا ہے تو کسی انسانی شکل وروپ میں آکر کرتا ہے یہی اولیاء الشیطان کہلاتے ہیں چنانچہ یہاں اس کا نمائندہ نعیم ثقفی تھا۔ بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان اپنے دوستوں کے ذریعہ سے تمہیں ڈراتا ہے یعنی باولیاہ۔ (قرطبی)

اور زجاج اور ابوعلی فارسی کی تحقیق کے مطابق یخوف کا پہلا مفعول محذوف ہے جو ضمیر جمع مذکر حاضر ہے جو یعنی ''**یخوفکم**'' ہے اور دوسرا مذکور ہے جو اولیاء ہے۔ بنابریں ترجمہ یہ ہوگا کہ شیطان تمہیں اپنے

حوالی موالی (دوستوں) سے ڈراتا ہے۔

چنانچہ ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے اور اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے ''**فلا تخافوھم**'' تم ان سے نہ ڈرو جن سے شیطان ڈراتا ہے بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اس طرح ''**ھم**'' کی ضمیر کا مرجع اولیاہ قرار پائے گا۔ اور یہ بفضلہٖ تعالیٰ بالکل واضح مطلب ہے جس میں کوئی اینچ پینچ نہیں ہے خدا فرماتا ہے:

اولیاء الشیطان سے نہ ڈرو۔ اگر سچے مومن ہو تو صرف مجھ سے ڈرو۔

اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے اللہ کی حکم عدولی اور نافرمانی سے ڈرنا۔ ورنہ اللہ کوئی ڈراونی چیز نہیں کہ جس سے ڈرا جائے بلکہ وہ تو محسن و منعم اور رحمن و رحیم اور **رؤوفٌ رَّحِيْم** ہونے کی وجہ سے محبت و پیار کرنے کے لائق ہے۔

آیات القرآن

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ
لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ
مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ
مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا
فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی بھاگ دوڑ کر رہے ہیں وہ تمہیں غمزدہ نہ کریں یہ

اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔اللہ کا ارادہ ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے۔ اوران کے لئے بہت بڑا عذاب ہے(۱۷۶) بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا ہے وہ ہرگز اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا ئیں گے اوران کے لئے دردناک عذاب (تیار) ہے۔(۱۷۷) اور کافر یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دے رہے ہیں (ان کی رسی دراز رکھتے ہیں) یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے یہ ڈھیل تو ہم صرف اسلئے انہیں دے رہے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کرلیں (آخر کار)ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے(۱۷۸) اللہ مومنوں کواس حال پر نہیں چھوڑے گا جس حال پر تم اب ہو۔جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے اوراللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کرے۔البتہ اللہ (غیب کی باتیں بتانے کے لئے)اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔اوراگر تم ایمان لاؤ اور پرہیز گاری اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا اجر وثواب ہے(۱۷۹)

تفسیر الآیات

وَلَا يَحۡزُنۡكَ...الآیۃ۱۷۶

حضرت رسول خداؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ کفر میں تگ وتاز کرنے والے خدا اور رسول کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔پیغمبرؐ اسلام اس بات کے کس قدر حریص تھے کہ لوگ ایمان لائیں اوران کے ایمان نہ لانے سے آپ کو کس قدر روحانی کوفت ہوتی تھی اس کا کچھ اندازہ درج ذیل آیات سے لگایا جاسکتا ہے۔

''حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ '' وہ تمہارے ایمان لانے کے بارے میں بڑے حریص ہیں اورمومنوں کے ساتھ بڑے مہربان ہیں۔(سورہ توبہ آیت۔۱۲۸)

''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا'' شاید آپ ان کے پیچھے جان دے دیں گے اس افسوس میں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔(سورہ کہف آیت۔۶)

جولوگ مسلمان کہلا کر اپنے اقوال وافعال سے کفر وشرک کا مظاہرہ کرتے تھے اس سے آپؐ کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی اور کس قدر صدمہ پہنچتا ہوگا؟ جیسا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی تو اس سے کئی منافق اپنے کفر کا اظہار کرنے لگے اور ظاہری اسلام کا جو لبادہ اوڑھ رکھا تھا اسے بھی ہٹادیا۔بہر حال خدائے

مہربان اپنے پیغمبر کو تسلی دے رہا ہے کہ کفر میں تگ وتاز کرنے والے خدا ورسولؐ کو کوئی ضرر وزیاں نہیں پہنچاتے بلکہ سراسر اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور آخرت کے ثواب بے حساب سے اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں آپ نے تبلیغ کا جو حق تھا وہ ادا کر دیا اب اگر وہ اپنے کفر وشرک سے چمٹا رہنے پر مصر ہیں تو آپ غمزدہ اور رنجیدہ نہ ہوں ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اگر وہ اسلام کے بدلے کفر خرید رہے ہیں تو یہ ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور ان کی حرماں نصیبی ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ...الآیۃ ۱۷۸

دنیوی نعمتوں کی کثرت محبوب خدا اور ان کی قلت مبغوض خدا ہونے کی دلیل نہیں ہے

''املاء'' کے معنی ہیں طول حیات اور عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی مہلت اور ڈھیل عامۃ الناس یہ خیال کرتے ہیں کہ زندگی کی طوالت، صحت وسلامتی کا حصول اور مال ودولت کی کثرت کسی شخص کے محبوب خدا ہونے کی دلیل ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس پر خدا کی خاص نگاہ کرم ہے اور اس کی قسمت زوروں پر ہے جبکہ اس کے برعکس بیماری اور تنگدستی کو مبغوض خدا ہونے کی علامت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سوچ کا یہ انداز کافرانہ ہے مومنانہ نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امتحان کے مختلف پرچے ہیں خدائے علیم وحکیم کسی کا امتحان لیتا ہے تندرست وتونگر بنا کر اور کسی کا اختبار کرتا ہے بیمار ونادار بنا کر تا کہ دیکھے اور دکھائے کہ نعمت پر شکر کون کرتا ہے اور مصیبت پر صبر کون؟

بعض بدکاروں کو ڈھیل دینے کی حکمت

نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات خدائے حکیم اس لئے بھی بعض بدکاروں کو درازی عمر اور عیش وعشرت کے آلات واسباب سے نوازتا ہے کہ وہ دل کھول کر گناہ کر لیں اور گناہ کرنے کی کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے اور مرزا غالب کی طرح روز آخرت یہ نہ کہنا پڑے کہ

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اسے شریعت کی اصطلاح میں استدراج کہا جاتا ہے اور اس سے حجت خدا تمام ہوتی ہے اور جب جبار

وقہار خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا کیونکہ ''اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ'' (سورہ بروج آیت۔۱۲) اور نتیجہ بالکل تباہی کی شکل میں نکلتا ہے خواہ دنیا میں ہوتا کہ دوسروں کے لئے سامان عبرت ہو جائے اور خواہ آخرت میں ہو جو سزا و جزا کا اصلی محل ومقام ہے ''اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا'' (سورہ توبہ آیت۔۵۵) خدا چاہتا ہے کہ کفار کی اس عیش وعشرت اور مال ودولت کی فراوانی کی وجہ سے انہیں سزا دے۔ بہرنوع آخری فتح وکامرانی حق اور اہل حق کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ...الآیۃ۱۷۹

پاک اور ناپاک لوگوں میں امتیاز کرنے کی ضرورت اور اس کے ذرائع کا بیان

آغاز اسلام میں یہ دستور تھا کہ جو شخص چاہتا اسلام کا ظاہری اقرار کرکے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور پھر نازک مواقع پر مسلمانوں میں خوف، انتشار اور راز کا افشاء کرکے ان کو اذیت پہنچاتا۔ لہٰذا حکمت خداوندی کا تقاضا تھا کہ ان کا باہم اختلاط مناسب نہیں لہٰذا مخلص ومنافق اور خبیث اور طیب میں امتیاز ضروری ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جس عہد کو خیر القرون کہا جاتا ہے اس میں بھی خود مسلمانوں کے اندر پاک وناپاک اور طیب وخبیث لوگ موجود تھے۔ اگر سب ہی عدول ہوتے سب ہی اقتدار کے اہل ہوتے اور سب ہی معزز ومحترم ہوتے تو پھر خدا ان میں امتیاز قائم کرنے کا اہتمام کیوں کرتا؟

بہرحال اب امتیاز قائم کرنے کے چند ذریعے متصور ہو سکتے تھے۔ مثلاً

۱۔ یہ کہ بذریعہ وحی نام لیکر منافقوں کو متعین کر دیا جائے مگر بوجوہ ایسا نہیں کیا گیا

۲۔ مصائب سے اور ابتلا وآزمائش سے تاکہ جو مصیبت کے وقت بھاگ کھڑا ہو اس کے نفاق کا پردہ چاک ہو جائے جس طرح جنگ احد میں سختی کے وقت دو کردار سامنے آ گئے تھے

۳۔ اسلام کو کامیاب کرکے اور پھر پرچم اسلام کو سربلند کرکے اور کفر کے پرچم کو سرنگوں کرکے تاکہ پتہ چل جائے کہ اسلام کی فتح وفیروزی پر خوش وخرم ہو کر اپنے ایمان کی پختگی کا ثبوت کون پیش کرتا ہے اور پرچم کفر کی سرنگونی پر رنج وملال کا اظہار کرکے اپنے نفاق کا ثبوت کون فراہم کرتا ہے؟

۴۔ اپنے منتخب پیغمبروں کے ذریعہ سے بعض غیب کی باتوں پر مطلع کر دینے سے یعنی خداوند عالم نے وحی کے ذریعہ حضرت رسول خداؐ کو منافقین کے ناموں سے آگاہ کر دیا تھا لہٰذا خبیث وطیب کے باہمی امتیاز کے

سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کے ارشادات پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت نا قابل انکار ہے۔ اسلئے فرمایا گیا کہ خدا و رسولؐ پر ایمان رکھو۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا و رسولؐ جس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمائیں اسی کے مطابق اس سے سلوک روا رکھو۔ بنابریں اچھوں اور بروں میں حد فاصل قائم کرنے کے لئے قرآن کے علاوہ جہاں تاریخ اسلام کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے وہاں حدیث رسولؐ کو بھی مدنظر رکھنا لازمی ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ...الآية ۱۷۹

اس آیت مبارکہ میں چونکہ علم غیب کا ذکر آ گیا ہے تو اس کی مناسبت سے انسب معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے علم غیب جاننے یا نہ جاننے کے قدیم الایام سے معرکۃ الاراء نازک مسئلہ کی یہاں کچھ وضاحت کر دی جائے اگرچہ اصول الشریعہ کے ساتویں باب میں اس کی مکمل تفصیل درج کی جا چکی ہے لہٰذا اس موضوع کے جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

علم غیب کی تعریف

غیب کیا ہے؟

''المرادبه المخفی الذی لا یدرکه الحس ولا تقتضیه بدیهة العقل وهو قسمان قسم لا دلیل علیه وهو المعنی بقوله تعالیٰ وعنده مفاتیح الغیب لا یعلمها الا هو وقسم نصب علیه دلیل کالصانع وصفاته والیوم الاخر واحواله وهو المراد فی قوله سبحانه یومنون بالغیب''

غیب اس پوشیدہ امر کو کہا جاتا ہے جسے نہ تو حواس درک کر سکیں اور نہ ہی بداہت عقل اسے سمجھ سکے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کے معلوم کرنے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ یہی قسم مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ صرف اللہ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کے معلوم کرنے پر دلیل قائم ہے جیسے خالق کائنات کی ہستی اور اس کے صفات، آخرت اور اس کے حالات خدا کے اس قول سے یہی قسم مراد ہے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں (مراۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۴۶۷)

''کل مالا یتناوله الحواس من الا مور الکائنته فی الحال او الماضی اولا

ستقبال '(شرح اصول کافی ج ۶ ص ۷ ۱۲۷ از ملا صالح مازندرانی)

یعنی غیب سے مراد وہ امور ہیں جو انسانی حواس کی دسترس سے ماوراء ہوں خواہ حال میں ہوں یا ماضی یا مستقبل میں۔علم غیب کی اس تعریف سے واضح ہوجاتا ہے کہ غیب کہتے ہی اس علم کو ہیں جو انسانی عقل وخرد اور حواس کی دسترس سے ماوراء ہو۔اوراسی سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ عالم الغیب صرف خداوند عالم کی ذات جامع جمیع کمالات ہے اور یہ اسی کے ساتھ مختص ہے۔

علماء متکلمین کی اصطلاح

چنانچہ علماء متکلمین نے قرآن وسنت کے حقائق کو سامنے رکھ کر یہ اصطلاح قائم کی ہے کہ عالم الغیب صرف اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کا علم ذاتی ہو کسی اور ذات سے مستفاد نہ ہو۔اور پھر اس طرح کلی واحاطی ہو کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس کے احاطہ علمی سے خارج نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ شان صرف خدائے دوجہاں کی ہے۔(اوائل المقالات از شیخ مفید ۷۷ وہفتم بحاالانوار ۱۵ ۴ طبع قدیم از علامہ مجلسی)

علم غیب قرآنی آیات کی روشنی میں

قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات وافی ہدایات موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ علم غیب خدا کی ذات کے ساتھ مختص ہے جیسے یہ آیات:

۱۔''وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ''اللہ کہ پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا(سورہ انعام آیت۔۵۹)

۲۔''وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ''اور سارے آسمان وزمین کی پوشیدہ باتوں کا خاص خدا کو ہی علم ہے اور ہر کام کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔(سورہ ہود آیت۔۱۲۳)

۳۔''قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ''اے رسولؐ کہہ دیجئے جو کوئی آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔(سورہ نمل آیت۔۶۵)

۴۔''اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ''بے شک خدا سارے آسمان وزمین کی غیبی باتوں کو جانتا ہے اور وہ دلوں کے رازوں سے واقف ہے(سورہ فاطر آیت۔۳۸)

۵۔''قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ''(اے رسولؐ) کہہ دیجئے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں(سورہ انعام آیت۔۵۰)وغیرہ وغیرہ

علم غیب ارشادات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں

انبیاء وائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے کی نفی پر اخبار و آثار متظافرہ بلکہ متواترہ موجود ہیں یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ابھی آیت نمبر ۵ میں نقل کیا جا چکا ہے جس میں خداوند عالم نے خود آنحضرتؐ سے کہلوایا ہے کہ میں علم نہیں جانتا

۲۔ ایک بار حضرت امیر علیہ السلام نے بعض ایسے امور کی خبر دی جو ہنوز واقع نہیں ہوئے تھے اس پر بعض اصحاب نے عرض کیا ''لقد اعطیت علم الغیب' آپ کو علم غیب عطا کیا گیا ہے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا ''لیس ھو بعلم غیب وانما ھو تعلم من ذی علم '' یہ علم غیب نہیں ہے یہ تو صاحب علم سے حاصل کی ہوئی باتیں ہیں (نہج البلاغہ، تفسیر صافی)

۳۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: 'عجبا لقوم یزعمون انا نعلم الغیب ما یعلم الغیب الا اللہ عزوجل '' تعجب ہے ان لوگوں سے جو گمان کرتے ہیں کہ ہم علم غیب جانتے ہیں حالانکہ خدا عزوجل کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۱۶۸ طبع ایران)

۴۔ عنبسہ بن مصعب نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوالخطاب (غالی) کہتا ہے کہ آپ علم غیب جانتے ہیں۔ آپ نے اس کی لغویات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اما قولہ انی اعلم الغیب فو اللہ الذی لا الہ الا ھو ما اعلم الغیب'۔

اس کا یہ کہنا کہ میں علم غیب جانتا ہوں مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں علم غیب نہیں جانتا (رجال کشی ۱۸۸ طبع بمبئی)

۵۔ امام زمانہؑ کی توقیع مبارک موجود ہے جس میں آپ جناب محمد بن علی سمری کے نام توقیع میں فرماتے ہیں:

یا محمد بن علی تعالیٰ اللہ عزوجل عما یصفون سبحانہ وبحمدہ لیس نحن شرکائہ فی علمہ ولا فی قدرتہ بل لا یعلم الغیب غیرہ قال فی محکم کتابہ تبارکت اسمائہ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ''

اے محمد بن علی سمری! یہ لوگ (غالی) اللہ کی جو صفت بیان کرتے ہیں وہ اس سے بہت بلند و برتر ہے ہم نہ اس کے علم میں شریک ہیں اور نہ قدرت میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا جیسا کہ

اس نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی زمین وآسمان کی مخلوق غیب نہیں جانتی (احتجاج طبری ص ۲۲۵ طبع نجف)

اِطِّلَاع عَلَى الْغَيْبِ عِلْمُ الْغَيْب نہیں ہے

پورے قرآن مجید میں خدائے علیم وحکیم نے دو مقامات پر فرمایا ہے کہ وہ اپنے رسولوں میں جسے چاہتا ہے اپنے غیب پر اطلاع دے دیتا ہے۔ایک یہی زیر بحث آیت ہے جس میں فرماتا ہے۔اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کرے البتہ اللہ (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔اور دوسرے پارہ نمبر ۲۹ سورہ جن آیت نمبر......۲۶،۲۷ میں فرماتا ہے''عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّه''خدا ہی غیب دان ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند فرمائے۔

ان دو آیتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسولوں میں سے (جس کو) جس قدر مناسب سمجھے اپنے بعض غیوب پر بذریعہ وحی مطلع کر دیتا ہے مگر ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ عالم الغیب ہونا اور ہے اور بعض غیبی امور پر مطلع ہونا اور۔یہ درحقیقت علم غیب نہیں ہے بلکہ غیبی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی انبیاء کو دی گئی ہیں''ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ''(سورہ آل عمران آیت۔۴۴)اور پھر انبیاء کے ذریعے سے ان کے اوصیا تک پہنچتی ہیں بنابریں حقائق بے شک آئمہ علیہم السلام باطلاع اللہ واعلامہ بعض غیوب پر مطلع ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کو عالم الغیب کہنا شرعاً صحیح نہیں ہے۔

ایک اس لئے کہ یہ علم الغیب نہیں ہے۔

دوسرا اسلئے کہ عالم الغیب خدا کا صفاتی نام ہے۔اور اس کے نام توقیفی ہیں۔شریعت کی اجازت کے بغیر غیر اللہ پر اس کے ناموں کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پورے دفتر حدیث میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی دستیاب نہیں ہوئی جس میں اللہ کے سوا اور کسی ہستی پر''عالم الغیب''کا اطلاق کیا گیا ہو۔اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْن

آیات القرآن

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَخَيْرًا

لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ
اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا
قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ
الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى
يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے (بہت کچھ) دے رکھا ہے۔ اور وہ بخل کرتے ہیں وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ (بخل) ان کے لئے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے۔ عنقریب قیامت کے دن اس مال کا طوق انہیں پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کر رہے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے (۱۸۰) بے شک اللہ نے ان لوگوں (یہودیوں) کا قول سن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ خدا مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں سو ان کی یہ باتیں ہم لکھ لیں گے نیز ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ لیں گے۔ اور (فیصلے کے وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ اب آتش دوزخ کا مزہ چکھو (۱۸۱) یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے (زادِ سفر کے طور پر) آگے بھیجا ہے اور یقیناً اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (۱۸۲) یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد واقرار لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں۔ جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے (غیبی) آگ آکر کھالے۔ ان سے کہیے مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول روشن نشانیاں

(معجزے) لے کر اور وہ (نشانی) بھی جو تم کہتے ہو لے کر آئے تو اگر تم (اس شرط میں) سچے ہو تو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا؟ (۱۸۳)

تفسیر الآیات

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ...الآیۃ۱۸۰

بخل کی مذمت اور اس کے برے انجام کا تذکرہ

بہت دیر کے بعد سلسلہ کلام تبدیل ہوا ہے اور منافقین کے فرار اور دوسرے واقعات ان کے اقوال اور ان کے جوابات یہاں ختم ہوئے ہیں۔ یہاں خدائے رحمان نے بخل اور اس کے برے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔ بخل ان بنیادی اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو اور بہت سی بداخلاقیوں کی جڑ ہے جیسے خیانت، بددیانتی، بے رحمی اور دنائت وکمینگی وغیرہ بخل کی مذمت سے قرآن وسنت لبریز نظر آتے ہیں اور اس صفت رذیلہ کا انجام جہنم ہے۔

بخیل اربودذاہد بحر وبر

بہشتی نباشد بحکم خبر

یہاں بخل سے مالی حقوق واجبہ جیسے زکوۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا مراد ہے جنہیں خدائے حکیم نے فقراء کے لئے اغنیاء کے اموال میں فرض کیا ہے یہ مال بطور طوق ان کی گردن میں ڈالے جائیں گے یقینا کسی مخصوص ہولناک عذاب کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت ارشادات معصومین میں کی گئی ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقرؑ وحضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا:

’’مامن احد يمنع من زكوة ماله شيا الا جعل الله ذلك يوم القيمة ثعبانا من نار مطوقا فی عنقه ينهش من لحمه حتى يفرغ من الحساب وهو قول الله سيطوقون ما بخلوا به يوم القيامة‘‘

جو شخص اپنے مال کی زکوۃ ادا نہ کرے خدا اسے قیامت کے دن جہنم کا اژدھا بنا کر اس کی گردن میں طوق کے طور پر ڈالے گا جو اس کا گوشت کھائے گا یہاں تک کہ حساب کتاب سے فراغت ہوگی (اصول کافی وتفسیر صافی)

نیز حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا:

''مامن ذی زکوۃ مال نخل او زرع او کرم یمنع زکوۃ ماله الا قلدتبرۃ ارضه یطوق بها من سبع ارضین الی یوم القیامة''

جس شخص پر کھجور، زراعت یا انگور وغیرہ کسی مال کی زکوۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو اس کی زمین کو اس کے سات طبقوں سمیت قیامت کے دن ان کی گردن کا طوق بنائے گا (صافی)

''ہم اپنی اس دنیا کے مشاہدات میں گھری ہوئی عقل سے وہاں کی کسی چیز کی نوعیت کب سمجھ سکے ہیں جو اس ازدہے کے پوری نوعیت محسوس کر سکیں جس کی شدت سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ابدی عذاب کا ایک طریقہ ہے جو غضب پروردگار کا نتیجہ ہے اور اس کی نافرمانی کی سزا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک (فصل الخطاب)

ارشاد قدرہے:

''وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ''

جو شخص حرص بخل سے بچا لیا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں''

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ۔ الایة ۱۸۱

یہودیوں کا اپنے آپ کو مالدار اور خدا کو غریب و نادر کہنا

کتب تفسیر میں یہود کے اپنے آپ کو مالدار اور خالق کائنات کو غریب و نادار کہنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ''من ذالذی یقرض الله قرضاً حسنا'' کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے۔ تو یہودیوں نے تمسخر کرتے ہوئے کہنا شروع کیا اللہ مفلس ہو گیا ہے اس لئے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔ (تفسیر صافی)

اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے جب اولیاء اللہ کو فقیر و نادار دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ اللہ مفلس ہو گیا ہے کیونکہ اگر مالدار ہوتا تو اپنے دوستوں کو مالدار بناتا (تفسیر قمی)

بہرحال وجہ جو بھی ہو خدائے قہار ان کے جواب میں فرمارہا ہے کہ ہم ان کے مذاق والے جرم کو ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیں گے اور ان کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کا سنگین جرم بھی ثبت کیا جائے گا۔ اس ارشاد خداوندی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ مذاق اتنا سنگین جرم ہے کہ اسے قتل انبیاء کے ساتھ لکھا جارہا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا۔ انبیاء کے قاتلین اور اس قول کے قائلین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ تھا۔ مگر خدا نے ان کو اسلئے قاتل قرار دیا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے اس کارنامہ پر راضی تھے۔ (الکافی، الصافی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بموجب ''من رضی بفعل قوم فھو منھم ''جو کسی قوم کے فعل پر راضی ہو وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے لہٰذا جو شخص یا قوم وقبیلہ آج بھی امام حسینؑ کے قتل ناحق پر راضی ہے وہ امامؑ کے قاتلوں میں شمار ہوگا۔ (تفسیر عیاشی)

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا...الآیۃ ۱۸۳

یہودیوں کے ایمان نہ لانے کے عذر لنگ کا تذکرہ

یہود جو کہ حیلہ سازی کے فن میں بڑے ماہر تھے اس لئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے کا یہ عجیب وغریب عذر تراشا کہ خدا نے ہم سے تورات میں یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی شخص کو نبی نہ مانیں جب تک وہ یہ خاص معجزہ نہ دکھائے جو یہ ہے کہ وہ کوئی قربانی پیش کرے اور آسمانی آگ آکر اسے کھا جائے (اسے جلا کر راکھ کردے) اور چونکہ آپ نے یہ معجزہ نہیں دکھایا لہٰذا ہم آپ کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔

قرآن نے ان کی اس کٹ حجتی کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ بعض انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا ہے اور ہابیل وقابیل کے قصہ میں بھی مذکور ہے مگر یہ کوئی عام اصول تو نہ تھا کہ جو معجزہ نہ دکھائے اس پر ایمان نہ لانا بے شک نبی کے لئے معجزہ نما ہونا ضروری ہے مگر کسی خاص معجزہ کا پابند ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور نہ کوئی ایسی صراحت تورات وغیرہ میں مذکور ہے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اگر بالفرض تمہاری یہ بات درست تسلیم بھی کرلی جائے تو جب بعض سابقہ انبیاء دوسرے معجزات کے علاوہ تمہارا مطلوبہ معجزہ بھی لے آئے تھے جیسے جناب زکریا۔ وجناب یحییٰؑ تو تم نہ صرف یہ کہ ان پر ایمان نہیں لائے، الٹا ان کو ناحق شہید بھی کیا؟

اس سے معلوم ہوا کہ یہ نہ ماننے کے صرف حیلے وبہانے ہیں۔ بس خداوند عالم نے اپنے حبیب کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ ان کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی انبیاء ومرسلین کی تکذیب کی جاتی رہی ہے۔ ع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

لہٰذا ''فَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ'' اولی العزم رسولوں کی طرح صبر کیجئے۔ (سورہ احقاف آیت۔ ۳۵)

آیات القرآن

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ
وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ
فَازَ ط وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ
وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ
عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (آزردہ خاطر نہ ہو) آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو معجزات، صحیفے اور روشن کتاب (آئین حیات) لے کر آئے (۱۸۴) ہر جاندار نے (انجام کار) موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تم سب کو قیامت کے دن (اپنے اپنے اعمال کا) پورا پورا بدلہ دیا جائے گا پس جو شخص (اس دن) جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان اور سرمایہ ہے (۱۸۵) (مسلمانو) ضرور تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے بارے میں آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب مشرکین سے بڑی دل آزار باتیں سننا پڑیں گی اور اگر تم صبر و ضبط سے کام لو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت اور حوصلے کا کام ہے (۱۸۶)۔

تفسیر الآیات

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ......... الاٰیۃ ۱۸۵

ہر جاندار نے موت کا مزہ چھکنا ہے

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ خدا و رسولؐ اور جزا و سزا کے منکر بھی اس کے انکار کی جرات نہیں کر سکتے۔

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف کہے گا
جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

اس میں یہود و ہنود وغیرہ باطل پرستوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور اہل ایمان کو تسلی دی جا رہی ہے کہ نہ ان کا جاہ و جلال ہمیشہ رہے گا اور نہ ان کا رنج و ملال ہمیشہ رہے گا۔ نہ ان کی عیش و عشرت ہمیشہ رہے گی اور نہ ان کی تنگدستی و عسرت ہمیشہ رہے گی بے شک "الدنیا سجن للمومنین وجنة للكافر"

مگر تا کجے؟ ع

"چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے"

دنیا متاع غرور ہے چند روزہ بہار ہے پھر ع

عوض یک دو نفس قبر کی شبہائے دراز

یہ عبوری دور ہے اور وہ دن بالکل قریب ہے جب کفار کو ان کے کئے کی سخت سزا دی جائیگی اور تمہیں مکمل اجر عظیم و ثواب عظیم عطا فرمایا جائے گا اصل زندگی وہی ہے "انما الاخرة هی دار الحیوان" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو شخص جہنم سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامران و کامیاب ہو گیا۔ وَ ذٰلِكَ هو الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ ...الآیۃ

تمہیں مال و جان کی آزمائش کی کوٹھالی سے گذرنا پڑے گا مالی و جانی جہاد کرنا پڑے گا یعنی زکوٰۃ وغیرہ مالی حقوق ادا کر کے مالی جہاد کرنا پڑے گا اور بوقت ضرورت جان کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ چونکہ تم اہل حق ہو تمہیں اہل باطل یعنی اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب سے ناملائم اور

ناخوشگوار باتیں ان کی طعن وتشنیع، ان کے الزامات، اتہامات اور بکواسات سننا پڑیں گے اور ان کے ہاتھوں تمہیں مالی وجانی آزمائشیں بھی پیش آئیں گی جن سے یقیناً تمہارے جذبات اس طرح مشتعل ہوں گے کہ زبان اور ہاتھ پر قابو رکھنا مشکل ہوجائے گا اور تم جوابی کارروائی کرنے پر معذور بھی ہوگے مگر یاد رکھو کہ اگر تم نے بھی جواب میں انہی کی روش اپنائی تو پھر تم میں اور ان میں فرق کیا رہ جائے گا؟

لہٰذا خالق حکیم مسلمانوں کو سمجھا رہا ہے کہ دشمن کی اس سب کارروائی کے باوجود تم صبر وضبط وتقویٰ وطہارت صداقت وحقانیت، انصاف وانسانیت اور تہذیب کا دامن نہ چھوڑنا اور انسانی اقدار اور اسلامی وقار کے خلاف کوئی کام واقدام نہ کرنا الغرض ان کی ان مہمل باتوں کی پروانہ کرنا اور اپنا کام کئے جانا بے شک یہ بڑے ہمت اور حوصلے کا کام ہے۔

آیات القرآن

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا
تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ
فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝۱۸۷ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ
اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۸۸ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۸۹ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا
خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۹۱ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ
تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۱۹۲ رَبَّنَآ اِنَّنَا
سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا

فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۝۱۹۳ رَبَّنَا
وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا
تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ۝۱۹۴

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) وہ وقت یاد کرو۔ جب خدا نے اہل کتاب سے عہد و پیمان لیا تھا کہ تم اسے ضرور لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرو گے اور اسے ہرگز نہیں چھپاؤ گے مگر انہوں نے اسے اپنے پس پشت ڈال دیا۔ اور اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کر لی۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں (۱۷۸) آپ ان لوگوں کے بارے میں خیال نہ کریں جو اپنی کارستانیوں پر اتراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف وستائش کی جائے ان کے بارے میں خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے محفوظ ہیں (نہیں بلکہ) ان کے لئے دردناک عذاب (تیار) ہے (۱۸۸) اللہ کے لئے ہی ہے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے (اور وہی ان کا مالک ہے) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۸۹) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کی ادل بدل میں صاحبانِ عقل کے لئے بڑی نشانیاں ہیں (۱۹۰) جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے (برابر) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی تخلیق و ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (اور بے ساختہ بول اٹھتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ فضول و بیکار پیدا نہیں کیا۔ تو (عبث کام کرنے سے) پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا (۱۹۱) اے ہمارے پروردگار بے شک جسے تو نے دوزخ میں داخل کر دیا اسے تو نے ذلیل و رسوا کر دیا۔ اور ظالموں کا کوئی یار و مددگار نہیں (۱۹۲) اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا جو بلند آواز سے ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیاں مٹا اور دور فرما اور نیکوکاروں کے ساتھ ہمارا خاتمہ فرما (۱۹۳) پروردگار تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عطا فرما قیامت کے دن ہم کو رسوا نہ فرما یقیناً تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا (۱۹۴)

تفسیر الآیات

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاق... الآیۃ

اللہ کے اہل کتاب اور جملہ اہل ایمان سے اظہار حق کے عہد و پیمان لینے کا تذکرہ

خداوند عالم نے یہ عہد و پیمان صرف اہل کتاب کے اہل علم سے نہیں لیا بلکہ ہر دین وملت کے علماء سے لیا ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ''ما اخذ اللہ علی اهل الجهل ان یتعلموا حتی اخذ علی اهل العلم ان یعلموا'' خداوند عالم نے جاہلوں سے اس وقت تک علم حاصل کرنے کا عہد نہیں لیا جب تک پہلے علما سے پڑھانے کا عہد و پیمان نہیں لیا (مجمع البیان)

یہ علماء کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ حق وحقیقت کا اظہار کریں۔ اور کسی مصلحت کے تحت اصل حقائق کو نہ چھپائیں، آیات الٰہیہ اور صحیح احکام خداوندی بیان کریں اور ان میں کسی قسم کی تحریف یا ترمیم وتنسیخ نہ کریں مگر جس طرح اہل کتاب کے علماء نے اس عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا تھا افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان علماء کرام کی روش بھی اس سلسلہ میں انہی لوگوں کی طرح ہے یہاں بھی کہیں دنیاوی مفادات کا چکر ہے، کہیں جھوٹے عز و وقار کی بحالی کا خیال ہے اور کہیں مصلحت کا جنجال ہے جو علماء کرام کو حق وحقیقت کے کھل کر اظہار کرنے کی اجازت نہیں دیتا حالانکہ حق پوشی حرام ہے۔ خصوصاً جب اس سے پوری دنیا کا نقصان وزیاں ہو، اور اگر کبھی کبھار حق کا اظہار کرتے بھی ہیں تو الفاظ وعبارات کے گورکھ دھندے میں اس طرح لپیٹ کر کہ سامع پر حقیقت حال واضح نہیں ہوتی بلکہ یہی پتہ چلتا ہے کہ جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی ہے۔ کہ حضرت بڑے متقی ہیں، دیندار اور پارسا ہیں، خادم دین ہیں، حامی شرع متین ہیں، مصلح ومزکی ہیں حالانکہ حضرت کچھ بھی نہیں ہیں، یا اپنے حق میں یہ ڈھنڈورا پٹوانا چاہتے ہیں کہ فلاں صاحب بڑے ایثار پیشہ اور مخلص اور دیانت دار راہنما ہیں اور انہوں نے ملت کی بڑی خدمت کی ہے حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے'' (تفھیم القرآن) وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰت... الآیۃ

ان آیات کے پہلے جزء کا تذکرہ اور اس کی تفسیر پوری تفصیل کے ساتھ (سورہ بقرہ میں) گذر چکی

ہے۔ یہاں اتنا اضافہ کیا جاتا ہے کہ جو صاحبان عقل وخرد ہیں وہ آیات الٰہیہ میں غور وفکر کرتے ہیں، اور اس سے اپنی معرفت میں اضافہ واز دیاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے یعنی ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں آیت مبارکہ ''من کان فی ھذہ اعمی فھو افی الاخرۃ اعمی'' کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا: جس شخص کو آسمان وزمین کی خلقت، شب وروز کا اختلاف اور گردش فلک اور شمس وقمر کی رفتار وغیرہ یہ نہ بتاسکیں کہ ان کے پیچھے ایک بڑی قوت کارفرما ہے تو وہ شخص آخرت میں اندھا اور راہ گم کردہ محشور ہوگا''

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا! تمام عبادتوں سے بہتر عبادت اللہ اور اس کی قدرت میں تفکر کرنا ہے۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا ''اللہ کے نزدیک اس شخص کی قدر ومنزلت زیادہ ہے جو کھائے کم اور فکر زیادہ کرے اور مبغوض ترین انسان وہ ہے جو زیادہ کھا کر سونے میں وقت گذاردے''

اور فرمایا ''خلق خدا میں تفکر کیا کرو اور خود ذات حق میں فکر نہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے بس سے باہر ہے'' (انوار النجف)

عقل اور بے عقلی کا حقیقی پیمانہ اس سے بالکل مختلف ہے جو انسانوں نے بنا رکھا ہے۔ دراصل عقل والا وہ ہے جو اللہ کی یاد میں جیئے اور جو کائنات کے تخلیقی منصوبہ میں کام کرنے والی خدائی معنویت کو پالے۔ اس کے برعکس بے عقل وہ ہے جو اپنے دل ودماغ کو دوسری چیزوں میں اٹکائے اور خود دنیا میں اس طرح زندگی گذارے جیسے اس کو مالک کائنات کے تخلیقی منصوبہ کی خبر ہی نہیں ہے ایسے ہی بے بصیرت مورکھوں کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے ''وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ'' (سورہ یوسف آیت۔ ۱۰۵) آسمان وزمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ منہ موڑ کے گذر جاتے ہیں اور صانع حقیقی کی صنعت میں غور وفکر نہیں کرتے۔

اسلئے بعض روایات میں وارد ہے کہ ''تفکر ساعة افضل من عبادة سنة'' ایک گھنٹہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے (بحار الانوار)

الغرض خداوند عالم نے صاحبان عقل وخرد کے خلقت کائنات میں غور وفکر کرنے کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ وہ کہتے ہیں ''ربنا ما خلقت ہذا باطلا'' اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ فضول اور بیکار پیدا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کا کوئی عظیم مقصد ہے وہ کیا ہے؟

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ''(سورہ ذاریات آیت۔۵۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلسل غور وفکر اور پیہم عبادت وذکر کرنے سے جب اہل عقل وخرد کے دل منور ہوجاتے ہیں اور وہ روحانی مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھتے ہیں تو بارگاہ رب العزت میں چند معروضے پیش کرتے ہیں جو بالترتیب یہ ہیں

۱۔''فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ''ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا،

۲۔ہمیں آخرت کی ذلت ورسوائی یعنی آتش دوزخ میں داخل ہونے سے بچا،

۳۔ہم نے تیرے ایک منادی یعنی حضرت رسولؐ اللہ کو ندا کرتے ہوئے سنا کہ ایمان لاؤ۔اور ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو مٹا،

۴۔ہمارا خاتمہ اپنے نیکوکار بندوں کے ساتھ فرما،

۵۔اور اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے دخول جنت کا جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا فرما۔اور ہمیں بہشت عنبر سرشت عطا فرما۔

''اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ''بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

آیات القرآن

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ
اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي
الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ترجمۃ الآیات

سوان کے پروردگار نے ان کی دعا و پکار کو قبول کرلیا (اور فرمایا) میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ مرد ہو یا عورت کبھی ضائع نہیں کرتا۔ تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہی تو ہو۔ سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور میری راہ میں انہیں ایذائیں دی گئیں اور (دین کی خاطر) لڑے اور مارے گئے تو میں ان کی برائیاں مٹادوں گا اور ان کو ایسے بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ہے اللہ کے ہاں ان کی جزا۔ اور اللہ کے پاس بہترین ثواب و جزا ہے (۱۹۵) (اے رسولؐ) کافروں کا مختلف شہروں میں چلنا پھرنا (دندناتے پھرنا) تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے (۱۹۶) یہ صرف چند روز فائدہ (بہار) ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیسی بری آرام گاہ ہے (۱۹۷) مگر وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا (واجبات ادا کئے اور محرمات سے اجتناب کیا) ان کے لئے ایسی بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمان نوازی ہوگی اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ نیکوکاروں کے لئے بہت اچھا ہے (۱۹۸)۔

تفسیر الآیات

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ... الآیۃ ۱۹۵

سابقہ آیات میں اصحاب عقل و ارباب حق جن کی مخلصانہ دعاؤں کا تذکرہ تھا تو خداوند عالم اس جگہ جہاں ان دعاؤں کی قبولیت کا اعلان فرمارہا ہے وہاں یہ بھی واضح کررہا ہے کہ تمہارے لئے آخرت کا بہتر سے بہتر صلہ و ثواب موجود ہے مگر یہ صرف دعاؤں سے نہیں ملے گا بلکہ عمل و کردار سے ملے گا۔

''اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ'' اور میں کسی مرد و عورت کا عمل ضائع و اکارت نہیں کرتا۔ کیونکہ مرد و عورت کوئی الگ جنس تھوڑی ہیں؟ یہ تو ایک دوسرے کا جزو ہیں

اس آیت کی شان نزول

مروی ہے کہ جناب ام سلمہؓ نے حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ ''ما بال الرجال یذکرون فی الھجرۃ والجھاد دون النساء'' خدائے تعالیٰ ہجرت اور جہاد کے سلسلہ میں مردوں کا ذکر تو کرتا ہے مگر عورتوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان)۔

اجر عمل کے مطابق ہے

لہٰذا مرد ہو یا عورت جو جتنا عمل کرے گا اس کو اتنا ہی صلہ دیا جائے گا اور اس کا صلہ وثواب کبھی برباد نہیں ہوگا۔ بعد ازاں خصوصیت سے خداوند عالم نے ان لوگوں کا ذکر خیر کیا ہے جنہوں نے ہجرت کی جو اپنے گھروں سے بے گھر کئے گئے۔ اور جنہیں راہ خدا میں اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور جہاد کئے اور مارے گئے۔ فرماتا ہے میں ان کے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور انہیں جنت الفردوس میں ضرور داخل کروں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خلوص نیت کے ساتھ ہجرت کی جائے اور جہاد فی سبیل اللہ کیا جائے تو اس سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔

ہاں! البتہ حقوق العباد کا معاملہ قدرے سخت ہے۔ وہ تو تب ہی معاف ہوتے ہیں کہ جب وہ صاحبان حقوق کو ادا کئے جائیں یا ان سے معاف کرائے جائیں۔ مگر یہ کہ خود خدائے عزوجل اپنے خصوصی فضل وکرم سے اپنی بارگاہ سے معاوضہ ادا کر کے صاحبان حق کو راضی کر کے معاف کرادے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

لَا يَغُرَّنَّكَ...الآية

دنیا کی زندگی میں جو نتائج رونما ہوتے ہیں اگر کوئی شخص ان کو آخری نتائج اور انہی کو حق وباطل کا معیار قرار دے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش کا ہونا اس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے جس طرح کسی کا یہاں مصائب وآلام میں گرفتار ہونا اس کے باطل ہونے کی علامت نہیں ہے اصل اعتبار ان نتائج کا ہے جو حیات بعد الممات میں پیش آنے والے ہیں جو اکثر وبیشتر دنیوی نتائج کے برعکس ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی کے دنیوی غلبہ واقتدار کو اس کی حقانیت کی دلیل سمجھنے والوں کے لئے اس آیت شریفہ میں لمحۂ فکریہ موجود ہے کہ غور کریں کہ یہ چیز تو کافروں کو بھی بعض اوقات حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اگر کسی بدعقیدہ وبدعمل مسلمان کہلانے والے کو حاصل ہو جائے تو اس سے یہ نتیجہ تو اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ محبوب خدا اور اس کا پسندیدہ بندہ ہے کیونکہ ع

چاردن کی چاندنی ہے
اور پھر اندھیری رات ہے

جہنم ہے اوراس کا عذاب ہے ''وبئس المهاد'' خلاصہ کلام یہ کہ خدائے حکیم نے کارخانہ دنیا کا نظام اس طریقہ پر چلایا ہے کہ یہاں نیک وبد اور حق وباطل سب کو مہلت ملتی ہے مگر کامیابی حق اور اہل حق کے حصہ میں آتی ہے۔

آیات القرآن

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝١٩٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٢٠٠

ترجمۃ الآیات

اور یقیناً اہل کتاب میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی ان باتوں پر جو تمہاری طرف اور جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کے سامنے (نیاز مندی سے) جھکے ہوئے ہیں اور آیات الٰہیہ کو تھوڑی قیمت پر فروخت بھی نہیں کرتے یہ وہ ہیں جن کا اجر اپنے پروردگار کے پاس ہے بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۱۹۹) اے ایمان والو! صبر وتحمل سے کام لو اور (کفار کے) مقابلہ میں پامردی دکھاؤ۔ اور (خدمت دین کے لیے) کمر بستہ رہو۔ تاکہ تم فوز وفلاح پاؤ (اور دنیا وآخرت میں کامیاب ہوجاؤ) (۲۰۰)

تفسیر الآیات

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ...الآیة۱۹۹

قبل ازیں آیت نمبر ۱۲۷ میں اہل کتاب اوران کے علماء کی مذمت کی گئی ہے۔جس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید سب اہل کتاب ایسے ہی ہیں یہاں قرآن کریم نے اس وہم کا ازالہ کر دیا ہے کہ سب ایسے نہیں ہیں بلکہ بعض بڑے اچھے ہیں نیک نہاد ہیں۔ پاک بنیاد ہیں۔اس لئے وہ نیکوکار مسلمان ہوگئے ہیں۔

''ذلك فضل الله یو تیه من یشاء''

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ...الآیة۲۰۰

یہ اس سورہ مبارکہ کی آخری آیت ہے اوراس میں اہل ایمان کو چار چیزوں کی وصیت کی جارہی ہے جن میں ان کی دنیوی واخروی فوز وفلاح کا راز مضمر ہے:

۱۔صبر ۲۔مصابرہ ۳۔رباط ۴۔اورتقوی

(۱)۔صبر کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے''کف النفس عمالا ینبغی'' یعنی ناشائستہ قول وفعل سے نفس کوروکنااوراس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔صبر علی الطاعة۔یعنی اطاعت الٰہی کی بجا آوری پر صبر کرنا۔

۲۔صبر عن المعصیه۔یعنی گناہ سے بچنے پر صبر کرنا۔

۳۔صبر علی المصیبه۔یعنی مصیبت پر صبر کرنا

(۲)۔مصابرہ جوصبر سے مشتق ہے۔اس کا مطلب ہے دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدمی اوراس سے بڑھ کر پامردی دکھانا۔

(۳)۔رباط اور مرابطہ کا مطلب گھوڑا باندھنا اور جنگ کی تیاری کرنا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ''ومن رباط الخیل'' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے اسلامی سرحدوں کی جنگی گھوڑوں اور جنگی سازوسامان کے ساتھ مسلح ہوکر حفاظت کرنا اور دشمن کی یلغار سے انہیں بچانا۔جس کی اسلام میں ایک خاص اہمیت ہے۔اور یہ جہاد فی سبیل اللہ کا ایک مخصوص شعبہ ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اب گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں اور ہوائی جہاز نے لی ہے۔لہٰذا حالات کے بدل جانے سے اس لفظ کا مفہوم بھی بدل جائے گا اور رباط کے ایک معنی نماز باجماعت کی ایسی پابندی کرنے کے بھی ہیں کہ آدمی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہے۔ سید

العلماءاعلی اللہ مقامہ نے رباط وغیرہ کا سابقہ مفہوم بیان کرنے کے بعد ایک افادہ فرمایا ہے جس کا یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اور جہاں فریضہ خاموشی کا ہو تو باوجود انتہائی ناگواریوں کے اپنے کو اس موقف پر برقرار رکھنا بھی مرابطہ ہے اس طرح بعد از رسول جو حالات پیدا ہوئے ان میں بے پناہ اکثریت کے خلاف ائمہ علیہم السلام حق کی معرفت اور اس کے اعتقاد پر باقی رہنا بہت بڑا مرابطہ قرار پاتا ہے۔اس کے بعد ان متعدد احادیث کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے جو ملا محسن فیض نے اس آیت کی تفسیر میں درج کئے ہیں

''فی القمی عنہ'' (الصادقؑ) اصبروا علی المصائب وصابروا علی الفرائض ورابطوا علی الائمہ۔علی ابن ابراہیم قمی کی روایت ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ (اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ) صبر کرو مصیبتوں پر اور فرائض کی انجام دہی میں بڑھ چڑھ کر ثابت قدم رہو اور آئمہ علیہم السلام کی موالات پر مرابطہ کرو۔

''فی المعانی عن الصادق اصبروا علی المصائب وصابروهم علی الفتنة ورابطوا علی من تقتدون'' معانی الاخبار کی روایت ہے۔امام جعفر صادقؑ سے کہ صبر کرو مصیبتوں پر، اور فتنہ کی صورت میں دوسروں سے ثابت قدمی سے مقابلہ کرو اور ان ہستیوں پر جن کی پیروی لازمی سمجھتے ہو مرابط کرو۔

فی روایة "اصبروا علی دینکم وصابروا عدوکم ممن یخالفکم ورابطوا امامکم ''ایک روایت ہے کہ اپنے دین کے تقاضوں پر صبر کے ساتھ قائم رہو۔اور تمہارے خلاف جو جماعت ہے ان میں سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں برداشت سے کام لو اور اپنے امام پر مرابطہ کرو۔

'فی الجمع عن امیرالمومنین رابطوا الصلوة قال انتظروها واحدة بعد واحدة'' یہ روایت جناب امیرؑ سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لئے مرابطہ کرو۔(مجمع البیان)

یعنی ایک کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرو۔''عن النبی من الرباط انتظار الصلوة بعد الصلوة'' پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا کہ من جملہ رباط ایک نماز کے بعد پھر دوسری نماز کا انتظار کرنا ہے۔(فصل الخطاب جلد ۲)

(۴)۔تقویٰ کی لغوی اور شرعی تفسیر و تحقیق کئی بار گذر چکی ہے کہ واجبات شرعیہ کی ادائیگی اور محرمات الٰہیہ سے پرہیز کرنے کا نام تقویٰ ہے حضرت جعفر صادقؑ نے تقویٰ کی بہترین تعریف کی ہے کہ خدا نے تمہیں جس چیز کا حکم دیا ہے اس سے تمہیں غائب نہ پائے اور جس چیز سے تمہیں روکا ہے وہاں تمہیں حاضر نہ پائے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدائے علیم وحکیم کے مقرر کردہ تمام حدودو قیود کی اخلاص نیت اور خوف وخشیت الٰہی کے ساتھ پابندی اور نگرانی کرنے کا نام تقویٰ ہے اور یہی چیز پورے دین کا خلاصہ اور تمام اسلامی عبادات کا مقصد ومقصود ہے بس یہ کام کرو تا کہ دنیا وآخرت میں فوز وفلاح پاؤ۔معلوم ہوا کہ دنیا وآخرت کی کامیابی کے حصول کے لئے زندگی کے آخری لمحات حیات تک ایمان اور نیک کام پر دوام وقیام اوران دونوں پر برقرار رہنا واجب وحتمی ہے۔لعلکم تفلحون۔(تا کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ)۔

''بہر نوع دعوت حق کے پیروکاروں کو یہ دستور العمل دیا جارہا ہے کہ صبر کریں، راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو کامیابی انہی کے لئے ہے''(ترجمان القرآن)

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ

(مدینہ میں نازل ہوئی)

اس کی ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

سورۃ النساء کا تعارف اور اس کے خاص خاص مضامین کا خلاصہ

اس سورہ پاک کا نام النساء ہے باتفاق علماء مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس کی آیتوں کی تعداد ۱۷۶ ہے الفاظ تین ہزار پینتیس اور حروف ۱۶۰۰۳ ہیں اور ۲۴ رکوع ہیں (ضیاء القرآن)

چونکہ اس سورہ میں زیادہ تر طبقہء خواتین کے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں اس لئے اس کا نام سورۃ النساء معین ہوا ہے اور یہ بات اس طبقہ کی اہمیت کا ثبوت ہے کیونکہ یہ صنف اور اس کے حقوق زیادہ تر غفلت کا شکار رہے ہیں اور اسلام نے انہیں ان کا صحیح مقام دلوایا ہے۔

۱۔اس سورہ میں زیادہ تر توجہ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے اور زن وشوہر کے تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے پر دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ گھر ہی پہلی دانش گاہ ہے جس سے ملک وقوم کے مستقبل کے معمار پرورش حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ جنگ احد ۳ھ میں لڑی گئی تھی جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے جن کی وجہ سے پہلی بار یتیم بچوں کی پرورش اور شہداء کی میراث کے تقسیم کے مسائل پیدا ہوئے۔ جنکے بارے میں اس سورہ میں جامع ہدایات دی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ۳ھ سے ۵ھ کے اوائل میں نازل ہوئی

۳۔اس میں نماز خوف کا طریقہ بھی مذکور ہے جس کا ذکر غزوہ ذات الرقاع میں ملتا ہے جو ۴ھ میں ہوا

۴۔اس میں پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے بدل تیمم کرنے کا تذکرہ بھی ہے اور یہ اجازت غزوہ بنی المصطلق میں دی گئی جو ۵ھ میں ہوا۔

۵۔اس سورہ میں مسلمانوں کو حفاظت خود اختیاری کی خاطر جان تک کی بازی لگانے کا حکم دیا گیا ہے اور منافقوں کے تین مختلف گروہوں کے ساتھ ان کی حالت کے مطابق روشن ورفتار اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۶۔اس سورہ میں اسلام کے نظام میراث کے تذکرہ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عورت کو بھی ماں، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ہے۔

۷۔اس میں پیغمبر اسلامؐ کی غیر مشروط اطاعت مطلقہ کا بڑے زوردار اور پرشکوہ الفاظ کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔

۸۔تعدد ازواج کا قانون۔

۹۔زناکار مرد و عورت کی سزا کا بیان

۱۰۔حرام عورتوں کا بیان

۱۱۔اسلام میں متعہ کا حکم

۱۲۔عورت اور مرد کی فضیلت اور اس کی ذمہ داری

۱۴۔غسل اور وضو کا حکم

۱۵۔اولی الامر کی اطاعت مطلقہ کا تذکرہ اور ان کی تشخیص

۱۶۔سلام کے جواب کا قانون

۱۷۔ہجرت کرنے کا حکم

۱۸۔نماز قصر کا تذکرہ

۱۹۔جناب عیسیٰؑ کا قصہ

۲۰۔انسانی معاملات اور خدائی دستور عمل کا تعین وغیرہ وغیرہ امور بیان کئے گئے ہیں۔

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ①

ترجمۃ الآیات

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (اے انسانو!) اپنے اس پروردگار سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک متنفس سے پیدا کیا اور اس کا جوڑا بھی اسی سے (اس کی جنس سے) پیدا کیا اور پھر انہی دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ...الآیۃ۱

اس سورہ مبارکہ کی اس آیت میں بنی نوع انسان کو تقویٰ الٰہی اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے جس کی عظمت اور مفہوم کی کئی بار اور ابھی سورہ آل عمران کے خاتمہ پر بھی بقدر ضرورت وضاحت کی جا چکی ہے۔

فلا نطیل الکلام بالتکرار۔

اس طرح سابقہ سورہ کا اختتام اور اس سورہ کا آغاز تقویٰ الٰہی اختیار کرنے سے ہوا ہے

خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا...الآیۃ

خالق اکبر نے تمام انسانی نوع کو نفس واحدہ سے پیدا کیا ہے۔ بالاتفاق اس نفس سے ابوالبشر جناب آدمؑ مراد ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں البتہ جو کچھ اختلاف ہے یا جو امر محل بحث ہے وہ یہ ہے کہ ان کی زوجہ جناب حوا کس طرح پیدا ہوئیں؟ برادران اسلامی میں اسی ''منہا'' کی وجہ سے مشہور یہ ہے کہ وہ جناب آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔ تو کیا پھر باپ بیٹی سے شادی ہوئی؟ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت۔ ۴۳)

ابومسلم اصفہانی نے ''منہا'' سے ''من جنسھا'' مراد لی ہے کہ آدمؑ کی جنس سے حوا کو پیدا کیا (تفسیر کبیر)

اس کی تائید اس ارشاد قدرت سے بھی ہوتی ہے ''جعل لکم من انفسکم ازواجا'' (سورہ نحل آیت۔ ۷۲)

احادیث اہل بیت کے مطابق ''منہا'' میں جو ''من'' ہے یہ اجلیہ ہے یعنی خدا نے جناب آدمؑ کی

خاطر زوجہ پیدا کی (حیات القلوب ج ۱)

بنا بریں یہ من تبعیضیہ نہیں ہے اور اگر اسے تبعیضیہ قرار دیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جناب حوا کو بھی اسی چیز سے پیدا کیا گیا جس سے جناب آدمؑ کو پیدا کیا گیا تھا اور وہ ''مٹی'' ہے'' خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون''

نتیجہ یہ نکلا کہ کُلُّکُمْ من آدم وآدم من تراب۔ بنا بریں جناب حواؑ، جناب آدمؑ کی پسلی سے نہیں پیدا ہوئیں بلکہ ان کی پسلی سے بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئیں جیسا کہ بعض اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے (مجمع البیان، صافی، وغیرہ)

ارشادِ قدرت ہے'' وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ''
(روم آیت۔ ۲۰)

نسل آدم کس طرح چلی اور بڑھی؟

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا .... الاية

پھر ان دونوں سے بہت سے مرد و زن پیدا فرمائے اور پھیلائے۔ اس تخلیق اور پھیلانے کی جو کیفیت برادران اسلامی میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ جناب آدمؑ وحوا کے ہاں صبح وشام جوڑا جوڑا اولاد پیدا ہوتی تھی پھر صبح والے جوڑے کی شام والے جوڑے سے شادی کر دی جاتی تھی اس طرح بہن بھائی کے عقد وازدواج سے نسل آدم آگے بڑھی (العیاذ باللہ) مگر جب حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے بڑی شد ومد کے ساتھ اس خیال کا ابطال فرمایا اور فرمایا کہ اس طرح تو مجوسیوں کے لئے محارم سے عقد وازدواج کرنے کا جواز پیدا ہو جائے گا؟ نیز فرمایا جس نسل آدم سے انبیاء ومرسلین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام پیدا ہونے تھے کیا خدا اس نسل کو بطریق حلال بڑھانے پر قادر نہ تھا؟

عرض کیا گیا کہ یقیناً خدا اس پر قادر تھا اور ہے مگر اس نے کیا طریقہ کار اختیار فرمایا؟

فرمایا: ایک بھائی کے لئے جنت سے حور یہ منگوائی جس کا نام ''نازله'' تھا اور دوسرے کے لئے قوم جن سے ایک ''جنیه'' طلب فرمائی جس کا نام ''منزله'' تھا ان سے ان کا عقد وازدواج فرمایا اور جب ان سے چچازاد بہن بھائی پیدا ہوئے تو پھر اس سلسلہ کو آگے بڑھایا (احتجاج طبرسی، بحار الانوار، نور الثقلین)

وہ قادر مطلق جس طرح شکل وصورت بدلنے پر قادر ہے اسی طرح ان کے آثار وخواص تبدیل کرنے

پر بھی قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ کما لا یخفی۔

بہر حال چونکہ اس سورہ مبارکہ میں انسانوں کے باہمی حقوق کا تذکرہ کیا جانے والا ہے اور خاندانی نظام کی بہتری کے لئے بعض بنیادی قوانین بھی بیان کئے جانے والے ہیں اس لئے بطور تمہید یہ بیان کیا جارہا ہے کہ سب مخلوق کا خالق بھی ایک ہے اور سب انسانوں کا باپ بھی ایک، اور ماں بھی ایک (انا خلقنکم من ذکر وانثی)

لہٰذا جب خالق و مالک ایک ہے تو اس کی حکم عدولی سے اجتناب کرنا چاہیے اور جب ماں باپ ایک ہیں تو سب کو بھائیوں کی طرح پیار و محبت کے ساتھ رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ کرنا لازم ہے اور ان مصنوعی امتیازات سے دامن کو بچانا چاہیے جن سے انسانی وحدت، مساوات اور ایثار و مواسات مجروح ہوتی ہے۔

آیات القرآن

اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ
وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۞۱ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ
وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى
اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ۞۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی
الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى
اَلَّا تَعُوْلُوْا ۞۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ
شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۞۴

ترجمۃ الآیات

اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ قرابت کے بارے میں بھی ڈرو۔ بے شک اللہ تم پر حاضر و ناظر ہے (۱) اور یتیموں کے مال ان کے سپرد کرو۔ اور پاک مال کے بدلے ناپاک مال حاصل نہ کرو۔ اور ان کے مالوں کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے (۲) اور اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار سے اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (ان کے ساتھ) عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (بیوی) کرو۔ یا جو تمہاری ملکیت میں ہوں (ان پر اکتفا کرو) یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ بے انصافی نہ کرو۔ (ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ) (۳) اور عورتوں کے حق مہر خوشدلی سے ادا کرو اور اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے تمہیں بخش دیں تو تم اسے شوق سے کھا سکتے ہو۔ (۴)

تفسیر الآیات

وَالْاَرْحَامَ...الآیۃ

صلہ رحمی کا تاکیدی حکم اور قطع رحمی کی ممانعت

اس ''ارحام'' کا عطف لفظ ''اللہ'' پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں سے ڈرو۔ ایک اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ دوسرا رشتوں سے ڈرو۔ قطع رحمی سے ڈرو۔ یعنی ان دونوں کا پاس ولحاظ کرو۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا ''واتقو الارحام ان تقطعوھا'' یعنی قطع رحمی کرنے سے بچو (مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ صلہ رحمی کی جلالت قدر کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ خدا نے اس کا تذکرہ اپنے نام اور تقویٰ کے ساتھ ملا کر کیا ہے (تفسیر صافی)

اسلام نے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے کی جس قدر تاکید کی ہے اور قطع رحمی کرنے سے جس قدر

شدت کے ساتھ منع کیا ہے دوسرے ادیان عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امت مسلمہ کا صلہ رحمی کے وجوب اور قطع رحمی کی حرمت پر اتفاق ہے مخفی نہ رہے کہ رحم کا اطلاق بہت وسیع ہے اس میں دور ونزدیک کے سب اعزا واقرباء داخل ہیں۔ حدیث میں وارد ہے۔ **الرحم معلقة بالعرش تقول الا من وصلني وصله الله ومن قطعني قطعه الله** ''یعنی رحم عرش خداوندی سے معلق ہے اور دعا کرتا ہے جو مجھے جوڑے اسے خدا جوڑے اور جو مجھے کاٹے اسے خدا کاٹے۔ (المحجۃ البیضاء)

صلہ رحمی کرنے سے عمر بڑھتی، رزق میں برکت ہوتی ہے جانکنی میں آسانی ہوتی ہے اور شدائد برزخ وقیامت سے نجات ملتی ہے اور قطع رحمی کرنے سے اس کے برعکس اثر ہوتا ہے (الاثناعشریہ وفی المواعظ العددیہ)

حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے فرمایا کہ خدا نے تین چیزوں کو تین چیزوں کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے

۱۔ اپنے تقویٰ کو صلہ رحمی کے ساتھ

۲۔ اپنی عبادت کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ساتھ

۳۔ نماز کو زکوۃ کے ساتھ

لہٰذا جو شخص تقویٰ الٰہی تو اختیار کرے مگر صلہ رحمی نہ کرے، خدا کی عبادت تو کرے مگر والدین سے بھلائی نہ کرے، اور نماز تو پڑھے مگر زکوۃ ادا نہ کرے تو اس فرمان الٰہی کے مطابق یہ اعمال قبول نہیں ہوتے (عیون الاخبار) اسی بنا پر بعض احادیث نبویؐ میں وارد ہے کہ ''**لا يدخل الجنة قاطع رحم**'' قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (جامع السعادات)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى...الآية

یتیموں کا مال کھانے کی ممانعت: یتامیٰ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم اس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے جو سایہ پدری سے محروم ہو جائے اور یہ سلسلہ بلوغت تک برقرار رہتا ہے ''**لا يتم بعد احتلام**'' بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ یہاں اگر بالغوں کو یتیم کہا گیا ہے تو یہ ان کی سابقہ حالت کی بنا پر ہے اور مجازاً ہے۔ کیونکہ یتیموں کا مال واپس لوٹانے کا حکم نکاح کی عمر کو پہنچنے اور ان میں اہلیت وسمجھداری محسوس کرنے کے بعد ہے جیسا کہ اس سورۃ کی آیت نمبر ۶ میں صراحت موجود ہے نزول قرآن سے پہلے لوگ یتیموں پر مختلف قسم کے ظلم وجور کرتے تھے مثلاً۔

۱۔ بڑے رشتہ دار یتیموں کے مال پر قبضہ کر لیتے اور ہڑپ کر جاتے تھے۔

۲۔ان کا اعلیٰ قسم کا مال لے لیتے اور گنتی پوری کرنے کیلئے اپنا ردی مال ان کو دے دیتے تھے۔

۳۔ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کرکے اور حفاظت کا بہانہ بنا کر ہضم کرجاتے تھے۔خداوند رؤف ورحیم نے ان تمام صورتوں سے سختی کے ساتھ یتیموں کے سرپرست اہل اسلام کو منع کیا ہے اور اس کارروائی کو بڑا گناہ قرار دیا ہے فرمایا ان کا مال واپس کرو۔عمدہ مال کو ردی مال سے تبدیل نہ کرو۔اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ ''اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا''

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا ...الآية

ایک مشہور ایراد کا جواب:

اکثر وبیشتر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قرآنی ارشاد اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو۔دودو۔تین تین۔چار چار۔بھلا یتیموں سے انصاف نہ کرسکنے کے خوف کو تعدد ازواج سے کیا تعلق ہے؟اور ان کے درمیان کیا ربط ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان کے درمیان ربط وتعلق کو سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہاں ان ''یتامیٰ'' سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں اور پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ نزول قرآن کے وقت یتیم بچیوں کے ساتھ ان کے سرپرستوں کا سلوک کیا تھا؟ تاریخ ہماری یہ راہنمائی کرتی ہے کہ باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد یتیم بچیوں کے سرپرست ان کے حسن وجمال یا ان کے مال منال کی وجہ سے خود ان سے نکاح کرلیتے تھے، یا اپنے بچوں سے ان کا نکاح کردیتے تھے۔اور چونکہ یتیم ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق کا کوئی نگران نہیں ہوتا تھا، اس لئے نکاح کے وقت نہ ان کے شایان شان حق مہر مقرر کیا جاتا تھا اور نہ ہی، عقد وازدواج کے بعد کما حقہ ان کے حقوق ادا کرنے کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا۔بلکہ ان کے ساتھ زیادتی روا رکھی جاتی تھی اس لئے خدائے رحیم وکریم نے حکم دیا کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ ان یتیم بچیوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکو گے تو پھر ان سے نکاح نہ کرو بلکہ ان کے علاوہ تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے چار تک نکاح کرسکتے ہو۔

اس طرح قرآن نے واضح کردیا کہ یتیم بچے بچی کے مال پر ہر حیلہ وبہانہ سے قبضہ کرنا اور ان کے حقوق پائمال کرنا ناجائز اور حرام ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے اولیاء پر ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا لازم ہے۔

تعدد ازواج کا جواز مشروط ہے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے مخصوص حکم ومصالح اور مختلف علل واسباب کے تحت (جن کا ایک شمہ ذیل میں بیان کیا جائیگا) بیک وقت ایک سے زائد بیویوں سے چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے مگر اس کو عدل وانصاف کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے وضاحت کردی ہے کہ ''ان لم تعدلوا فواحدۃ'' کہ اگر عدل وانصاف نہ کرسکو تو پھر ایک بیوی پر اکتفا کرو۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض نیم مذہبی اور کم تعلیم یافتہ طبقوں نے بالخصوص بعض سرمایا داروں اور ہوس پرست امیروں نے اس شرط کو نظرانداز کرکے تعدد ازواج کو محبوب مشغلہ بنالیا ہے اور اگر حقیقت پسندی سے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ہوتا یہ ہے کہ ایک آدھ کو حریم دل میں جگہ دے کر ''دنیا ومافیھا'' کی خوشیاں اور نعمتیں اس کی گود میں ڈال دی جاتی ہیں اور دوسری بیویوں کے حقوق پائمال کرکے ان کو صرف اپنی بدقسمتی پر رونے دھونے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے نہ ان کو طلاق دے کر فارغ کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے اور انکی اولاد کے حقوق ادا کئے جاتے ہیں اور ایسی اولادیں شفقت پدری سے محروم ہوجاتی ہیں کاش کہ مسلمان اپنی اس روش ورفتار سے اسلام کو بدنام نہ کریں یہی وجہ ہے کہ بلاوجہ اور بلا عدل تعدد ازواج نے عام عورتوں کو اسلام سے اس قدر بدگمان کردیا ہے کہ اگر کہیں نفاذ اسلام کی آواز بلند ہو تو وہ اس سے بدکتی ہیں حالانکہ اس میں جو کچھ قصور ہے وہ مسلمان کہلانے والے مردوں کا ہے اسلام کا کوئی قصور نہیں ہے

تعدد ازواج کا جواز قرآن وسنت اور عقل سلیم وفطرت صحیحہ کی روشنی میں

مخالفین اسلام ہمیشہ تعدد ازواج کے مسئلہ کی وجہ سے بڑی لے دے کرتے رہتے ہیں اور بعض مسلمان راہنما جو ذہنی طور پر مغرب سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہیں معذرت خواہانہ لب ولہجہ میں اس کی تاویلیں کیا کرتے ہیں حالانکہ اگر بے لاگ نگاہ سے آئین فطرت اور قانون قدرت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حکم (جواز) بڑا حکیمانہ نظر آتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے درج ذیل حقائق کا مدنظر رکھنا ضروری ہے

۱۔ یہ کوئی لازمی حکم نہیں، جس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہو بلکہ یہ صرف ایک رخصت ہے

۲۔ یہ رخصت بھی بے قید وبند نہیں ہے بلکہ سخت شرائط کے ساتھ مشروط ہے

۳۔ طب قدیم وجدید اس امر پر متفق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے مختلف ہے

۴۔ مرد میں جنسی رغبت عورت سے زیادہ ہے جس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو

مختلف نازک مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔استقرار حمل،وضع حمل،رضاعت اور بچے کی پرورش وہ ان مراحل میں یوں مشغول رہتی ہے کہ اس میں کوئی جنسی خواہش رونما ہی نہیں ہوتی بخلاف اس کے مردان تمام ذمہ داریوں سے یکسر آزاد ہوتا ہے

۵۔اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مرد سے زیادہ ہے اور پھر جنگوں میں ہزاروں لاکھوں مرد جنگ کے شعلوں کی نذر ہوجاتے ہیں اس لئے عورتوں کی تعدا میں غیر معمولی اضافہ ہوجا تا ہے،جس کا علاج تعدد ازواج کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے

۶۔جس ملک وملت میں تعدا ازواج قانونا ممنوع ہے وہاں زنا کی کثرت ہے اور اس کی اجازت بھی ہے اور پھر اس کی وجہ سے جوخرابیاں جنم لیتی ہیں وہ ان گنت ہیں۔تو ان بے شمار خرابیوں سے بچنے کے لئے تعدد ازواج کیوں جائز نہیں ہے؟

۷۔کیا بیوی اور اس کی اولاد کے لئے شوہر کی دوسری بیوی قابل برداشت ہے، یا اس کی داشتہ؟ روحانی وجسمانی تمام پہلوؤں کا جائزہ لیکر بتایا جائے؟

۸۔کیا کسی شریف اور غیرت مند عورت کے لے کسی شریف کی بیوی اور گھر کی مالکہ بن کر رہنا زیادہ مناسب ہے جہاں اسے اور اس کی اولاد کو تحفظ حاصل ہو،شوہر اس کے ہر دکھ سکھ اور اس کی عزت وناموس کا ذمہ دار ہو یا کسی شخص کی ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بن کر رہنا کہ جہاں نہ کوئی اس کی اولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی اور ذمہ داری لینے کے لئے آمادہ کار ہو؟

۹۔کیا یورپ وغیرہ میں حرامی بچوں کی کثرت اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے اور تعدداز واج کی حکمت سمجھانے کے لئے کافی نہیں ہے؟

۱۰۔اسلام سے پہلے متعدد بیویاں رکھنا تقریبا تمام ادیان میں جائز تھا۔اور اس کی کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی۔اسلام نے تو اپنے دوسرے مسائل کی طرح یہاں بھی حد اعتدال کی راہ اختیار کی ہے اور ضرورت کے وقت زیادہ سے زیادہ صرف چار بیویوں کی اجازت دی ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ بیویوں میں ظاہری عدل قائم کیا جائے (اگر چہ قلبی رجحان ومیلان میں توازن قائم رکھنا ممکن نہیں ہے) (ضیاء القرآن وغیرہ)

''ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا'' یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم بے انصافی نہ کرو اور بالکل اک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ۔الایۃ

حق مہر کی ادائیگی واجب ہے

اس آیت اور دوسری آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ مرد پر حق مہر کی ادائیگی واجب ہے ہاں البتہ عورت اپنی خوشی سے اور برضا ورغبت خویش سارا یا اس میں سے کچھ معاف کر دے تو پھر مرد کے لئے شوق سے اس کا کھانا جائز ہے ورنہ بہر حال واجب الاداء ہے گا۔

آیات القرآن

وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَـكُمۡ قِيٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ
فِيۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝۵ وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى حَتّٰٓى
اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ
اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ يَّكۡبَرُوۡا ؕ وَمَنۡ كَانَ
غَنِيًّا فَلۡيَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَلۡيَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا
دَفَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ۝۶
لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ
مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ نَصِيۡبًا
مَّفۡرُوۡضًا ۝۷

ترجمۃ الآیات

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کا سامان اور اسے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے ناسمجھ لوگوں کے حوالے نہ کرو۔ ہاں! البتہ ان کو (کھانا وطعام) کھلاؤ اور (کپڑا) پہناؤ اور ان سے اچھی گفتگو کرو (۵) اور یتیموں کی جانچ پڑتال کرتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور تم ان میں اہلیت وسمجھداری بھی پاؤ تو پھر ان کے مال ان کے

حوالے کردو۔ اور فضول خرچی سے کام لے کر اور اس جلد بازی میں کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں ان کا مال مت کھاؤ۔ اور جو سر پرست مال دار ہو تو اسے بہر حال ان کے مال سے پرہیز کرنا چاہیے اور جو نادار ہو اسے معروف (مناسب) طریقہ سے کھانا چاہیے۔ پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرو۔ تو ان لوگوں کو گواہ بنالو اور یوں تو حساب کے لئے اللہ ہی کافی ہے (۶) مردوں کے لئے اس ترکہ سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس ترکہ سے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں خواہ وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ (خدا کی طرف سے) لازمی مقرر ہے (۷)

تفسیر الآیات

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ...الآية

اپنا مال ناسمجھ لوگوں کے حوالے کرنے کی ممانعت

سفہا سفیہ کی جمع ہے جس سے وہ خفیف العقل آدمی مراد ہے جسے اپنے نفع و نقصان کا کوئی احساس نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو اپنا مال دینا یا ان کا وہ مال جو تمہاری تولیت اور تصرف میں ہے ان کو دینا حرام ہے البتہ ان کو کھلاؤ پلاؤ اور کپڑے پہناؤ۔ اور ان سے اچھے طریقہ سے برتاؤ کرو اور ان سے اچھی گفتگو کرو اور ان کی آزمائش کرتے رہو اور جب دیکھو کہ وہ نکاح کی عمر (بلوغ) کو پہنچ گئے ہیں اور رشید بھی ہیں یعنی باشعور اور سمجھ دار ہیں تو پھر بے شک ان کے مال ان کے حوالے کردو پھر اس دوران اگر سر پرست مالدار ہے تو اسے یتیموں کے مال کو استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے اور حق الخدمت نہیں لینا چاہیے اور اگر غریب و نادار ہے تو اسے معروف طریقہ پر اکتفا کرنا چاہیے اور مناسب مقدار سے زائد نہیں لینا چاہیے۔

بنابریں اموالکم سے اولیاء کے اپنے مال بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اس صورت میں سفہاء سے ان کی بے وقوف اولادیں اور بیویاں مراد ہونگی، جن کو مال سپرد کرنے سے نقصان کا خطرہ ہے۔ یعنی ایسا نہ کرو کہ اپنا مال ان کے حوالے کردو اور خود ان کے محتاج بن جاؤ۔ بلکہ تم خود منتظم بن کر ان کے نان و نفقہ اور روٹی کپڑے کا انتظام کرو جیسا کہ ابن عباس سے یہ تفسیر مروی ہے۔ اور اموالکم سے مجازاً یتیم بچوں کے مال بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جو تمہارے زیر تصرف ہیں کہ اگر وہ سفیہ و کم عقل ہوں تو ان کے مال ان کے حوالے نہ کرو تا کہ وہ اسے ضائع و برباد

نہ کردیں بلکہ ان کے مال اپنے پاس رکھو اور ان کو اس سے صرف روٹی کپڑا دیتے رہو۔

ہاں! البتہ جب بالغ اور رشید یعنی بالغ و عاقل ہو جائیں، اور تم ان میں اہلیت اور ہوشیاری و سمجھداری محسوس کرو۔ تو پھر بے شک ان کے مال ان کے سپرد کردو۔ اور اس وقت کچھ ثقہ آدمیوں کو گواہ بھی مقرر کرلو۔ تا کہ آئندہ کسی بھی قسم کی نزاع کا سدباب ہو جائے۔ اور تنازع کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ (مجمع البیان)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ...الآية

وراثت مرد اور عورت دونوں کا حصہ ہے

پہلے عرب ہوں یا عجم سب قوموں میں صنف نازک کو حق وراثت سے محروم سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ نابالغ بچوں کو بھی محروم الارث تصور کیا جاتا تھا۔ اور وراثت صرف بالغ لڑکے حاصل کرتے تھے۔ عربوں کا یہ اصول تھا کہ وراثت وہی وصول کرے گا جو نیزہ و شمشیر سے دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ صنف نازک اور چھوٹے بچے اس معیار پر پورے نہیں اترتے تھے اس لئے ان کو محروم سمجھا جاتا تھا مگر اسلام نے اسے رد کرتے ہوئے عورتوں اور بچوں کا وراثت میں باقاعدہ حصہ مقرر کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ جو کچھ والدین اور دوسرے عزیز ترکہ چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کہ اس کے باوجود آج بھی کئی مسلمان اپنی لڑکیوں کو ان کا حصہ نہیں دیتے بلکہ ہندوؤں کی طرح ان کو اس حق سے محروم رکھتے ہیں۔ ع

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

عورت بہر حال وارث ہے خواہ بیٹی ہو یا بیوی ہو یا ماں۔ جس کی تفصیل بعد ازیں آرہی ہے۔

آیات القرآن

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ
ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ
وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ
اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب تقسیم کے موقع پر رشتہ دار، یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں بھی اس (مال) میں سے کچھ دے دو اور ان سے درست اور مناسب طریقہ سے بات کرو (۸) اور ترکہ تقسیم کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس و کمزور بچے چھوڑ جاتے تو انہیں ان کی کس قدر فکر ہوتی۔ لہٰذا وہ دوسروں کے یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور بالکل درست اور سیدھی بات کریں (۹) بے شک جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے (واصل جہنم ہوں گے) (۱۰) اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ برابر ہے دو لڑکیوں کے اب اگر لڑکیاں ہی وارث ہوں اور ہوں بھی وہ دو سے اوپر تو ان کو دو تہائی ترکہ دیا جائے گا اور ایک لڑکی (وارث) ہو تو اسے آدھا ترکہ دیا جائے گا۔ اور اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہوگا (اور باقی اولاد کا) اور اگر بے اولاد ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا (باقی ۲/۳ باپ کو ملے گا) اور اگر اس (مرنے والے) کے بھائی (بہن) ہوں تو

پھر اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (باقی ۶/۵ بھائی بہن کو ملے گا) مگر یہ تقسیم اس وقت ہوگی جب میت کی وصیت پوری کردی جائے اور جو وہ کر گیا ہو اور اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے گا جو اس پر ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ یا تمہاری اولاد میں سے نفع رسانی کے لحاظ سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں یقیناً اللہ بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے۔(۱۱)

تفسیر الآیات

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى...الآیۃ

سابقہ آیات میں وراثت کے ان حصوں کا تذکرہ تھا جو بطور فرض مقرر ہیں اب وارثوں کو ایک استحابی حکم دیا جارہا ہے کہ اگر وراثت کی تقسیم کے وقت وہ رشتہ دار آموجود ہوں جن کو میراث نہیں ملتی یا جو رشتہ دار تو نہیں مگر محتاج ہیں جیسے یتیم اور مسکین تو انہیں کچھ دے دو۔ مگر اس طرح دو کہ تمہارے کسی قول یا فعل سے ان کی دل آزاری نہ ہو بلکہ مناسب طریقہ سے ان سے بات کرو۔ بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم اوائل میں وجوب کے طور پر تھا۔ جو وراثت کے مفصل احکام کے آجانے کے بعد منسوخ ہوگیا۔ مفسر قرآن ملا محسن فیض کاشانی فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب اس کا جواز واستحباب بھی ختم ہوگیا بلکہ وہ اب بھی باقی ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے (صافی) وھو فی محلہ

پوتے اور نواسے کی وراثت کا مسئلہ:

جن کے باپ یا ماں کا انتقال دادا یا نانا سے پہلے ہوجائے تو چونکہ وہ دادا یا نانا کے ترکہ سے محروم ہوجاتے ہیں تو جب اسلام دوسروں کے یتیم بچوں کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اگر وراثت کی تقسیم کے وقت آموجود ہوں تو انہیں کچھ دے دو۔ تو کیا ان یتیم پوتے، پوتیوں، اور نواسے نواسیوں کے ساتھ ان کے چچاؤں، پھوپیوں اور ماموؤں اور خالاؤں کو حسن سلوک اور مروت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے؟ ضرور کرنا چاہیے اور انہیں یہ کہہ کر چونکہ تمہارے ماں باپ پہلے انتقال کر گئے ہیں لہٰذا تمہارا اپنے دادا یا نانا کے ترکہ سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ ان یتیموں کی ہرگز دل آزاری نہیں کرنی چاہیے اور ان کو رنجیدہ اور افسردہ کر کے خدا کے قہر کو دعوت نہیں دینی چاہیے بلکہ ان کو کچھ حصہ دے کر ان کی دلجوئی اور دلداری کرنی چاہیے۔ نیز دادا اور نانا کو بھی چاہیے کہ وہ اس

صورت میں اپنے حین حیات میں اپنے یتیم پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی گذر بسر کے لئے کچھ انتظام کر جائیں اور اپنی جائداد کا کچھ حصہ ان کے نام منتقل کرا جائیں اور ان کو ان کے چچاؤں، پھوپیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ جائیں کیونکہ بعض الاقارب کالعقارب ایک مسلمہ حقیقت ہے

وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ... الآية

آیات کے سیاق وسباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی میت کا ترکہ تقسیم کرنے والوں کے انسانی ضمیر کو جھنجوڑ کر جگانے کی خاطر کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگوں کے یتیم بچوں کا خیال رکھیں اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ صورت حال تمہیں بھی پیش آسکتی ہے۔ کہ تم اپنے پیچھے کمزور و ناتواں بچے چھوڑ جاؤ۔ جن کی کفالت اور نگرانی کرنے والا کوئی نہ ہو، تو تمہیں کس قدر اندیشہ ہو؟ لہٰذا انہیں دوسروں کے یتیموں کے بارے میں بھی خدا سے ڈرنا چاہیے ان کا خیال رکھنا چاہیے اور کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے ان کی دل آزاری ہو۔ علاوہ بریں اس آیت کی دو تفسیریں اور بھی کی گئی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اوائل اسلام میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان مرنے لگتا تو کچھ لوگ آ کر اسے گھیر لیتے کہ اپنی آخرت سنوارنے کے لئے اپنا سارا مال راہ خدا میں دے جا اور مسلمانوں کے لئے وصیت کر چنانچہ مرنے والے ایسا ہی کرتے اور اس طرح ان کے شرعی وارث جن میں یتیم بچے بھی ہوتے تھے بالکل محروم ہو جاتے تھے اسلام نے اس طرز عمل کی مخالفت کی ہے اور واضح کیا ہے کہ مرنے والوں کو اپنی اولاد کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

۲۔ دوسری یہ کہ ان لوگوں کے لئے زبردست انتباہ ہے جن کے زیر تصرف یتیموں کے مال ہیں کہ وہ انہیں خورد برد نہ کریں اور اس بات سے ڈریں کہ کہیں خود ان کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش نہ آجائے اور ان کے یتیموں کا بھی یہی انجام نہ ہو۔ اس مضمون کی ایک روایت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے (مجمع البیان)

اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا! ''من ظلم يتيما سلط الله عليه من يظلمه وعلى عقبه اوعقب اعقبه اوعلى عقبه عقبه'' جو کسی یتیم پر ظلم کرے گا خدا اس پر ایسا شخص مسلط کریگا، جو اس پر یا اس کی اولاد یا اولاد کی اولاد پر ظلم کرے گا اس کے بعد والی آیت سے اس مضمون کی تائید مزید ہوتی ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ دراصل اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں اور وہ بہت جلد اس بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھیں گے۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا:

''یتیم کا مال کھانے والا اس حالت میں محشور ہوگا، کہ آگ اس کے شکم میں شعلہ زن ہوگی۔ یہاں

تک کہ اس کے منہ سے نکل پڑے گی جس سے تمام اہل محشر کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔(تفسیر صافی)

يُوْصِيْكُمُ اللهُ... الآية

اسلامی قانون وراثت:

ان آیات کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسلامی قانون وراثت اوراس کے طبقات ۳ گانہ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے جس کے بعد ان آیات کا مفہوم سمجھنے میں بڑی آسانی ہوجائیگی انشاءاللہ تعالیٰ اگرچہ وراثت کے تفصیلی احکام بیان کرنے کا اصلی محل ومقام تو فقہی کتابیں ہیں، چنانچہ ہم نے بھی اپنی کتاب ''قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفر یہ''میں اس موضوع کی جملہ تفصیلات اوراسلامی قانون وراثت اور دوسرے وراثتی مکتبہ ہائے فکر کا موازنہ بھی پیش کر دیا ہے مگر یہاں اس کا اجمالی تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ بہر حال اسلامی قانون وراثت میں ذکور واناث، صغار وکبار میں سے کسی بھی وارث کو اس کے حق سے محروم نہیں کیا گیا۔اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اور بڑوں کے ساتھ بچوں کو بھی شریک وراثت قرار دیا ہے۔

ہاں! البتہ اسلام نے دو باتوں کو ملحوظ رکھا ہے ایک یہ کہ قریب کی موجودگی میں بعید کو اور اقرب کی موجودگی میں ابعد کو محروم قرار دیا گیا ہے اور عدل وانصاف کا تقاضا بھی یہی ہے اور فطرت کا اقتضا بھی یہی ہے کہ جو سب سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں جیسے والدین، اولاد اور ان کے بعد بہن بھائی وغیرہ چونکہ مرنے والے کی زندگی میں بوقت ضرورت یہی سب سے زیادہ اس کی مدد وحمایت کرتے ہیں اور یہی سب سے بڑھ کر اس سے محبت و پیار کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حصہ کے کم یا زیادہ ہونے میں رشتہ کی دوری یا نزدیکی کو بڑا دخل ہے۔

مقدمہ اُولیٰ

وراثت کے اسباب وموجبات کا بیان

مخفی نہ رہے کہ شریعت مقدسہ میں وراثت کے اسباب وموجبات تین ہیں

۱۔نسب ۲۔سبب ۳۔ولا

(۱) نسب سے میت کے وہ قرابتدار مراد ہیں جونسبی قرابتداری کیوجہ سے وراثت حاصل کرتے ہیں اوران کے تین طبقے ہیں۔

طبقہ اولی: جس میں ماں، باپ اوراولاد پھراولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی طرف) شامل ہیں۔

طبقہ ثانیہ: میں دادی، دادا، نانی، نانا، پردادا، پردادی، پرنانا، پرنانی (تا آخراوپر کی جانب) اور بھائی بہن اوران کی اولاد پھران کی اولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی طرف داخل ہیں)

طبقہ ثالثہ: جس میں چچا، پھوپھی، خالو، خالہ، خواہ میت کے ہوں یااس کے ماں باپ کےاور پھران کی اولاداوران کی اولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی جانب)۔

یہ اس قدر وارث اسلئے ہیں کہ تا کہ اسلام کے مزاج کے مطابق دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہوجائے بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں میں تقسیم ہو۔

وراثت کا قاعدہ

اسلامی قانون وراثت یہ ہے کہ ان تین طبقات (میں سے جب تک پہلے طبقہ کا ایک فرد بھی موجود ہو تب تک) دوسرے طبقہ تک نوبت نہیں پہنچتی۔اور جب تک دوسرے طبقہ کا ایک فرد بھی موجود ہوتب تک تیسرے طبقہ تک نوبت نہیں پہنچتی پھر یہ بھی ضابطہ ہے کہ ان تین طبقوں میں سے ہر ایک طبقہ میں کئی کئی طبقے اور درجے موجود ہیں جوطبقہ زیادہ قریبی ہوتا ہے وہ دوسرے طبقہ کے لئے مانع ہوجاتا ہے۔''الا قرب یمنع الابعد''

مثلاً پہلے طبقہ میں اولاد بھی موجود ہےاوراولاد کی اولاد بھی، مگر ظاہر ہے کہ اولاد کی موجودگی میں اولاد کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔اسی طرح دوسرے طبقہ میں دادااورنانا ہیں اور پردادا بھی اور پرنانا بھی مگر واضح ہے کہ دادا اور نانا کی موجودگی میں پردادااور پرنانا کو میراث نہیں ملتی۔اسی طرح جورشتہ دار ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوگااس کی موجودگی میں صرف ایک طرف کے رشتہ دار کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۲)۔سبب سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف سببی رشتہ داری کی بنا پر وراثت حاصل کرتے ہیں اور وہ صرف زن وشوہر ہیں

(۳)۔ولاء۔سے مراد وہ تعلق ہے جو آقا کو اپنے آزاد کردہ غلام سے، ضامن جریرہ کو اپنے مضمون سے اور امام کو اپنے ماموم سے ہوتا ہے۔اور اس سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں:

۱۔وہ آقا جس نے غلام آزاد کیا ہو۔

۲۔وہ شخص جو کسی شخص کے جرائم کے تاوان ادا کرنے کا ضامن ہو۔

۳۔امام وقت۔

خلاصہ یہ کہ جب مرنے والے کے پہلے تینوں طبقات میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر اس آخری درجہ کے وارثوں کی نوبت آئے گی جن کے پھر ترتیب وار تین طبقے ہیں۔ کما تقدم

مقدمہ ثانیہ

میراث میں فرض اس مخصوص حصہ کو کہا جاتا ہے جو کسی وارث کے لئے قرآن مجید میں صراحۃ مقرر ہو۔ اور یہ فرائض کل چھ ہیں۔نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس۔جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)۔نصف (آدھا) تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے

۱۔ایک (لڑکی) جبکہ لڑکا موجود نہ ہو

۲۔ماں باپ کی طرف سے ایک سگی بہن یا صرف باپ کی طرف سے سگی بہن (جبکہ بھائی موجود نہ ہو)

۳۔شوہر (جبکہ بیوی کی اولاد نہ ہو)

(۲)۔ربع (چوتھا حصہ) دو قسم کے لوگوں کا ہے

۱۔زوجہ جبکہ شوہر کی اولاد نہ ہو

۲۔شوہر جبکہ بیوی کی اولاد ہو

۳۔ثمن (آٹھواں حصہ) یہ صرف ایک قسم کا حصہ ہے اور وہ ہے زوجہ جبکہ شوہر کی اولاد یا اولاد کی اولاد موجود ہو

(۴)۔ثلثان (دوتہائی) یہ دوقسم کے لوگوں کا حصہ ہے

۱۔دہ یا دو سے زائد بیٹیاں جبکہ کوئی بیٹا موجود نہ ہو

۲۔دو یا دو سے زائد پدری مادری یا صرف پدری سگی بہنیں موجود ہوں جبکہ بھائی موجود نہ ہو

(۵)۔ثلث (ایک تہائی) یہ دوقسم کے لوگوں کا حصہ ہے

۱۔ماں جبکہ مرنے والے کی کوئی اولاد اور کوئی بھائی بہن نہ ہو

۲۔صرف ماں کی طرف سے سگے بہن بھائی ہوں اور وہ بھی متعدد

(۶)۔سدس (چھٹا حصہ) یہ تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے

۱۔باپ کا جبکہ میت کی اولاد ذکور یا اناث موجود ہو

۲۔ماں کا جبکہ میت کے باپ کے علاوہ اس کی اولاد یا اس کے دو بھائی یا ایک بھائی اور دو یا چار پدری مادری یا صرف پدری سگی بہنیں موجود ہوں۔

۳۔صرف ماں کی طرف سے ایک سگا بھائی یا ایک بہن موجود ہو

مقدمہ ثالثہ

وراثت حاصل کرنے کے اعتبار سے وارثوں کی پانچ قسمیں ہیں

(۱)۔پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو صرف فرض کی وجہ سے وراثت حاصل کرتے ہیں (جس کی تفصیل ابھی دوسرے مقدمہ میں بیان کی گئی ہے) اور وہ زوجہ جو شوہر کی اولاد کی موجودگی میں آٹھواں اور نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی حصہ پاتی ہے۔

(۲)۔دوسری قسم جو ہمیشہ فرض کی وجہ سے وراثت پاتی ہے مگر کبھی اس کے علاوہ ردّ (اور قرابت) کی وجہ سے بھی وراثت پاتی ہے یعنی فرض حاصل کرنے کے بعد جب ترکہ باقی بچ جائے اور فرض والے رشتہ دار سے بڑھ کر میت کا اور کوئی زیادہ قریبی قرابتدار نہ ہو تو اس صورت میں باقی ترکہ اسی فرض حاصل کرنے والے کو دے دیا جاتا ہے اور اسے رد (اور بالقرابہ) کہا جاتا ہے جیسے ماں جو میت کی اولاد کی موجودگی میں چھٹا حصہ اور اولاد کی عدم موجودگی میں تیسرا حصہ بالفرض حاصل کرتی ہے اور کبھی اس کے علاوہ بالقرابہ حاصل کرتی ہے۔

(۳)۔تیسری قسم وہ ہے جو کبھی بالفرض اور کبھی بالقرابت حاصل کرتی ہے جیسے باپ جو کہ میت کی اولاد

کی موجودگی میں بالفرض چھٹا حصہ اور عدم موجودگی میں تمام ترکہ بالقرابت حاصل کرتا ہے۔ یا جیسے بیٹی یا بیٹیاں جو بیٹے کی موجودگی میں بالقرابت (للذکر مثل حظ الانثیین) اور عدم موجودگی میں نصف بالفرض اور باقی بالقرابت پاتی ہیں۔ یا ایک یا ایک سے زائد پدری یا مادری یا صرف پدری سگی بہنیں جو بھائی کی موجودگی میں بالقرابہ (چھٹا حصہ) اور بھائی کی عدم موجودگی میں بالفرض (دو ثلث) پاتی ہیں۔

(۴)۔ چوتھی قسم وہ ہے جو صرف قرابت کی وجہ سے وراثت حاصل کرتی ہے۔ جیسے بیٹا اور پدری و مادری یا صرف پدری سگے بھائی، دادا، نانا اور چچا، ماموں

(۵)۔ پانچویں قسم وہ ہے جو نہ بالفرض وراثت حاصل کرتی ہے اور نہ بالقرابہ بلکہ صرف ''ولاء'' کی وجہ سے حاصل کرتی ہے جیسے غلام کا آزاد کرنے والا اور ضامن جریرہ اور امامؑ۔

مقدمہ رابعہ

اسلامی قانون وراثت میں عول اور تعصیت نہیں اور ورثہ کے اجتماع کی صورت میں اسے مقدم سمجھا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مقدم قرار دیا ہے۔ اور اسے مؤخر سمجھا جائے گا جسے خدا نے موخر قرار دیا ہے اور وراثت کے مسلمہ اصولوں ''وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ'' (سورہ انفال آیت۔ ۷۵) اور ''بموجب الاقرب یمنع الابعد'' زیادہ نزدیکی قرابتداروں کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار (وارثان بازگشت) کو کچھ نہیں ملے گا۔ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ''قوانین الشریعہ'' کی طرف رجوع کریں۔

ان حقائق کے معلوم ہو جانے کے بعد ہم آیات قرآنی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور چونکہ پہلے طبقہ میں ماں، باپ اور اولاد داخل ہیں اور یہاں پہلی آیت (۱۱ میں) انہی کے حصوں کا بیان ہے جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ اگر میت نے اولاد چھوڑی ہے جو مختلف الصنف مثلاً ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی تو لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا کیونکہ شریعت نے خاندانی زندگی میں مرد پر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ زیادہ ڈالا ہے جبکہ عورت کو ان ذمہ داریوں سے سبکدوش رکھا ہے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ مرد کا حصہ عورت کی نسبت زیادہ رکھا جاتا۔ اس طرح مال کے تین حصے کیے جائیں گے دو لڑکے کو دیئے جائیں گے اور ایک لڑکی کو اور اگر لڑکے لڑکیاں متعدد ہوں تو بھی اصول یہی رہے گا۔ کہ ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

۲۔اگر میت نے صرف لڑکیاں چھوڑی ہیں اور لڑکا کوئی نہیں ہے تو قرآنی الفاظ یہ ہیں کہ اگر وہ فوق اثنین ہیں یعنی دو سے زیادہ یعنی تین یا چار یا اس سے زیادہ ہیں تو ان کے لئے ترکہ کے دو تہائی حصے ہیں۔ یہاں بظاہر دولڑکیوں کا حکم مذکور نہیں ہے مگر امت کا اجماع ہے جو احادیث سے بھی ثابت ہے کہ دولڑکیوں کا حکم بھی یہی ہے کہ ان کو دو تہائی ملے گا۔

۳۔اگر میت نے صرف ایک لڑکی چھوڑی تو اسے نصف ترکہ ملے گا۔

۴۔اگر کوئی میت ماں باپ اور اولاد چھوڑ کر مرے تو ماں باپ کو سدسین یعنی ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۵۔اگر ماں باپ موجود ہوں مگر اولاد نہ ہو اور نہ ہی میت کے بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک ثلث (تہائی) ملے گا اور باپ کو کیا ملے گا؟ بظاہر قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے مگر یہ مذکور ہے کہ ''وورثہ ابواہ'' کہ اس کے وارث ماں باپ ہیں اب ایک ثلث تو ماں کو مل گیا بعد ازاں عقل یہ کہتی ہے کہ باقی ماندہ ترکہ سب باپ کو ملنا چاہیے جو بالاجماع ثابت ہے۔

۶۔اگر میت کی اولاد نہیں ہے مگر ماں باپ ہیں اور میت کے بھائی بھی۔تو اگرچہ طبقہ اولی کے ماں باپ کی موجودگی میں بھائیوں کو وراثت تو نہیں ملے گی مگر وہ ماں کو ثلث ملنے سے سدراہ ہو جائیں گے اب اسے ایک سدس ملے گا۔اب اگرچہ قرآن مجید میں ''اخوۃ'' کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے اور دو سے زیادہ پر دلالت کرتا ہے مگر چونکہ عربی میں ایک سے زائد پر بھی جمع کا اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہاں یہی حکم ہے کہ اگر دو بھائی بھی ہوں تو بھی ثلث نہیں بلکہ سدس ملے گا۔

اب تک یہاں جو حصے بنص قرآن ثابت ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ثلثین۔یعنی دو تہائی یہ متعدد لڑکیوں کا ہے جبکہ ان کے ساتھ لڑکا نہ ہو۔

۲۔سدس۔چھٹا حصہ یہ اولاد کے ساتھ ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ ہے نیز تنہا ماں کا بھی یہی ہے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو مگر بھائی موجود ہوں۔

۳۔ثلث۔یعنی ایک تہائی۔یہ صرف ماں کا حصہ ہے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو اور نہ بھائی ان حصوں کو جو نص قرآنی سے ثابت ہیں ان کو فروض کہا جاتا ہے اور جن کے یہ حصے مقرر ہیں ان کو اصحاب الفروض کہا جاتا ہے۔(جیسا کہ اوپر دوسرے مقدمہ میں وضاحت کی جا چکی ہے) اور جن وارثوں کے حصے صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں تو ان کو جو وراثت ملتی ہے اس کو ''بالردوالقرابہ'' کہا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاں قرآن خاموش ہو وہاں سنت کا دامن تھامنا پڑتا ہے اور وہ حسب ذیل صورتیں ہیں:

۱۔میت کی دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں بنص قرآن ترکہ کے دو تہائی حصے تو ان کو مل گئے اب باقی ایک تہائی کا کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں قرآن خاموش ہے مگر سنت سے ثابت ہے کہ یہ ایک تہائی بھی انہی لڑکیوں کو ملے گی۔مگر قرابت قریبہ کی وجہ سے اور وارثان بازگشت کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ ان کی نسبت دور کے رشتہ دار ہیں۔

۲۔صرف ایک لڑکی ہے تو اس صورت میں آدھا ترکہ تو ازروئے فرض ونص قرآن اسے ملے گا اور باقی آدھا ازروئے قرابت قریبہ اسے ہی ملے گا اور دور کے رشتہ دار محروم الارث متصور ہوں گے۔

۳۔جب اولاد نہ ہو۔اور نہ ہی بھائی ہوں بلکہ ماں باپ ہوں تو ماں کو ایک ثلث بطور فرض مل گیا اب باپ کو کیا ملے گا؟ قرآن خاموش ہے۔مگر چونکہ وہ طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور ماں کے ساتھ برابر کا وارث ہے اور دوسرے تمام رشتہ داروں سے میت کا زیادہ قرابتدار ہے لہٰذا قرابت کی بنا پر وہ باقی دو تہائی ترکہ کا بلاشرکت غیرے وارث قرار پائے گا۔

۴۔جب میت کی اولاد نہیں ہے مگر ماں باپ ہیں اور بھائی بھی ہیں تو اس صورت میں ماں کو بالفرض سدس ملے گا۔اور باقی ماندہ تمام ترکہ ۶/۵ بر بنائے قرابت باپ کو مل جائے گا۔

۵۔ماں باپ موجود ہیں اور ان کے ساتھ اولاد ذکور واناث بھی ہے تو اس صورت میں ماں باپ کے لئے تو سدسین (دوسدس) بالغرض مقرر ہیں لہٰذا باقی ترکہ قرابت کی بنا پر میت کی اولاد کو اس طرح ملے گا کہ لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا حصہ دیا جائے گا۔اور یہی حکم اس صورت کا ہے کہ جب ماں کے ساتھ ایک لڑکا یا ایک سے زائد لڑکے ہوں وہاں بھی ماں کے حصہ (ایک سدس) کے بعد باقی ترکہ لڑکے یا لڑکوں کو بالقرابہ مل جائے گا۔

۶۔ماں باپ کے ساتھ دو لڑکیاں ہوں تو یہاں بالفرض ماں، باپ کو سدسین مل جائیں گے جو کل ترکہ کا ایک ثلث بنتا ہے اور دو ثلث لڑکیوں کو مل جائیں گے۔بس ترکہ پورا تقسیم ہو گیا لیکن اگر ماں باپ کے ساتھ ایک لڑکی ہو تو اس صورت میں چھ حصوں میں سے دو سدس یعنی ایک حصہ تو ماں باپ اور نصف یعنی تین حصے لڑکی کو مل گئے۔اس طرح ایک حصہ بچ گیا۔اب اس کا کیا کیا جائے؟

اسے انہی وارثوں پر ان کے حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔یعنی اس کے پانچ حصے کر کے قرابت کی بنا پر ایک ایک حصہ والدین کو اور تین حصے لڑکی کو دے دیئے جائیں گے وہ فروض جو ازروئے قرآن ثابت ہیں ان میں شیعہ وسنی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے مگر جن صورتوں میں فرض کے بعد ترکہ کی کچھ مقدار بچ جاتی ہے وہ کسے دی جائے گی؟

اس میں فقہ جعفریہ اور دوسرے اسلامی فرقوں کے درمیان اختلاف ہے کہ فقہ جعفریہ میں وہ باقی ماندہ

ترکہ پر بنائے قرابت قریبہ انہی اصحاب الفروض کو دیا جاتا ہے (جیسا کہ ابھی اوپر چھ صورتوں میں مذکور ہے) اور دوسرے مسالک وارثان بازگشت کو دلواتے ہیں۔ اس اختلاف کا حل اور احقاق ماھوالحق فقہ کی استدلالی کتابوں سے متعلق ہے یہاں اس بحث کو درج کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس اختلاف کا منظر اور پھر اس میں فقہ جعفریہ کی برتری معلوم کرنے کے خواہشمند ہماری کتاب ''قوانین الشریعۃ'' کی طرف رجوع کریں۔

الغرض یہاں بموجب ''واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ'' جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتا ہے وہی وراثت حاصل کرتا ہے اور وہ دور کے رشتہ داروں کے لئے سد راہ بھی بنتا ہے اور یہی بات ''فقہ جعفریہ'' کی برتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ والحمدللہ

اٰبَآؤُکُمۡ ...الآیۃ

تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ یا تمہاری اولاد میں سے نفع رسانی کے لحاظ سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے؟

اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

آیا یہ صرف والدین اور اولاد کے وارث ہونے کے متعلق ہے یا تمام وارثوں سے متعلق؟

علامہ طبرسی نے قدیم مفسرین کے پانچ قول نقل کئے ہیں مگر چونکہ کوئی بھی کسی معصوم سے منقول نہیں ہے تاکہ اسے ترجیح دی جاسکے۔

مولانا سید عمار علی صاحب مرحوم نے اسے تمام ورثہ سے متعلق قرار دیتے ہوئے اس کی یوں تشریح کی ہے:

''تم نہیں جانتے کہ وارثوں میں سے وہ کون ہیں جس کا نفع دنیا و آخرت میں تم کو زیادہ پہنچتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں اس واسطے ہم نے حصوں میں تفریق کی ہے کہ کسی کو زیادہ پہنچایا اور کسی کو کم پہنچایا ہے'' (عمدۃ البیان)

ظاہر ہے کہ اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ ''فعل الحکیم لا یخلو ا عن الحکمۃ''

آیات القرآن

وَلَکُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَکَ اَزۡوَاجُکُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّھُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ کَانَ

لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ
دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ
لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ
دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي
الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو ترکہ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں سے آدھا تمہارے لئے ہوگا اگر ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کے اولاد ہو تو پھر تمہیں ان کے ترکہ کا چوتھا حصہ ملے گا۔ یہ تقسیم اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہوگی جو انہوں نے کی ہو اور اس قرضہ کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہو۔ اور وہ (بیویاں) تمہارے ترکہ میں سے چوتھے حصہ کی حقدار ہوں گی اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر ان کا آٹھواں حصہ ہوگا اور (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہوگی جو تم نے کی ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے بعد جو تم نے چھوڑا ہو۔ اور اگر میت (جس کی وراثت تقسیم کی جانے والی ہے) کلالہ ہو یعنی مرد ہو یا عورت مگر بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ نہ ہوں۔ مگر بھائی بہن ہوں تو اگر اس کا صرف ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی یا بہن کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی بہن ایک سے زائد ہوں تو پھر وہ کل ترکہ کی ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔ مگر (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے اور قرضہ کے ادا کرنے کے بعد ہوگی جو کی گئی (جب وصیت کرنے والا وارثوں کو) ضرر پہنچانے کے درپے نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے اور اللہ بڑے علم و حلم والا ہے (۱۲)

تفسیر الآیات

وَلَكُمْ نِصْفُ... الآیۃ

سابقہ فرائض کے علاوہ اس آیت میں دو فرائض کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں سے ایک کا تعلق سببی رشتہ سے ہے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرے کا نسبی رشتہ سے ہے جو خون کا رشتہ ہے

پہلی قسم یعنی سببی کے ذیل میں چار مسئلے آتے ہیں

۱۔ زوجہ کا انتقال ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد ذکور وا ناث نہ ہو نہ اس شوہر سے اور نہ کسی اور شوہر سے تو شوہر کو آدھا ترکہ ملے گا

۲۔ زوجہ وفات پا جائے مگر اس کی کوئی اولاد ہو لڑکا یا لڑکی یا ہر دو اس شوہر سے یا کسی پہلے شوہر سے تو اس صورت میں شوہر کو اس کے ترکہ کا چوتھائی ملے گا۔

۳۔ شوہر فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد اناث وذکور نہ ہو نہ اس بیوی سے اور نہ کسی اور بیوی سے تو اس کی بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا

۴۔ شوہر کا انتقال ہو اور اس کی اولاد ہو اس بیوی سے یا کسی اور بیوی سے تو اس صورت میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

وراثت بیوگان کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت

یہاں اس بات کی تھوڑی سے وضاحت کر دینا ضروری ہے جو کہ "فقہ جعفریہ" کے متفردات میں سے ہے کہ دوسرے تمام ورثہ میت کی تمام متروکہ جائیداد (منقولہ وغیر منقولہ) میں سے حصہ پاتے ہیں مگر زوجہ کو غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا خواہ وہ صاحب اولاد ہو یا غیر صاحب اولاد باقی منقولہ ترکہ میں سے ہر چیز کا چوتھا یا آٹھواں حصہ پاتی ہے۔

یہ تفصیل اگرچہ قرآن سے ثابت نہیں ہوتی مگر احادیث سے ثابت ہے برادران اسلامی کی جانب سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیثیں خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے مستند نہیں ہیں اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ ہمارا بھی ایمان ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو تو وہ حجت نہیں ہوتی مگر مخالفت کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے کہ کسی حدیث کے مخالف قرآن ہونے کا مطلب کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حکم قطعی طور پر قرآن مجید میں مذکور ہو اور کوئی حدیث اس حکم کے خلاف بتلائے تو ظاہر ہے کہ وہ روایت مخالف قرآن ہونے کی بنا پر رد کر دی جائیگی لیکن اگر کوئی چیز قرآن میں بظاہر مذکور ہی نہ ہو یا اگر ہو تو مجمل ہو اور کوئی حدیث اس کا حکم بتائے یا قرآن میں اجمال ہے اور حدیث اس کے قیود و شرائط کی تفصیل بتائے تو اس کا نام مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرآن کی تفسیر و تشریح ہے اور اس کا بیان ہے اور اسی معنی میں حدیث ماخذ احکام ہے اور حجت ہے جیسا کہ سابقہ آیت کے ذیل میں چھ مسائل بیان کئے گئے ہیں کہ جہاں قرآن نے اصحاب الفروض کے فرائض بیان کئے ہیں باقی ترکہ کے بارے میں خاموش نظر آتا ہے وہاں حدیثوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

ہمارے زیر مسئلہ کی یہی حیثیت ہے۔ کہ قرآن مجید میں یہ اجمالاً مذکور ہے کہ زوجہ کو شوہر کے ترکہ سے حصہ ملے گا مگر یہ تفصیل مذکور نہیں ہے کہ منقولہ سے ملے گا یا غیر منقولہ سے یا ہر دو سے؟ تو اگر حدیث اس کی تفصیل بیان کر دے کہ عورت کا رشتہ چونکہ مرد سے عارضی ہے لہٰذا اس کی وراثت بھی عارضی مال سے ہوگی۔ جو کہ منقولہ ہے اور مستقل مال یعنی غیر منقولہ جائیداد کے وارث وہ لوگ ہوں گے جن کا میت سے مستقل یعنی خونی رشتہ ہے تو اس کو قرآن کے اجمال کی تفصیل سمجھا جائے گا اسے قرآن کے مخالف قرار دینا درست نہیں ہوگا (اس موضوع کی باقی تفصیلات اور اس مسئلہ کے تفصیلی دلائل قوانین الشریعہ میں درج ہیں اس کی طرف رجوع کیا جائے)

کلالہ کا مسئلہ

جس کا تعلق نسبی رشتہ داری سے ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ ”کلالہ کے معنی میں اختلاف ہے حضرت عمر آخر وقت تک اس میں متردد رہے“ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۳۱)

کلالہ کا لفظ قرآن مجید میں دو جگہ استعمال ہوا ہے ایک یہاں اور دوسرا اس سورہ کی آخری آیت میں یہاں اس آیت میں وارد شدہ لفظ کلالہ کے بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت مرجائے اور وہ بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن یا اس سے زیادہ بھائی بہن موجود ہوں مگر ہوں بالاتفاق ”اخیافی“ یعنی میت سے صرف ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوں۔ اور ان کا باپ دوسرا ہو تو اس صورت میں اس ”کلالۃ الام“ کا حکم یہ ہے کہ:

پہلی صورت میں (جبکہ ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو) تو ہر ایک کو ایک سدس (چھٹا حصہ) ملے گا۔

اور دوسری صورت میں (جبکہ بھائی بہن ایک سے زائد ہوں) تو ان کو ایک ثلث (ایک تہائی) ملے گا

جو سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

اب اگر وہ بھائی بہن میت کے سگے بھائی بہن ہوں یا صرف باپ کی طرف سے سگے ہوں یعنی ''کلالۃ الابوین'' ہوں یا صرف کلالۃ الاب تو اس صورت کا حکم اس سورۃ کی آخری آیت میں مذکور ہے کہ اگر کوئی لاولد شخص مر جائے (اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں) اور اس کی صرف ایک بہن ہو (سگی یا صرف باپ کی طرف سے) تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائیگی اور اگر کوئی بہن بے اولاد مر جائے (اور ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں) تو اس کا بھائی (پورے مال کا) وارث ہوگا اور اگر مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو وہ اس کے دو تہائی ترکہ کی وارث ہونگی۔ اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں (مگر ہوں علاتی) تو عورتوں کو اکہرا اور مردوں کو دہرا حصہ ملے گا۔

انصاف شرط ہے کہ اگر صحیح وارثان قرآن یہ تشریح نہ کرتے تو کیسے معلوم ہوتا کہ پہلا حکم اخیافی بہن بھائیوں کا ہے اور دوسرا حکم ''کلالۃ الابوین اور کلالۃ الاب'' یعنی علاتی بہن بھائیوں کا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ اگر یہ ذوات مقدسہ وضاحت نہ کرتے تو بظاہر قرآن میں اختلاف نظر آتا۔ کیونکہ قرآن مجید دونوں جگہ لفظ کلالہ موجود ہے مگر ہر جگہ حکم الگ الگ ہے۔

یہ تفصیل متفق علیہ ہے مگر قرآن میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ ترجمان قرآن کے کلام و بیان کے بغیر قرآن کا حقیقی مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ''وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ''

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ...الایۃ

سابقہ آیات میں بھی اور یہاں بھی خدائے حکیم نے وراثت کے جو حصے مقرر کئے ہیں ان سب کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ یہ حصے میت کی وصیت پوری کرنے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد مستحقین کو ملیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے۔ جس کی مخالفت جائز نہیں ہے اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو خدا علیم و حلیم اور بردبار ہے لہٰذا اگر وہ برداشت کرے اور سزا نہ دے تو یہ اس کا حلم اور بردباری ہے ورنہ آدمی مخالفت کر کے غضب الٰہی کا مستوجب قرار پاچکا ہے۔

تنبیہ

یہاں وصیت کا لفظ مجمل ہے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ کتنی مقدار میں کی جائے؟ تو نافذ ہوتی ہے۔ مگر احادیث اہل بیت علیہم السلام میں یہ تفصیل مذکور ہے کہ اگر مرنے والا اپنے مال کے ایک ثلث تک

وصیت کر جائے تو وہ نافذ العمل ہوتی ہے اور ورثہ کو اس کے رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو تو پھر اس کا نفاذ ورثہ کی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ راضی ہو جائیں تو سب میں نافذ ہوگی ورنہ صرف ثلث میں نافذ ہوگی اس سے زائد مقدار میں نافذ نہیں ہوگی (وسائل الشیعہ) نیز یہاں وصیت کے ساتھ غیر مضار کی قید لگائی گئی ہے کہ وہ وصیت ضرر پہنچانے والی نہ ہو۔ اس سے ایک ثلث سے زیادہ والی وصیت مراد ہو سکتی ہے اور کوئی دوسری وصیت بھی جس سے ورثہ کو ضرر زیاں پہنچنے کا اندیشہ ہو جیسے کسی کے لئے بلا وجہ وصیت کر دی جائے جس سے حقیقی وارثوں کا نقصان ہو (تفسیر صافی)

آیات القرآن

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ
اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى
يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا
مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ان بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (۱۳) اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے گا تو اللہ اسے آتش دوزخ میں داخل کرے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے

گا اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے (۱۴) اور جو تمہاری عورتوں میں سے بدکاری کریں تو ان کی بدکاری پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو۔ اور اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند کردو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر کرے (۱۵) اور تم میں سے جو دو شخص (مرد و عورت) بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو انہیں چھوڑ دو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ (۱۶)

تفسیر الآیات

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ... الایۃ ۱۳

اس آیت مبارکہ میں اطاعت گذاروں، اور اس نظام وراثت کی تابعداری کرنے والوں سے ان بہشتوں کا وعدہ کیا جارہا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ... الآیۃ ۱۴

اس آیت میں بڑی ہولناک سزا سنائی جارہی ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا اور رسولؐ کی مخالفت کرکے اس کی مقرر کردہ حدوں کو توڑتے ہیں یا قانون وراثت میں ردوبدل کرتے ہیں۔ حالانکہ ''مخلد فی النار'' ہونے یعنی ہمیشگی کا عذاب صرف کافروں، مشرکوں اور منافقوں کے لئے ہے مگر اس آیت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سزا خدا اور رسولؐ کے ہر فرمان کے لئے ہے جو اس کے حدود سے تجاوز کرے بنابریں تو یہ مطلق گناہ پر صادق آتی ہے جس کی سزا خلود فی النار نہیں ہے لہٰذا اس کی کوئی مناسب تاویل کرنا پڑے گی۔

۱۔ جیسے یہ کہ ان حدود سے تجاوز کرے جن کی سزا ہمیشگی عذاب ہے

۲۔ یا حدود الٰہی سے تجاوز کو جائز سمجھ کر تجاوز کرے تو اسطرح ما انزل اللہ کے انکار کی وجہ سے کفر لازم آئے گا۔

۳۔ حدودہ۔ میں لفظ ''حدود'' جمع ہے اور پھر اضافت کی وجہ سے اس میں عموم واستغراق کے معنی پیدا ہوگئے ہیں۔ یعنی جو اللہ کی تمام حدوں سے تجاوز کرے ظاہر ہے کہ ایسا شخص کوئی کافر ہی ہوسکتا ہے۔ وہ گنہگار اہل ایمان نہیں ہوسکتا۔ (مجمع البیان، فصل الخطاب)

مگرافسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے حدود وقیود کے علاوہ قانون وراثت میں بھی من پسند تبدیلیاں کی ہیں کہیں لڑکیوں کو وراثت سے بالکل محروم کر دیا گیا ہے کہیں صرف بڑے بیٹے کو وراثت کا حقدار قرار دیا گیا ہے اور کہیں یہ کہہ کر کہ ''یوصیکم اللہ'' لفظ نرم ہے یہ صرف وصیت ہے کوئی لازمی حکم نہیں ہے مردوں اور عورتوں کے حصہ کو برابر کر دیا گیا ہے اگر یہ حکم خدا سے کھلی ہوئی بغاوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہل اسلام کو ایسی عصیان کاری اور تباہ کاری سے بچائے اور اپنی اور اپنے رسول اعظم کی اطاعت گذاری کی سعادت سے نوازے۔ بحق النبی و آلہ الطاہرین علیہم السلام۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ... الآیۃ ۱۵

زنا کاری کی منسوخ شدہ سزا کا بیان

زنا جس قدر جرم شنیع ہے وہ اسی قدر دور جاہلیت میں عربوں میں عام تھا اور معدودے چند شرفاء کو چھوڑ کر اس کے ارتکاب کو چنداں عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ پیشہ ور عورتیں اپنے مکانوں پر خاص قسم کے پرچم لہرایا کرتی تھیں۔ جنہیں ''ذوات الاعلام'' کہا جاتا تھا۔ اسلام دین فطرت نے اس سنگین جرم کے سد باب کے لئے صرف زبانی کلامی وعظ و نصیحت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے مرتکبین کے لئے تدریجاً سخت سزاؤں کا اہتمام کیا ہے۔ ہاں البتہ اس جرم شنیع کے اثبات کے لئے بڑا سخت انتظام کیا ہے اور اس کے دو طریقے مقرر کئے ہیں

۱۔ مجرم بقائمی ہوش و حواس چار بار اس کا اقرار کرے

۲۔ چار مسلمان عاقل و عادل گواہ اس کے ارتکاب کی گواہی دیں اور اوائل اسلام میں یہ سزا تھی کہ ایسی عورتوں کو گھروں میں نظر بند کر دیا جائے یہاں تک کہ ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے اور ایسے مردوں کو روحانی وجسمانی اذیت دی جائے جب تک ان کے لئے خدا کوئی اور راستہ متعین نہ فرمائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمر قید اور اس کے بعد والی سزا اجزاوقتی تھی مستقل سزا وہ ہے جو سورہ نور میں مذکور ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد و زن اس جرم کا ارتکاب کریں تو انہیں سو سو کوڑے مارے جائیں جو کہ نص قرآن سے ثابت ہے اور اگر شادی شدہ مرد و زن ارتکاب کریں تو انہیں رجم (سنگسار) کیا جائے جو سنت صحیحہ سے ثابت ہے

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا... الآیۃ

قوم لوط کے عمل بد کی فضیحت

شیخ محمد جواد مغنیہ مرحوم اپنی تفسیر کاشف میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفسرین میں اختلاف ہے کہ اس

''جو دو شخص جو ایسا کریں'' سے مراد کون ہیں؟

اکثر نے اس سے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے جو کہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ ''الذان''۔ الذی کا تثنیہ ہے جو کہ موصول وصلہ مذکر کے الفاظ ہیں نیز زانی اور زانیہ کا حکم ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے لہٰذا بلا فاصلہ تکرار کا کیا مطلب ہے؛؟ لہٰذا اس سے قوم لوط کے عمل کے مرتکب فاعل ومفعول مراد ہیں جیسا کہ ''الذان'' اور منکم کے قرینے سے ظاہر ہے برادران اسلامی کے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی اپنی تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار کیا ہے (فراجع)۔

بہر حال اوئل اسلام میں اس خلاف وضع فطرت فضیع وشنیع جرم بد کی سزا یہ تھی کہ

انہیں روحانی وجسمانی اذیت پہنچائی جائے،

زجر وتوبیخ اور لعنت وملامت کی جائے،

خورد ونوش میں تنگی کی جائے،

تا کہ انہیں اپنے جرم کی سنگینی کا احساس ہو۔

بعد ازاں ان کی یہ سزا منسوخ ہوگئی اور اس کی جگہ

تلوار سے موت کے گھاٹ اتارنا

یا آگ سے جلانا

یا ہاتھ پاؤں باندھ کر بلندی سے نیچے گرانا

یا پھر ان پر دیوار کا گرانا، سزا مقرر ہوئی۔

کیونکہ یہ جرم زنا سے بھی بدتر ہے، اور ایسا شنیع جرم ہے کہ انسان سے اس کا جوہر انسانیت سلب کر لیتا ہے۔

ہاں! البتہ سابقہ صورت میں جب توبة النصوح کرلیں تو پھر ان کی یہ ایذا رسانی بند کر دی جائے گی۔

آیات القرآن

اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ فَاُولٰٓٮِٕكَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۱۷

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓٮِٕكَ
اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا
النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ
اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ
كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا
كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

ترجمۃ الآیات

توبہ قبول کرنے کا حق اللہ کے ذمہ صرف انہی لوگوں کا ہے جو جہالت (نادانی) کی وجہ سے کوئی برائی کرتے ہیں پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جن کی توبہ خدا قبول کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (۱۷) ان لوگوں کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو (زندگی بھر) برائیاں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اس وقت میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان کے لئے توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے (۱۸) اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان پر سختی کرو اور روکے رکھو تاکہ جو کچھ تم نے جہیز وغیرہ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ لے اڑو مگر یہ کہ وہ صریح بدکاری کا ارتکاب کریں (کہ اس صورت میں سختی جائز ہے) اور عورتوں کے ساتھ عمدہ طریقہ سے زندگی گزارو۔ اور اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ (۱۹)

تفسیر الآیات

اِنَّمَا التَّوْبَةُ ...الآیۃ ۱۷

کس قسم کی توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ لازم ہے؟

اس آیت مبارکہ میں قبولیت توبہ کے شرائط بیان کئے جارہے ہیں جو یہ ہیں کہ

۱۔ اللہ کے ذمہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے جو جہالت ولاعلمی کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں

۲۔ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں

۳۔ خدا ان لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں کرتا جو گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں اور جب موت سامنے نظر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں

۴۔ اور نہ ہی خدا ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو حالت کفر میں مرجاتے ہیں۔ یہ آیت بڑی حوصلہ شکن ہیں اور بڑے سخت شرائط توبہ پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مذکورہ بالا باتوں کی وضاحت کیجاتی ہے۔

۱۔ توبہ قبول کرنے کا حق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کا فضل وکرم ہے ورنہ کون ہے جو اس پر وجوب عائد کر سکے؟

۲۔ خدا ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو جہالت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں اس کا مفہوم تو یہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ''علماً وعمداً'' گناہ کرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہونی چاہیے مگر حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس کی تفسیر مروی ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ''گنہ گار خواہ جاہل ہو یا عالم جب وہ اپنے خالق و مالک کی معصیت و نافرمانی کرتا ہے تو وہ اس وقت جاہل ہوتا ہے'' فرمایا:

''کل ذنب عملہ العبد و ان کان عالما فھو جاھل حین خاطر بنفسہ فی معصیۃ ربہ''

پھر امام نے ثبوت میں جناب یوسفؑ کے اس قول کو پیش کیا ہے جو انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

''هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ''(سورہ یوسف آیت۔۸۹)

کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا جبکہ تم جاہل تھے؟ (مجمع

البیان، وصافی وغیرہ)

بنابریں گویا جہالت کا لفظ حماقت و بے قوفی کے معنی میں ہے۔

۳۔ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں اس جلدی سے کیا مراد ہے؟ اس قریب کے ''متبادا الی الذھن'' معنی تو وہی ہیں جو عرف عام میں سمجھے جاتے ہیں کہ وہ گناہ کر کے زیادہ دیر و دیر نگ نہیں کرتے بلکہ جلد ہی نادم و پشیمان ہو کر اپنے رحیم و کریم پروردگار کا در توبہ کھٹکھٹاتے ہیں اور جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اسے کھلا پاتے ہیں، اس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ قبل اس سے کہ برائی نفس پر چھا جائے اور نیکیاں کھا جائے (صافی)

مگر اکثر مفسرین نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آثار موت نمودار ہونے سے پہلے توبہ کرتے ہیں ''لان ما بین الانسان وبین الموت قریب'' کیوں انسان اور موت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ قریب ہے بعض ائمہ اہل بیت صحابہ اور تابعین سے یہی معنی منقول ہیں۔ (مجمع البیان وغیرہ)

ظاہر ہے کہ اسے خدائے رحیم و کریم کی انتہائی شفقت و رافت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ بعض احادیث میں آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا ''ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر'' اللہ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک موت کا غرغرہ شروع نہ ہو (ایضاً)

بعد ازاں کتاب زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور امتحان کی مہلت پوری ہو جاتی ہے تو اب توبہ کا کیا موقع؟ ہاں البتہ اگر اس وقت بھی قبول کر لے تو یہ اس کا تفضّل تو ہو سکتا ہے مگر یہ وہ توبہ نہیں ہے جس کا قبول کرنا خدا کے ذمہ لازم ہے

۴۔ جو گناہ پر گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب آثار موت نمودار ہوتے ہیں تو اب کہتے ہیں اب ہم توبہ کرتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول نہیں کرتا کیونکہ درحقیقت یہ توبہ ہی نہیں بلکہ خدا سے مذاق ہے جب تک گناہ کرنے کی سکت تھی تو عمر بھر گناہ پر گناہ کرتے رہے اور اب جب کہ گناہ کرنے کی سکت ہی نہ رہی تو پھر توبہ کرنے کا کیا مطلب؟؟

''وقت پیری گرگ زادہ می شود پرہیز گار''

یعنی

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مؤمن
آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوگے؟

ہاں! البتہ تفضّل چیزے دیگر است۔ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ

۵۔ نیز اللہ ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں کرتا جو کہ حالت کفر میں مرتے ہیں کیونکہ وہ کافر و مشرک اور منافق ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے؟ کیونکہ توبہ کی قبولیت کی لازمی شرط یہ ہے کہ وہ کفر ترک کر کے اسلام لائیں اور جب وہ مرہی کفر پر رہے ہیں تو کفر سے توبہ کب کی ہے؟ کہ جسے اللہ تعالیٰ قبول کرے؟ اور اگر کسی اور گناہ وعصیاں سے توبہ کرتے ہیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے جبکہ کفر پر مر رہے ہیں؟

توبہ کی قبولیت کے دیگر بعض شرائط کا بیان

ارشاد رب العزت ہے:

''وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی'' (سورہ طٰہٰ آیت۔۸۲)

میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں:

۱۔ جو توبہ کریں یعنی اس گناہ سے رجوع کریں (اسے چھوڑ دیں) جس سے توبہ کر رہے ہیں اور اس پر نادم ہوں اور آئندہ اس کے نہ کرنے کا عزم بالجزم بھی کریں۔

۲۔ ایمان لائیں (اگر پہلے بے ایمانی کرتے رہے ہوں)۔

۳۔ نیک عمل کریں جبکہ پہلے بدعملی کرتے رہے ہوں اور اس نیک عمل میں تلافی مافات بھی داخل ہے کہ اگر خدا کا حق ادا نہیں کیا جیسے نماز نہیں پڑھی، روزہ نہیں رکھا تو اس کی قضا کریں اور اگر مخلوق کی حق تلفی کی ہے تو اسے ادا کریں۔ یا صاحبان حق سے معاف کرائیں۔

۴۔ راہ راست پر آجائیں (اگر پہلے بے راہ روی کرتے رہے ہیں) اس کا نام ''توبۃ النصوح'' ہے جس کا قبول کرنا خدا کے ذمہ ازراہ لطف وکرم لازم ہے اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت توبہ کر کے اسے توڑ بیٹھیں تو مایوس نہ ہوں بلکہ فوراً اپنے آقا و مولا کی بارگاہ میں پلٹ آئیں اور زنجیر در توبہ کو ہلائیں۔ تو دروازہ توبہ کھل جائے گا کیونکہ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔

این درگئه مادرگئه نومیدی نسبت

صدبارااگرتوبه شکستی بازآ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا... الآیۃ

زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کا (کسی دوسری بیوی سے بیٹا) یا کوئی اور ولی وارث اس کی دوسری جائیداد کی طرح اس کی بیوہ کے سر پر کپڑا ڈال دیتا تھا اور اسطرح وہ اس کی

بیوی بن جاتی تھی اور وہ اسے بیوی کی طرح اپنے گھر میں بند رکھتا تھا اور اس کا کوئی حق مہر بھی مقرر نہیں کرتا تھا بلکہ اسی مہر پر اکتفا کرتا تھا جو اس کے مورث نے ادا کیا تھا اور اگر چاہتا تو حق مہر لیکر اس کا دوسری جگہ عقد کر دیتا تھا اور اسطرح یہ زبردستی اس عورت کا وارث قرار پاتا تھا۔ اس کارروائی سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے (مجمع البیان وصافی وغیرہ)

چنانچہ اوائل اسلام میں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ ابوقیس بن اسلت صحابی کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے محصن بن ابی قیس نے اس کی بیوہ کبیشہ بنت معن پر چادر ڈال دی۔ اس طرح اسے اپنے نکاح میں تو لے لیا مگر بعد ازاں نہ اس کے قریب گیا اور نہ اس کا نان ونفقہ ادا کیا چنانچہ کبیشہ نے اس صورت حال کی بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ نہ تو میں نے اپنے شوہر کی وارثت قرار پائی اور نہ ہی مجھے آزاد چھوڑا گیا تا کہ میں عقد ثانی کر سکتی اس کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آئندہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا (ایضاً)

وَلَا تَعْضُلُوْا...الآیة

اس جملہ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں

۱۔ مالدار بیوہ کو اس کے وارث کہیں عقد ثانی نہیں کرنے دیتے تھے نہ مال ودولت ہمراہ لے جانے دیتے تھے بلکہ یہیں رہ کر مرے تا کہ یہ اس کے مال کے وارث قرار پائیں یا وہ اپنا مال ان کے حوالہ کر کے ان سے جان چھڑائے

۲۔ یہ شوہروں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم اپنی بیویوں پر اس قدر سختی نہ کرو۔ کہ وہ تمہارا ادا کردہ حق مہر تمہارے حوالے کر کے تم سے طلاق خلع حاصل کرنے پر مجبور ہو جائیں

۳۔ شوہر کے پاس بیوی موجود ہے جس کی اسے ضرورت نہیں ہے اور وہ اسے ناپسند بھی کرتا ہے مگر اسے صرف اسلئے روکے ہوئے ہے اور اسے فارغ نہیں کرتا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ اس کے مال کا وارث قرار پائے (مجمع البیان، عن الامام الباقرؑ)

الغرض اب یا تو شوہر کی ناشزہ ونافرمان بن جائیں یا کھلی ہوئی معصیت کاری کریں جو بہر حال ممنوع ہے البتہ اگر وہ کھلی ہوئی غلط کاری (یعنی زنا کاری کریں) تو پھر ان سے حق مہر واپس لینے کی خاطر سختی کی جا سکتی ہے اور طلاق خلع بھی دی جا سکتی ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتیں تو پھر شوہروں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اپنی بیویوں سے حسن سلوک کریں اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کریں اور ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور ان کا نان

ونفقہ ادا کریں اگر وہ انہیں ناپسند کرتے ہیں اور ان سے دل نہیں ملتا۔ تو تقاضائے عقل وشرافت یہ ہے کہ انہیں برداشت کریں اور یہ سمجھیں کہ شاید اللہ نے اس میں ان کے لئے کوئی بڑی بھلائی رکھی ہو جو اولاد صالح بھی ہو سکتی ہے اور تمہاری خدمت گذاری اور آرام رسانی بھی

آیات القرآن

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ
قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾
وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا
قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم ایک بیوی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری لانا چاہو اور تم ان میں سے ایک کو (جسے فارغ کرنا چاہتے ہو) بہت سا مال دے چکے ہو۔ تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو کیا تم جھوٹا الزام لگا کر اور صریح گناہ کر کے (واپس) لینا چاہتے ہو (۲۰) اور بھلا تم وہ (مال) کیسے واپس لے سکتے ہو۔ جبکہ تم (مقاربت کر کے) ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو؟ اور وہ تم سے پختہ عہد و پیمان لے چکی ہیں (۲۱) جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں۔ ان سے شادی (نکاح) نہ کرو۔ سوا اس کے جو پہلے ہو چکا بے شک یہ کھلی بے حیائی اور (خدائی) ناراضی کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ (۲۲)

تفسیر الآیات

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ ... الآیۃ ۲۰

اگر تم ایک بیوی کو بدل کر دوسری بیوی لانا چاہتے ہو تو اگر پہلی کو ایک قنطار بھی حق مہر میں دے چکے ہو تو اسے طلاق دینے کے بعد تم وہ زر مہر اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ قنطار کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ ایک مال کثیر اور دوسری بیل کی کھال بھر سونا (مجمع البیان)

کیا اس پر کوئی جھوٹا الزام لگا کر اور بہتان باندھ کر اور کھلا گناہ کر کے واپس لو گے؟ حالانکہ تم مباشرت کر کے ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ عقد و نکاح کے ذریعہ تم سے پختہ عہد و پیمان لے چکی ہیں۔ کہ تم ان کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرو گے بلکہ اخلاق و مروت سے پیش آؤ گے۔ اب جبکہ معاہدہ پورا ہو چکا۔ عقد ہو چکا اور مباشرت بھی ہو چکی ہے ہاں اگر مباشرت کرنے سے پہلے طلاق واقع ہو جاتی تو پھر آدھا حق مہر معاف ہو جاتا۔ تو اب اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی کیا گنجائش ہے؟ جاہلی دور کی طرح جب کوئی خوبصورت عورت پسند آ جاتی تو پہلی بیوی پر کوئی جھوٹا الزام لگا کر اسے اس طرح تنگ کیا جاتا تھا کہ وہ اپنا حق مہر چھوڑ دے اور یہ اسے چھوڑ دے اور دوسری شادی رچائے؟ اسلام ایسی گھٹیا حرکت کی اجازت دینے کا روادار نہیں ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا ...الآية

اس حکم کے ذریعہ سے دور جاہلیت کی اس رسم بد کا استیصال کرنا مقصود ہے کہ لوگ اپنے باپ کی بیوی یعنی اپنی سوتیلی ماں سے عقد نکاح کیا کرتے تھے چنانچہ صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کی بیوہ فاختہ بنت الاسود بن مطلب سے حصین بن ابی قیس نے اپنے باپ کی بیوہ کبیشہ بنت معن سے اور منظور بن ریان بن المطلب نے اپنے باپ کی بیوہ ملکیہ بنت خارجہ سے نکاح کیا تھا مگر جو اس سے پہلے ہو چکا ہے اب اس کی سزا نہیں ہو گی لیکن اب ہر گز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ الاسلام یجب ما قبلہ

اسلام پہلے کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ نکاح کے دو معنی ہیں:

۱۔ عقد نکاح۔ لہٰذا بنا بریں باپ دادا کی منکوحہ اولاد اور اولاد کی اولاد پر حرام ہے خواہ باپ نے دخول کیا ہو یا نہ اس پر سب فقہا کا اجماع ہے

۲۔ جماع۔ لہٰذا اگر باپ یا دادا کسی عورت سے زنا کرے تو وہ اس کی اولاد پر حرام ہو گی یا نہ؟ اس میں قدرے اختلاف ہے آیت کا عموم حرمت کا تقاضا کرتا ہے (مجمع البیان)

آیات القرآن

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ
مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ
نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ
تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

ترجمۃ الآیات

تم پر حرام کردی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (خوشدامنیں) اور تمہاری ان بیویوں کی جن سے تم نے مباشرت کی ہے وہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پا رہی ہیں اور اگر صرف نکاح ہوا ہے مگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو پھر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں (بہوویں) اور یہ بھی حرام قرار دیا گیا کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں اکھٹا کرو۔ مگر جو پہلے ہو چکا ہے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے (۲۳)

تفسیر الآیات

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ... الآیۃ ۲۳

ان دو آیتوں میں خدائے علیم وحکیم نے چند قسم (بارہ قسم) کی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو مردوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اور اس حرمت کے اسباب تین ہیں

۱۔ نسب ۲۔ رضاعت ۳۔ مصاہرت

چنانچہ پہلے ان عورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور ان کی تعداد سات ہے

اور وہ یہ ہیں

۱۔ مائیں اس میں دادی، نانی اور اس سے اوپر سب داخل ہیں

۲۔ بیٹیاں۔ اس میں پوتیاں، نواسیاں نیچے تک سب داخل ہیں

۳۔ بہنیں (اس میں سگی اور سوتیلی بہنیں) سب داخل ہیں

۴۔ پھوپھیاں

۵۔ خالائیں

۶۔ بھتیجیاں

۷۔ بھانجیاں

اسکے بعد ان محرمات کا تذکرہ ہو رہا ہے جو شرعی رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں اور وہ وہی سات رشتے ہیں جیسے ماں، بیٹی، بہن وغیرہ جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد گرامی ہے ''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب'' کہ شرعی رضاعت کی وجہ سے وہ سب کچھ حرام ہوتا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتا ہے اس کے بعد ان عورتوں کا تذکرہ ہے جو مصاہرت (علاقہ نکاح) کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔

۱۔ جیسے بیویوں کی مائیں (ساسیں)۔

۲۔ ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے صحبت کی جا چکی ہو اور اگر کسی عورت سے صرف نکاح ہوا ہو اور صحبت سے پہلے اسے طلاق دے دی جائے تو پھر اس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے۔

۳۔ ان بیٹوں کی بیویاں (بہوؤں) جو تمہاری پشت سے ہوں اس سے متبنی کی بیوی کی حرمت کو ختم کرنا مقصود ہے۔

اور یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا ہے۔

۴۔ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے مگر یہ حرمت دائمی نہیں ہے بلکہ اس وقت تک ہے کہ جب تک بیوی زندہ ہے یا نکاح میں ہے لیکن اگر وہ مر جائے یا اسے طلاق دے دی جائے تو عدت کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی اور حقیقی ہوں یا رضاعی۔ اس سے ثابت ہوا کہ سالی محرم نہیں ہے کیونکہ محرم وہ ہوتی ہے جس سے کبھی شادی نہ ہو سکے۔ مگر جو ہو چکا اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر سوتیلی ماؤں سے نکاح کی ممانعت کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے یعنی جو اسلام سے پہلے ہو چکا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو ہو چکا اب بھی برقرار رکھا جائے گا۔

حاشا وکلا (مجمع البیان)

آیات القرآن

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ
الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۲۴ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ
طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ
بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ
اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵

ترجمۃ الآیات

اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو شوہردار ہوں مگر وہ ایسی عورتیں جو (شرعی جہاد میں) تمہاری ملکیت میں آئیں۔ یہ آئین ہے اللہ کا جو تم پر لازم ہے۔ اوران کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہاری لئے حلال ہیں کہ اپنے مال (حق مہر) کے عوض ان سے شادی کرلو۔ بدکاری سے بچنے اور پاکدامنی کو قائم رکھنے کے لئے اوران عورتوں میں سے جن سے تم متعہ کرو تو ان

کی مقررہ اجرتیں ادا کردو۔ اور اگر زر مہر مقرر کرنے کے بعد تم آپس میں (کم وبیش پر) راضی ہوجاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بے شک اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (۲۴) اور تم میں سے جو شخص مالی حیثیت سے اس کی قدرت نہ رکھتا ہو کہ وہ (خاندانی) مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کر سکے تو وہ ان مسلمان لونڈیوں سے (نکاح کرلے) جو تمہاری ملکیت میں ہوں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم (اسلام کی حیثیت سے) سب ایک دوسرے سے ہو۔ پس ان (لونڈیوں) کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور بھلائی کے ساتھ ان کے حق مہر ادا کرو تاکہ وہ (قید نکاح میں آکر) پاکدامن رہیں اور شہوت رانی نہ کرتی پھریں۔ اور نہ ہی چوری چھپے آشنا بناتی پھریں۔ سو جب وہ قید نکاح میں محفوظ ہوجائیں تو اگر اب بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے آزاد عورتوں کی نصف سزا ہوگی۔ یہ رعایت (کہ خاندانی مسلمان آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو کنیز سے نکاح کرنے کا جواز) اس شخص کے لئے ہے جسے (نکاح نہ کرنے سے) بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر ضبط سے کام لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۲۵)

تفسیر الآیات

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ... الآیۃ

شوہر دار عورتیں بھی حرام ہیں، ماسوا ان کے جو تمہاری ملکیت میں آجائیں (اور انکے خاوند دار الحرب میں رہ جائیں) جس سے ان کا سابقہ نکاح ختم ہوجاتا ہے اور جس سپاہی کے حصہ میں آجائیں استبراء کے بعد اس کے لئے حلال ہوجاتی ہیں۔ یہ احکام اللہ نے تم پر فرض کردیئے ہیں اور ان (عورتوں) کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تم پر حلال ہیں بشرطیکہ تم انہیں اپنے مال سے اپنے حبالۂ عقد میں لے آؤ پاکدامن بننے کے لئے نہ کہ شہوت رانی اور زنا کار بننے کے لئے اس آیت کے الفاظ ''وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ'' نے ان بہت سے خود ساختہ حرام نکاحوں کا حلال ہونا واضح کردیا جن کو بعض لوگ اسلام ناشناسی کی وجہ سے حرام جانتے ہیں جیسے پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کا ایک عقد میں جمع کرنا یا جیسے بعض خاندانوں کا دوسرے بعض خاندانوں میں رشتہ کرنے کو حرام سمجھنا وغیرہ وغیرہ

ایک ضروری وضاحت

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔شوہردارعورت جب تک پہلے شوہر کے حبالۂ عقد میں ہے (ماسوا کنیز کے جومسلمان کی ملکیت میں آجائے) دوسرے شخص پرحرام ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک عورت ایک وقت میں ایک سے زیادہ شوہر نہیں رکھ سکتی۔تو جو بعض ملحدین یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر شوہر ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے تو ایک عورت ایک سے زیادہ شوہر کیوں نہیں رکھ سکتی؟ ان کا یہ احمقانہ مطالبہ علاوہ اس کے کہ نص قرآنی کے خلاف ہے عقل سلیم کے بھی خلاف ہے کیونکہ مرد کے لئے جہاں تعدد ازواج ایک نعمت ہے وہاں عورت کے لئے کثرت ازواج ایک مصیبت ہے اور جہاں شوہروں کے لئے بھی یہ فعل یقینا باعث ننگ وعار ہے۔وہاں اس سے سب سے بڑی معاشرتی خرابی یہ پیدا ہوگی کہ اس عقد وازدواج کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب معلوم نہیں ہوسکے گا کہ وہ کس کا بیٹا ہے؟ کیونکہ اس کی ماں سے تمتع حاصل کرنے والے جو ایک سے زیادہ اشخاص ہیں اور جب نسب ثابت نہیں ہوگا تو باہمی حقوق کا تعین کس طرح ہوگا؟ بہرحال یہ احمقانہ مطالبہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کا دین ودیانت کی طرح انسانیت اور غیرت کا بھی جنازہ نکل چکا ہو۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ... الآیۃ ۲۴

عقد متعہ کا جواز قرآن وسنت اور اہل اسلام کے اجماع کی روشنی میں

ہمارے مفسرین نے اس سے عقد متعہ مراد لیا ہے جس کے اوائل اسلام میں حلال ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے چنانچہ فاضل رازی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں ''ان الامة مجتمعة على ان نكاح المتعة كان جائزا فى الاسلام ولا خلاف فى الامة فيه'' تمام علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اوائل اسلام میں عقد متعہ جائز تھا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (تفسیر کبیر)

ابی بن کعب اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے ''فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى'' یعنی جن عورتوں سے تم ایک مقررہ وقت تک تمتع حاصل کرو یعنی متعہ کرو

بعد ازاں حرام ہوا ہے یا نہ؟

ہمارا موقف یہ ہے کہ حلال تھا، حلال ہے اور قیامت تک حلال رہے گا کیونکہ ''حلال محمد حلال الى يوم القيامة وحرامه حرام الى يوم القيامة'' (اصول کافی)

جس کی تائید مزید بخاری ومسلم کی رویات اور صحابہ کرام کے اقوال سے بھی ہوتی ہے مگر برادران

اسلامی اسے کئی بار حلال اور کئی بار حرام ٹھہراتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر غزوہ خیبر میں حرام کر دیا گیا اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال کر دیا گیا اور پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا (معارف القرآن بحوالہ تفسیر روح المعانی)

مگر نہ اس کی ناسخ آیت بتاتے ہیں اور نہ ہی اس طرح کسی چیز کے بارے میں حلال وحرام ہونے کی کوئی نظیر پیش فرماتے ہیں مگر مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ نے یہ کہہ کر اس کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا کہ وہ متعہ جسے خدا اور رسولؐ نے حلال کیا تھا (اور کئی صحابہ وصحابیات نے جس پر مدتوں تک عمل درآمد بھی کیا تھا) اسے انہوں نے اپنی ذاتی رائے سے حرام قرار دیا ہے اور آئندہ کرنے والوں کو سخت سزا کی دھمکی بھی دی ہے۔

''متعتان کانتا علی عهد رسول الله وانا احرمهما واعاقب علی من عاد متعة النساء ومتعة الحج'' (شرح تجرید قوشجی وتفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ وغیرہ)

اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے مجاہد سے تصریح نقل کی ہے کہ یہاں تمتع سے نکاح متعہ مراد ہے چنانچہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی ہیں یعنی نکاح المتعۃ (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۱۴)

اور علامہ وحید الزمان اپنے ترجمہ قرآن کی ذیلی تفسیر موسوم بہ تفسیر وحیدی کے حاشیہ نمبر ۱۴۲ پر لکھتے ہیں اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت نکاح متعہ کے باب میں اتری ہے متعہ شروع اسلام میں جائز تھا'' عمران بن حصین بیان کرتے ہیں:

''نزلت ایت المتعة فی کتاب الله ففعلناها مع رسول الله ولم نیزل قرآن یحرمه وهاینهه عنها حتی مات ثم قال رجل برایه ماشاء قال محمد یقال عمر''

یعنی کتاب اللہ میں متعہ (کے جواز) والی آیت نازل ہوئی اور ہم نے عہد رسالت میں متعہ کیا پھر نہ تو اس کی حرمت کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور نہ ہی حضرتؐ نے اپنی وفات تک اس کی ممانعت فرمائی یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا سو کہہ دیا۔

محمد کہتے ہیں کہ وہ شخص عمر ہیں (بخاری، ج ۳ ص ۷۱ طبع مصر)

جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ:

''کنا نستمتع بالقبضة من التمر والدقیق علی عهد رسول الله وعهد ابی بکر وعمر حتی نهی عنها عمر فی شان ابن حریث'' کہ ہم حضرت رسول خداؐ اور عہد ابی بکر اور عمر (کی خلافت کے اوائل میں) مٹھی بھر آٹا یا کھجور پر متعہ کرتے تھے، یہاں تک کہ عمر نے ابن حریث کے واقعہ

میں اس کی ممانعت کر دی (صحیح مسلم ج ا ص ۴۵۱ طبع مصر)

ان حقائق کی روشنی میں قرآن وسنت سے متعہ کا جواز روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ متعہ حرام کب ہوا اور کیوں ہوا؟

ہمارا موقف ہے کہ اسے خدا ورسولؐ نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ جناب عمرؓ نے کسی خاص مصلحت کے تحت کیا۔ چنانچہ فاضل سیوطی نے تاریخ الخلفاء باب اولیات عمر کے ضمن میں وضاحت کی ہے کہ ''اول من حرم المتعۃ'' یعنی جناب عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام قرار دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶ / ۱۳۷ طبع مصر)

اب مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جب خدا نے اسے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کا حق اپنے رسول مکرم کو بھی نہیں دیا تو جناب عمر کو یہ حق کس نے دیا؟ ع۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے۔ اسی بنا پر حضرت امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

''لولا ان عمر نهى عن المتعة مازنى الاشقى'' اگر عمر متعہ کی ممانعت نہ کرتے تو شاذ ونادر کسی شقی کے سوا کوئی شخص زنا نہ کرتا تفسیر کبیر (ج ۳ ص ۲۸۹ ودر منثور ج ۲ ص ۱۴۰)

عقد متعہ کے ارکان اربعہ کا بیان

جب نکاح متعہ بھی ایک قسم کا نکاح ہی ہے ہاں! البتہ اس میں اور نکاح دائمی میں بنیادی فرق دو ہیں:

ا۔ یہ کہ وہ دائمی ہے اور یہ موقت۔

۲۔ جب نکاح دائمی واقع ہو جائے تو موت یا طلاق کے بغیر جدائی نہیں ہو سکتی مگر نکاح متعہ میں موت کے علاوہ مدت کے ختم ہو جانے یا اس کے بخش دینے سے بھی جدائی ہو جاتی ہے۔ یہاں طلاق نہیں ہے۔ بہر حال جب یہ عقد نکاح ہے تو اس کے بھی ارکان اربعہ ہیں

ا۔ صیغہء عقد یعنی ایجاب وقبول

۲۔ حق مہر کا تعین اور اس کی ادائیگی

۳۔ مدت کا تعین

۴۔ اور اولیاء عقد ومحل متعہ یعنی وہ عورت جس سے متعہ کرنا مطلوب ہے نصوص وفتاویٰ کا اتفاق ہے کہ ہر وہ عورت جس سے نکاح دائمی ہو سکتا ہے اس سے نکاح متعہ بھی ہو سکتا ہے اور جو اولیاء نکاح دائمی میں ہیں وہی نکاح متعہ میں ہیں اور جو شرائط وہاں ہیں وہی یہاں ہیں ''حذو النعل بالنعل''

خلاصہ یہ کہ اس عقد منقطع کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوگی اس کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو عقد دائمی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور نکاح دائمی کی طرح بدکار عورت سے عقد متعہ کرنا بھی مکروہ ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ عفیفہ، مومنہ اور مامونہ سے کیا جائے۔ متعہ دوریہ وغیرہ بے بنیاد چیزوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ عقد دائمی کی طرح یہاں بھی عدت گذارنا لازم ہے اور یہاں عدت کے وہی احکام ہیں جو وہاں ہیں البتہ وہ عدت دو حیض یا پنتیالیس (۴۵) دن ہے مگر یہ کہ عورت یائسہ ہو۔

ایک غلطی کا ازالہ

خدا بیڑا غرق کرے غلط پراپیگنڈے اور کورکورانہ تقلید کا کہ مفتی اعظم کہلانے والا شخص بھی اس کا شکار ہو کر لکھتا ہے کہ متعہ کی صورت میں سفاح ہی سفاح ہوتا ہے کہ ایک عورت قلیل مدت میں متعدد اشخاص کے استعمال میں آتی ہے۔ اور بچہ کسی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا (معارف القرآن ص ۳۷۲)

حالانکہ اگر شیعی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا جائے تو نکاح کی طرح متعہ میں بھی قلیل مدت کے اندر عورت کے چند اشخاص کے استعمال میں آنے اور اس طرح بچہ کے کسی کی طرف منسوب نہ کئے جا سکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس عقد کے دیگر تفصیلات فقہی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جن میں سے ایک ہماری فقہی اور استدلالی کتاب قوانین الشریعہ بھی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ...الآية

مسلمان کنیزوں سے نکاح کرنے کے شرائط

چونکہ آزاد عورتوں کا حق مہر اور نان ونفقہ کنیزوں کی نسبت بہت زیادہ ہوا کرتا تھا جس کے برداشت کرنیکی ہر شخص استطاعت نہیں رکھتا تھا دوسری طرف کنیزوں سے نکاح کرنا عربوں میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔ تو اسلام نے یہ کہہ کر ''بعضکم من بعض'' تم ایک دوسرے کا جزء ہو (یعنی تم سب اولاد آدمؑ ہو اور سب کی حقیقت نوعیہ ایک ہے) اس خیال کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص آزاد اور مسلمان عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ مسلمان کنیزوں سے نکاح کر سکتا ہے اور اس میں اس کی کوئی کسر شان نہیں کیونکہ فضیلت کا دارومدار تقویٰ پر ہے نہ کہ آزاد وغلام ہونے پر اور اگر صبر کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں۔

۱۔ آزاد اور مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو۔

۲۔اور نکاح کے بغیر بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔تو اس صورت میں مسلمان کنیزوں سے نکاح کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہاں! البتہ جو کچھ اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جب ان دو شرطوں میں سے ایک شرط موجود ہو اور دوسری مفقود تو آیا اس صورت میں کنیز سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ؟ اس میں تین قول ہیں:

۱۔حرمت مطلقہ

۲۔جواز مع الکراھۃ

۳۔جس کے پاس آزاد عورت موجود ہو اس کے لئے کنیز سے شادی حرام ہے۔

اصح الاقوال پہلا قول ہے جس کی تائید ظاہر قرآن کے علاوہ بہت سی احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد ہے کہ ''اذا اضطر الیھا فلا بأس'' (کہ جب مضطر ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے) جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کے حبالہ عقد میں آزاد عورت موجود ہے اور تسکین شہوت کے لئے کافی ہے تو اس شخص کے لئے کنیز سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ روایت میں صراحت موجود ہے کہ "من تزوج امة علی حرة فنکاحه باطل'' جو شخص آزاد عورت کی موجودگی میں کنیز سے نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے (فروع کافی)

ہاں! البتہ اگر پہلے کنیز گھر میں موجود ہو تو پھر آزاد عورت سے نکاح کرنا بالاتفاق جائز ہے

توضیح:

بہر حال جب کوئی شخص کسی مسلمان کنیز سے نکاح کرنا چاہے تو اسے چند چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے

۱۔ان کے مالکوں اور سرپرستوں کی اجازت سے کرے۔

۲۔حق مہر ادا کرے یعنی ان کے مالکوں کو دے تاکہ وہ پاکدامن بن جائیں اور نہ اعلانیہ زناکاری کریں اور نہ پوشیدہ طور پر یار بنائیں جیسا کہ دور جاہلیت میں رائج تھا۔

مخفی نہ رہے کہ کنیز کے ساتھ ''المومنات'' کی قید لگانا اس بات کا ثبوت ہے کہ غیر مسلم عورتوں کے ساتھ عقد نکاح جائز نہیں ہے خواہ وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں سے ہوں یا کسی اور گروہ سے۔لہٰذا جو بعض فقہاء کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا عقد نکاح جائز جانتے ہیں۔اس سے ان کی رد ہو جاتی ہے کیونکہ کتابیہ عورت مومنہ نہیں ہوتی اس مسئلہ کی تفصیل فقہی کتابوں میں مذکور ہے

فَإِذَآ أُحۡصِنَّ...الآیة

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ان لوگوں کی طرف سے جو زنا کی سزا رجم کے منکر ہیں یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام میں آزاد اور شادی شدہ عورت کی سزا رجم ہے (جنہیں ''محصنت'' کہا جاتا ہے) تو اس کی نصف سزا کیا ہو سکتی ہے؟

پس اس سے معلوم ہوا کہ اس کی سزا سو کوڑے ہیں جس کا نصف پچاس کوڑے ہیں۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ **محصن**، **محصنہ**، اور **محصنات** وغیرہ الفاظ کا ماخذ **احصان** ہے جس کے لغوی معنی حفاظت کرنے اور روکنے کے ہیں اسی لئے قلعہ کو حصن اور زرہ کو درع حصینہ کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کو دشمن کے حملہ اور اس کے وار سے محفوظ رکھتے ہیں۔

بنابریں جو مرد اور عورت زنا کاری سے اپنی حفاظت کریں ان کو **محصن** اور **محصنہ** کہا جاتا ہے اب رہی اس بات کی تحقیق انیق کہ اس حفاظت کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ تتبع واستقراء سے درج ذیل اسباب معلوم ہوئے ہیں

۱۔ اسلام

۲۔ آزادی اور خاندانی ہونا

۳۔ فطری عفت و پاکدامنی

۴۔ بکارت

۵۔ ازدواج

ان اسباب میں سے ہر ایک سبب ایسا ہے جو آدمی کو بدکاری سے روکتا ہے اور پاکدامنی اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ لہٰذا ہر جگہ موقع ومحل اور قرینہ کی مناسبت سے اس لفظ کے معنی متعین کئے جائیں گے۔ چنانچہ اس آیت میں محصنت سے مراد وہ آزاد باکرہ لڑکیاں ہیں (جن کی سزا زنا کرنے کی صورت میں سو درے ہے جس کی نصف سزا یعنی پچاس درے کنیز کو دی جائیگی) اور یہ تعین سنت نبوی کے پیش نظر کیا گیا ہے جیسا کہ سابقہ آیت میں ''**والمحصنت من النسآء**'' میں اس سے مراد شوہر دار عورتیں ہیں اور چونکہ جسطرح اسلام آزادی، طبعی عفت، بکارت اور زواج بدکاری سے روکنے والے اور پاک دامنی پر آمادہ کرنے والے اسباب ہیں اس لئے اگر ان اسباب کی موجودگی میں کوئی مرد یا زن بدکاری کرے تو اس کی سزا کڑی ہے بالخصوص جبکہ زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں کہ اس کی سزا رجم ہے۔ جس کی تنصیف نہیں ہو سکتی اسی طرح غلام اور کنیز ہونا وہ اسباب ہیں جہاں گناہ کرنے کے مواقع زیادہ اور ان سے بچنے کے امکانات کم ہیں لہٰذا شریعت اسلامیہ میں غلام اور کنیز کی سزا

بہر حال خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کنوارے، آزاد آدمی کی سزا کا نصف قرار دی گئی ہے۔

فقہ جعفریہ کا بھی یہی ضابطہ ہے اور برادران اسلامی کے ائمہ اربعہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ کنیزوں کا حکم تو ''بعبارۃ النص'' مذکور ہے اور بطور ''دلالۃ النص'' غلام کا حکم بھی اسی سے معلوم ہوجاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس مرد یا عورت کو آزادی اور خاندانی حفاظت کے ساتھ ساتھ عقد وازدواج والی حفاظت بھی حاصل ہو یعنی شادی شدہ ہو جنہیں فقہی اصطلاح میں محصن ومحصنہ کہا جاتا ہے پھر بھی زنا کاری وبدکاری کریں تو ان کی سزا رجم (سنگسار کرنا) ہے اور جن کو آزادی اور خاندانی ہونے کی حفاظت تو حاصل ہو مگر نکاح کی حفاظت حاصل نہ ہو تو فقہ میں جنہیں غیر محصن اور غیر محصنہ کہا جاتا ہے اور پھر بدکاری کریں تو ان کی سزا سو درے ہے اور غلام اور کنیز بدکاری کریں تو ان کی سزا بہر حال مذکورہ بالا سزا کی نصف ہے۔ یعنی پچاس درے ہے۔ اور اس کی وجہ اوپر واضح کردی گئی ہے۔ والحمد اللہ علی وضوح الحق والحقیقۃ

غلامی کے نظام میں اسلام کی بعض اصلاحات کا تذکرہ

ایضاح: مخفی نہ رہے کہ غلام وکنیز کی سزا کا آزاد مرد وعورت کی سزا سے نصف ہونا بھی منجملہ ان اصلاحات کے ہے جو اسلام نے غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں کی ہیں ظاہر ہے کہ اسلام کی آمد اور نزول قرآن سے پہلے غلامی کی رسم ساری دنیا میں اس طرح رائج تھی کہ طاقتور قومیں کمزور قوموں کے افراد کو اپنا غلام بنالیتی تھیں۔ اور پھر ان کے ساتھ غیر انسانی اور وحشیانہ سلوک روا رکھتی تھیں۔ گو اسلام میں بھی اسے یکدم ختم تو نہیں کیا مگر اس میں ایسی مناسب اصلاحات کی ہیں کہ جس کے بعد غلام اور کنیزیں انسانی بلکہ اسلامی سوسائٹی کا ایک جزو بن گئے ہیں۔ مثلاً اسلام نے پہلی اصلاح تو یہ کی ہے غلامی کو صرف اسیران جنگ تک محدود کردیا ہے اور پھر بھی غلامی کے امکان کو کم کرتے ہوئے فرمایا:

''فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً'' (سورہ محمد آیت۔ ۴) کہ اسیروں کو فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے۔

اور دوسری اصلاح یہ کی ہے کہ غلاموں اور کنیزوں کے حقوق پر اس قدر زور دیا ہے کہ ان کے لئے وہ خصوصی قوانین مقرر کیے ہیں کہ اب غلامی اور کنیزی نہیں رہی اور اسی لئے اسلام نے کنیزوں سے نکاح کرنے کی رغبت دی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ انسان ہونے کے ناطے سے سب انسان برابر ہیں۔ ہاں! البتہ فضیلت اور تکریم کا معیار ایمان ونیک عمل اور تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے کہ:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

آیات القرآن

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۗ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ چاہتا ہے کہ (تم سے اپنے احکام) کھول کر بیان کردے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں پر چلائے جو تم سے پہلے گذرے ہیں اور تمہاری توبہ قبول کرے اللہ بڑا جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (۲۶) اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے مگر وہ لوگ جو خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (راہ راست سے بھٹک کر) بہت دور نکل جاؤ (۲۷) اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کرے (کیونکہ) انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (۲۸) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارتی معاملہ ہو۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے (۲۹) اور جو شخص ظلم وتعدی سے ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اسے آتش (دوزخ) میں ڈالیں گے اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (۳۰)

تفسیر الآیات

یُرِیۡدُ اللّٰهُ...الآیة۲۶

مطلب یہ کہ اس سورہ اور پہلی سورہ میں تمدن و معاشرت کی مختلف جو ہدایات دی گئی ہیں اور عورتوں کی حلت و حرمت کے بارے میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں اس سب کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ یہ ہدایات و احکام کوئی نئے نہیں ہیں اور شریعت اسلامیہ سے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ سابق انبیاء کی شریعتوں میں بھی آچکے ہیں اور اللہ کے صالح اور نیکوکار بندے ان پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔

ہاں! البتہ دور جاہلیت میں انہیں طاق نسیان کی زینت بنادیا گیا تھا اور قرآن میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرکے ان کی از سر نو تجدید اور توثیق کردی گئی ہے۔ اور یہ سب احکام شریعت اسلامیہ کا حصہ بن گئے ہیں جس کی پیروی ہم سب پر واجب ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ پہلے والوں کے طریقہ پر لگانا۔ صرف حلال وحرام کے امتیاز کے عام پہلو کے لحاظ سے ہو جس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ حلال وحرام کی پابندی بالکل وہی ہو جو شرائع سابقہ میں تھی (فصل الخطاب بحوالہ تفسیر تبیان)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زندگی گذارنے کے جو طریقے قرآن میں بیان کئے گئے ہیں وہ کوئی نئے نہیں ہیں بلکہ خدائے حکیم ہر دور میں اپنے نبیوں کے ذریعے سے ان کا اعلان کراتا رہا ہے اور ہر دور کے دیندار لوگ ان پر عمل کرتے رہے ہیں۔ البتہ قدیم آسمانی کتابوں کے تغیر و تبدل سے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے یہ ہدایات و احکام بھی محفوظ نہ رہے تھے تو اب خدائے علیم و حکیم نے اپنے آخری پیغمبر رحمۃ للعالمین پر ان کو نازل کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انہیں محفوظ کردیا۔ تو گویا آج جو شخص یا جو گروہ ان طریقوں کے سانچہ میں اپنی زندگی ڈھالتا ہے تو گویا وہ اس صالحین کی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے جس کو اللہ کی بے پایاں رحمتوں میں سے وافر حصہ ملا تھا اور وہ ہر دور میں اللہ کے اسی راستہ پر چلی جو اس نے اپنے اطاعت گذار اور وفادار بندوں کے لئے مقرر کیا تھا۔

وَ اللّٰهُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ...الآیة۲۷

خدا تَوَّابٌ وَّرَحِیۡمٌ ہے

اللہ تو یقیناً چاہتا ہے کہ لوگ اپنی سابقہ غلط روش و رفتار پر نادم ہوں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ و انابہ کریں اور اسلامی تعلیمات و ہدایات اور قرآنی اوامر و احکام پر عمل کریں تا کہ خدائے تواب ان کی توبہ قبول

فرمائے۔

خواہشات کے بندے تمہیں راہ راست سے بھٹکانہ چاہتے ہیں

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ خواہشات کے بندے کون ہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ یہ کافر ہیں بعض کا خیال ہے یہ یہود ونصاریٰ ہیں؟

بعض کا خیال ہے کہ یہ زنا کار گنہگار اور فاسق وفاجر ہیں ارجح یہ ہے کہ اسے عموم پر محمول کیا جائے اور اس سے تمام ادیان باطلہ اور مذاہب فاسدہ سے تعلق رکھنے والے وہ بدکار و گنہگار اور جری وجسور لوگ مراد لئے جائیں جنکی نظر میں گناہ وثواب اور حلال وحرام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان میں سے کچھ نکاح کی قیدوں کو ختم کر کے عورت کو متاع مشترک ہونے کی قرارداد یں پاس کر رہے ہیں اور ہر قسم کی دینی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہتے ہیں اور ان میں کچھ وہ ڈھلمل یقین لوگ بھی شامل ہیں جو چاہتے ہیں کہ دین میں اس قسم کی رخصتیں تلاش کریں تاکہ وہ رند کے رند بھی رہیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے۔ ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی راہ راست سے بھٹکا کر اپنی کجروی کی طرف متوجہ ومائل کریں کیونکہ آدمی کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ وہ جیسا خود ہوتا ہے وہ اپنے اردگرد کے ماحول اور اپنے دوست واحباب کو بھی ویسا ہی دیکھنا چاہتا ہے ارشاد قدرت ہے:

''وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآء''۔ یہ کافر لوگ پسند کرتے ہیں ان کی طرح تم بھی کفر اختیار کرو تاکہ پھر سب برابر ہو جاو (سورہ نساء آیت۔۸۹)

وَدُّ وْالَو كَفَر نَا فَاسْتَوِيْنا
وَصَارَ النَّاس كَالشِئِ المشُوْبِ

تو خدائے رحیم کریم از راہ لطف وکرم اپنے بندوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے اور ان کے دام ہم رنگ زمین سے بچنے کی تلقین فرمارہا ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین وایمان پر غیر شعوری طور پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

يُرِيْدُ اللهُ...الآية

چونکہ خالق فطرت جانتا ہے کہ انسان جسم وجان کے لحاظ سے بھی کمزور ہے اور عزم وارادہ کے اعتبار سے بھی کمزور واقع ہوا ہے اور پھر اس میں قوت غضبیہ، وشھویہ بھی موجود ہے اس لئے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام میں انسانی سہولت کا خاص خیال رکھا ہے اور ان میں کوئی ایسی سختی روا نہیں رکھی جو انسان کی طاقت

برداشت سے باہر ہو بالخصوص عقدوازدواج کے بارے میں بڑے سہل احکام وضع فرمائے ہیں۔آزادعورتوں سے نکاح کرو۔اس کی طاقت نہ ہوتو کنیزوں سے کرلو اور اگر ایک سے حاجت برآری نہ ہوتو پھر دو۔دو۔تین۔تین اور چار چار کرلو۔بشرطیکہ عدل اسلامی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔پھر مہر میں یہ چھوٹ دی کہ اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کی بلکہ طرفین کی رضامندی سے جو طے ہوجائے وہی کافی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ باتیں اسلام میں جبر اور تکلیف مالا یطاق کے بطلان کا بہترین برہان ہیں۔''یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ''(سورہ بقرہ آیت۔۱۸۵)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہاری آسائش چاہتا ہے تمہاری تنگی وتکلیف نہیں چاہتا اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان احکام پر عمل نہیں کرتا تو یہ اس کی حرماں نصیبی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...الآیۃ

اس آیت مبارکہ کا پہلا حصہ(لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ)قبل ازیں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۸ میں گذر چکا ہے اور وہیں اس کی تفسیر لکھی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلامی تجارت کا تذکرہ

ہاں!البتہ یہاں اس میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ''اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ''مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی تجارتی معاملہ ہو۔یہ استثناء منقطع ہے یعنی اکل مال بالباطل تو کسی صورت میں جائز نہیں ہے ہاں!البتہ جو اکل المال بالباطل نہ ہو جیسے باہمی رضامندی والا تجارتی معاملہ ہو تو وہ جائز ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کسب حلال،اکل حلال اور صدق مقال پر بڑا زور دیتا ہے اور اکل المال بالباطل یعنی ناحق طریقہ سے کسی کا مال کھانے سے پوری شدت کے ساتھ منع کرتا ہے اور یہ لفظ ''بالباطل'' ان تمام صورتوں کو شامل ہے جو شرعاً ممنوع ہیں جیسے دھوکہ دہی،فریب کاری،چوری چکاری،راہزنی وڈاکہ زنی،غصب ونہب،خیانت وبددیانتی،سود ورشوت اور قمار بازی وغیرہ فاسد وباطل معاملات ہیں جن کی تفصیلات کتب فقہ وحدیث میں مذکور ہیں تجارت کے علاوہ بعض اور بھی جائز طریقے ہیں جیسے ھبہ،صدقہ اور میراث وخیرات اور اجارہ وغیرہ مگر ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرنے کا معروف ومشہور اور متداول اور کسب معاش کا افضل طریقہ تجارت ہی ہے اس لئے اس کی تصریح کی گئی ہے۔ویسے بعض مفسرین کی تحقیق کے

مطابق اجارہ یعنی مزدوری اور کرایہ کا معاملہ بھی تجارت میں داخل ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ تجارت میں مال کے بدلے مال ہوتا ہے اور یہاں خدمت اور محنت کے بدلے مال ہوتا ہے۔

تجارت کا طریقہ کار کیا ہے؟ اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

اور اس کے حدود و قیود کیا ہیں۔ ان امور کی تفصیل کا محل تفسیر نہیں ہے بلکہ فقہ ہے وہاں یہ تفصیلات ملیں گی کہ

(الف) دونوں طرف مال تو موجود ہے مگر فریقین راضی نہ ہوں تو یہ معاملہ باطل ہے۔

(ب) ایک طرف مال موجود ہے مگر دوسری طرف موجود نہ ہو بلکہ مشکوک ہو تو تب بھی یہ معاملہ باطل ہے

(ج) ایک جانب رضامندی ہو مگر دوسری جانب سے رضامندی نہ ہو تو یہ معاملہ فاسد ہے

(د) رضامندی ہو مگر بامر مجبوری ہو جیسے **احتکار** کی صورت میں گراں فروشی میں ہوتا ہے تو یہ معاملہ بھی فاسد ہے

(ح) یا جنس قبضے میں لینے سے پہلے آگے نفع پر فروخت کر دینا کہ یہ معاملہ بھی ناجائز ہے وغیرہ وغیرہ الغرض اسلام ایسی صاف ستھری تجارت اور کاروبار کی اجازت دیتا ہے جس کی ادیان عالم میں کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔ خلاصہ یہ کہ اسلام ناجائز طریقہ پر کسی کا مال کھانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ ہاں! اگر ملی جلی تجارت ہو تو پھر باہمی رضامندی سے ہر شخص اپنا حصہ لے سکتا ہے اور بخوشی کھا سکتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا...الآیۃ

اس ممانعت میں جہاں دوسرے مسلمانوں کو ناحق قتل کرنا داخل ہے وہاں خودکشی بھی اس میں داخل ہے اور بعض اخبار و آثار کے مطابق قتل کی اس میں ایک اور قسم بھی داخل ہے کہ بعض غزوات میں بعض مسلمان جوش جہاد میں حضرت رسول خداؐ سے اجازت لئے بغیر مشرکین سے بھڑ جاتے تھے یا پھر قتل کرتے تھے یا قتل ہو جاتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو ایسا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے (تفسیر قمی)

حضرت امیر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسولؐ سے پوچھا کہ جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو اس پر پٹی بندھی ہوئی ہو وہ وضو کس طرح کرے اور جب جنب ہو جائے تو غسل جنابت کس طرح کرے؟

فرمایا: اس صورت میں پٹی پر گیلا ہاتھ پھیرنا کافی ہے۔

پھر عرض کیا کہ اگر ایسی سردی ہو کہ اگر جسم پر پانی ڈالا گیا تو جان کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

تو اس پر آنحضرتؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ''وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا'' مطلب یہ کہ ایسی صورت میں غسل کے بدل تیمم کیا جائے غسل نہ کیا جائے (تفسیر عیاشی۔الوسائل)

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ جان خالق کون و مکان کی وہ مقدس امانت ہے کہ اس کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی طرح بھی اس کا اتلاف وضیاع جائز نہیں ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: ''وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ'' (سورہ بقرہ آیت۔۱۹۵) اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔مخفی نہ رہے کہ اس آیت مبارکہ میں ایک مسلمان کے نفس کو اپنا نفس کہا گیا ہے کیونکہ وہ ایک ہی ملت کے افراد ہیں اور پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ ''المومنون کنفس واحدۃ'' کہ تمام مسلمان بمنزلہ ایک نفس کے ہیں (تفسیر ابوالفتوح رازی)

بنا بریں اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرے گا تو اس سے اس کا اپنا نقصان ہوگا۔اس سے اگر کوئی بچہ یتیم ہوگا تو اسی کی ملت کا، اگر کوئی عورت بیوہ ہوگی تو وہ اسی کی مسلمان بہن ہوگی اور اگر اس سے ایک گھر تباہ و برباد ہوگا تو اسی کی مسلم برادری کا لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ع

چراکارے کند عاقل که باز آید پشیمانی

وَمَنْ يَّفْعَلْ...الآية

جو شخص ظلم و تعدی سے ایسا کرے گا یعنی کسی کا مال ناحق دبا جائے گا یا کسی مسلمان کا ناحق خون بہائے گا یا اپنی جان کا ضیاع کرے گا تو ہم اس کو آتش دوزخ کا مزہ چکھائیں گے اور یہ بات قادر مطلق خدا کے لئے بالکل آسان ہے، مخفی نہ رہے کہ اس ظلم و عدوان کی قید سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص خطاء وسہو یا سہو و نسیان کی وجہ سے کوئی ایسا کام واقدام کرے گا تو وہ اس وعید و تہدید سے بچ جائے گا اور اس وزر و وبال سے محفوظ رہے گا۔

آیات القرآن

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ

عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ
عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ۧ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ
لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ
وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

ترجمۃ الآیات

اگر تم ان بڑے (گناہوں) سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری (چھوٹی) برائیاں دور کردیں گے (معاف کردیں گے) اور تمہیں ایک معزز (جنت) میں داخل کریں گے (۳۱) اور اللہ نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض پر جو زیادتی (بڑائی) عطا کی ہے تم اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کا حصہ ہے (مال واعمال وغیرہ سے) جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کا حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کے فضل وکرم کا سوال کرو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (۳۲) اور مال کے لئے ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں جو کچھ ماں، باپ اور قریب ترین رشتہ دار اور جن سے تم نے عہد وپیمان کررکھا ہے چھوڑ جائیں انہیں (وارثوں کو) ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ (مطلع) ہے (۳۳) مرد عورتوں کے محافظ ومنتظم (حاکم) ہیں (ایک) اس لئے کہ اللہ نے بعض (مردوں) کو بعض عورتوں پر فضیلت دی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد (عورتوں پر) اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں سو نیک عورتیں تو اطاعت گذار ہوتی ہے اور جس طرح اللہ نے (شوہروں کے ذریعے) ان کی حفاظت کی ہے

اسی طرح پیٹھ پیچھے (شوہروں کے مال اور اپنی ناموس کی) حفاظت کرنیوالی ہوتی ہیں اور وہ عورتیں جن کی سرکشی کا تمہیں اندیشہ ہو انہیں (نرمی سے) سمجھاؤ (بعد ازاں) انہیں ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دو اور (آخر کار) انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان کے خلاف کوئی اور اقدام کرنے کے راستے تلاش نہ کرو۔ یقینا اللہ (اپنی کبریائی میں) سب سے بالا اور بڑا ہے۔ (۳۴)

تفسیر الآیات

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا ...الآیۃ

گناہان کبیرہ وصغیرہ کا بیان

ارباب شریعت کی اصطلاح میں گناہان کبیرہ اور گناہاں صغیرہ کی دو لفظیں عام استعمال ہوتی ہیں یعنی گناہ دو قسم کے ہیں بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ یہاں خدائے رحیم وکریم نے وعدہ کیا ہے کہ اگر تم گناہان کبیرہ سے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے گناہان صغیرہ معاف کردیں گے۔ اور چھوٹی لغزشیں اور کمزوریاں محو کردی جائیںگی اور یہ اصطلاح قرآن کی متعدد آیات اور احادیث کی متعدد تصریحات میں وارد ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

''لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً اِلَّاۤ اَحۡصٰہَا'' اس نامہ اعمال نے کوئی صغیرہ یا کبیرہ نہیں چھوڑا سب کا احصا کردیا ہے (کہف آیت۔ ۴۹)

ایک اور جگہ فرماتا ہے: ''اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ'' جولوگ ماسوائے معمولی صغیرہ گناہوں کے بڑے گناہوں اور فحش کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ (سورہ نجم آیت۔ ۳۲)

یہاں ''لمم'' سے بالاتفاق گناہاں صغیرہ مراد ہیں ایک جگہ فرماتا ہے:

''وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ'' اللہ نے تمہارے لئے کفر، فسوق، اور عصیان کو ناپسند کیا ہے۔ (سورہ حجرات آیت۔ ۷)

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ منہیات کی تین قسمیں ہیں

۱۔ کفر۔ ۲۔ فسوق جس کا مطلب گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرنا ہے۔

۳۔ عصیان جس کا مفہوم گناہان صغیرہ کا ارتکاب کرنا ہے (تفسیر کاشف)

اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ''لا کبیرة مع الاستغفار ولا صغیرة مع الاصرار '' یعنی توبہ واستغفار کرنے سے گناہ کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا (معاف ہوجاتا ہے) اور اصرار وتکرار سے گناہ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔(کبیرہ ہوجاتا ہے) اسی بنا پر فقہی کتابوں میں عدالت کی تعریف میں لکھا ہے کہ عادل وہ ہے جو گناہاں کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور گناہان صغیرہ پر اصرار نہ کرے یہاں قابل غور بات صرف یہ ہے کہ کبیرہ وصغیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور پھر گناہان کبیرہ کس قدر ہیں؟

کبیرہ وصغیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور پھر گناہان کبیرہ کس قدر ہیں؟

ظاہر ہے کہ قرآن نے تو اس کی کوئی حد بندی نہیں فرمائی اور نہ ہی کچھ گناہاں کبیرہ کے نام گنوائے ہیں مگر وارثان قرآن یعنی آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث میں اس کا معیار یہ قرار دیا گیا ہے کہ ہر وہ گناہ جس کے ارتکاب پر خدا نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے یا جس کی شریعت نے حد مقرر کی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو ایسا نہیں ہے وہ گناہ صغیرہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ گناہان کبیرہ کیا ہیں؟ تو فرمایا'' کل شئ وعد الله علیه النار '' ہر وہ گناہ جس پر خدا نے آتش دوزخ کی وعید فرمائی ہے۔(عیاشی، برہان، صافی، البحار)

اور حضرت امام موسی کاظمؑ ''ان تجتنبوا کبائر '' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''من اجتنب ما وعدالله علیه النار اذا کان مومنا کفر الله عنه سیئاته'' جب کوئی بندہ مومن ان گناہوں سے اجتناب کرتا ہے جن پر خدا نے دوزخ کی تہدید کی ہے تو خدا اس کے چھوٹے گناہ معاف فرمادے گا۔(ایضاً)

حضرات معصومین علیہم السلام کے ان فرامین سے اس اختلاف کا خاتمہ ہوجانا چاہیے جو علماء کرام میں پایا جاتا ہے کہ کوئی کہتا ہے کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے بلکہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ یہ تقسیم اضافی ہے یعنی کہ ہر گناہ اپنے بڑے گناہ کی نسبت سے صغیرہ ہے اور اپنے سے چھوٹے کی نسبت سے کبیرہ ہے جیسے نامحرم عورت پر نگاہ بد ڈالنا گناہ کبیرہ ہے مگر بوس وکنار کی نسبت سے صغیرہ ہے پھر بوس وکنار گناہ کبیرہ ہے مگر زنا کی نسبت سے صغیرہ ہے۔ پھر عام زنا گناہ کبیرہ ہے مگر محارم سے زنا کی نسبت صغیرہ ہے''وعلی هذاالقیاس''

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ گناہان کبیرہ کی تعداد کس قدر ہے؟ تو بعض حدیثوں میں نام لے کر بعض گناہوں کی فہرست بتائی گئی ہے مگر ان حدیثوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور بظاہر یہ اختلاف کبائر اور اکبر الکبائر کے اختلاف پر محمول ہے۔ بہر حال اس سلسلہ میں ہم ایک مبسوط ومفصل حدیث پیش کرنے پر اکتفا

کرتے ہیں جس میں سب سے زیادہ یکجا گناہان کبیرہ بیان کئے گئے ہیں''شاہزادعبدالعظیم بن عبداللہ حسنی حضرت امام محمد تقیؑ سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت امام علی بن موسی الرضاؑ سے اور وہ اپنے والد ماجد امام موسی کاظمؑ سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک بار''عمرو بن عبید بصری''(برادران اہلسنت میں سے معتزلہ کا مقتدر عالم) حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کرکے بیٹھ گیا اور پھر اس آیت کی تلاوت کی''الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش''اور خاموش ہوگیا۔ امامؑ نے فرمایا! خاموش کیوں ہوگئے ہو؟ عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ کتاب اللہ کی روشنی میں پتہ چلے کہ گناہان کبیرہ کیا ہیں؟ امامؑ نے فرمایا ہاں! اے عمرو!

۱۔ اکبر الکبائر شرک ہے چنانچہ اس کے بارے میں خدا فرماتا ہے''ان اللہ لا یغفر ان یشرك به''نیز فرماتا ہے''ومن یشرك باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة''

۲۔ اللہ کی رحمت سے ناامیدی۔ چنانچہ فرماتا ہے''ولا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون''

۳۔ اللہ کے مکروعذاب سے مامون ہونا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے''ولا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون''

۴۔ والدین کی نافرمانی چنانچہ خدا نے ماں باپ کے عاق کو جبار وشقی قرار دیا ہے فرماتا ہے''وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا''

۵۔ قتل مومن چنانچہ فرماتا ہے''ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جهنم خالدا فیها''

۶۔ مومنہ عورتوں پر تہمت زنا لگانا چنانچہ فرماتا ہے''ان الذین یرمون المحصنت الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرة ولهم عذاب عظیم''

۷۔ یتیم کا مال کھانا چنانچہ فرماتا ہے''ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا''

۸۔ میدان جہاد سے فرار کرنا چنانچہ فرماتا ہے''ومن یولهم یومئذ دبره الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئة فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جهنم وبئس المصیر''

۹۔ سودخواری چنانچہ فرماتا ہے''الذین یاکلون الرباء لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس'' نیز فرماتا ھے '' فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ

ورسوله"

۱۰۔جادوکرنا چنانچہ فرماتا ہے"ولقد علموا لمن اشتراہ ماله فی الاخرة من خلاق"

۱۱۔زنا کاری۔چنانچہ فرماتا ہے"ومن یفعل ذلك یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانا"

۱۲۔جھوٹی قسم کھانا۔چنانچہ فرماتا ہے"ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمناً قلیلا اولئك لا خلاق لهم فی الاخرة"

۱۳۔ مال غنیمت میں خیانت کرنا چنانچہ خدا فرماتا ہے"ومن یغلل یات بما غل یوم القیامة"

۱۴۔زکوۃ ادا نہ کرنا چنانچہ فرماتا ہے"یوم یحمی علیها فی نار جهنم فتکوی بها جباههم وجنوبهم وظهورهم"

۱۶۔شراب خواری۔چنانچہ خدا اسے بت پرستی کے ساتھ ملا کر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے"انما الخمر والمیسر والازلام والانصاب رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون"

۱۷۔نماز فریضہ یا اللہ کے دیگر فرائض کا ترک کرنا چنانچہ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں" من ترك الصلوة متعمدا فقد برئ من ذمة الله وذمة رسوله"

۱۸۔عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرنا چنانچہ خدا فرماتا ہے"الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل" نیز فرماتا ہے "یا ایها الذین امنوا اوفو ا بالعقود"

۱۹۔قطع رحمی کرنا چنانچہ فرماتا ہے"اولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار" راوی کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام کا یہ کلام حق ترجمان سن کر عمرو بن عبید اس طرح بارگاہ امام سے باہر نکلا کہ بآواز بلند گریہ و بکا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ"هلك من قال بر ائه وناز عکم فی الفضل والعلم یا اهل بیت"اے اہل بیت نبوت وہ شخص ہلاک ہوگیا جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کوئی بات کی وار فضل وکمال میں آپ سے جھگڑا کیا (تفسیر مجمع البیان وکاشف وغیرہ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز فریضہ کے علاوہ دوسرا مسلمہ اسلامی فرائض کا ترک کرنا بھی

گناہان کبیرہ میں داخل ہے فتدبر

وَلَا تَتَمَنَّوْا...الآیۃ

دنیا کی ہر دو چیزوں میں فرق مراتب ہے

تیسرے پارہ کے آغاز میں اس بات پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے کہ خالق حکیم نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے کائنات کی ہر ہر جنس، ہر ہر نوع اور ہر ہر صنف اور پھر ہر ہر فرد میں مدارج ومراتب کا فرق رکھا ہے اور دنیا جہاں کی کوئی بھی دو چیزیں ہر لحاظ سے برابر نہیں ہیں اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے

نعمات وکمالات کی دو قسمیں ہیں اختیاری اور غیر اختیاری

مگر یہ فرق مراتب اور کمالات میں اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ جس کا انسان کے کسب واکتساب اور اختیار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسے شکل وصورت، ذہانت وفطانت، اور حسب ونسب وغیرہ کا اختلاف۔ کہ کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت، کوئی ذہین وفطین ہے اور کوئی کند ذہن اور کوئی کسی اعلیٰ خاندان کا چشم و چراغ ہے اور کوئی ادنی خاندان کا فرد کوئی زیادہ جسمانی اور ذہنی قوتوں کا مالک ہے اور کوئی کم کا ظاہر ہے کہ ان کمالات میں انسان کا کوئی دخل رل نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی دین ہے ”ذلك فضل الله يوتيه من يشاء“ اسی لئے ان چیزوں کو انسانی مجد وشرف کا معیار قرار نہیں دیا گیا یہ سب دنیوی اہمیت کی حامل چیزیں ہیں جو دنیا میں ملی ہیں اور دنیا میں ہی رہ جائیں گی اخروی فوز وفلاح کا تعلق تو ایمان وعمل کے ساتھ ہے جو آدمی اپنے عزم وارادہ کے ساتھ اختیار کرتا ہے ”ان اکرمکم عند الله اتقاکم“ لہٰذا جس شخص کو خالق حکیم نے اپنی کسی تکوینی حکمت ومصلحت کے تحت ان انعامات سے محروم رکھا ہے اگر وہ یہ تمنا کرے کہ وہ بھی اس جیسا بن جائے جسے ان احسانات سے نوازا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک خیال محال ہے کیونکہ وہ کسی طرح بھی کسی انسانی حیلہ وتدبیر سے ان چیزوں کو حاصل نہیں کرسکتا اسلئے خدا نے ایسی تمنا وآرزو کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ وہ ایسی تمنا کرکے اپنی خوشگوار زندگی کو تلخ نہ بنائے بلکہ اپنی قسمت پر راضی رہے اور یقین رکھے کہ اسی میں اس کی بہتری ہے کیونکہ جہاں اس چیز کا حصول ناممکن ہے وہاں یہ تمنا کرنا دراصل خدا کی عادلانہ تقسیم پر ناراضگی بھی ہے اور اگر ایسا شخص یہ چاہے کہ اگر یہ چیزیں مجھے حاصل نہیں ہوسکتیں تو پھر وہ اس شخص سے بھی چھن جائیں جسے حاصل ہیں تاکہ یہ اور وہ برابر ہو جائیں تو اس چیز کا نام حسد ہے جس کے بارے میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

”لا تحاسدوا فان الحسد یاکل الایمان کما تاکل النار الحطب“ (آپس میں حسد نہ

کرو۔ کیونکہ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْب...الآية

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کی شان نزول میں وارد ہے کہ عورتوں کا ایک نمائندہ وفد حضرت رسول خداؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا خدا مردوں کا خدا ہے اور عورتوں کا خدا نہیں ہے؟ فرمایا سب کا خدا ہے پھر عرض کیا کیا آپ مردوں اور عورتوں کے رسول نہیں ہیں؟ فرمایا کہ ہاں میں سب کا رسولؐ ہوں۔ عرض کیا پھر کیا وجہ ہے کہ خدا ہر جگہ مردوں کا تذکرہ کرتا ہے ہمارا کہیں تذکرہ نہیں کرتا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ شاید ہم میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہے یا خدا کو ہماری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ للرجال نصیب مما اکتسبوا۔ الایۃ۔ (مجمع البیان) اس آیت مبارکہ نے دو چیزیں واضح کردی ہیں ایک یہ کہ مرد کی طرح عورت کو بھی مال ودولت کمانے کا شرعاً حق حاصل ہے اور وہ مرد کی طرح اپنی کمائی کی مالک بھی ہے اور اس میں تصرف کرنے کا اسے حق بھی حاصل ہے اس سے اس تفریق کا خاتمہ ہوجاتا ہے جو صدیوں سے مرد وزن کے درمیان قائم تھی۔ دوسرے یہ کہ جن فضائل وکمالات کا انسانی اکتساب واختیار سے تعلق ہے جیسے علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات جن پر انسانی مجد وشرف کا دارومدار ہے ان کے حاصل کرنے میں بھی مرد کی طرح عورت کو بھی حق حاصل ہے اور مرد کی طرح اسے بھی اس کی سعی وکوشش کا ثمر وحصہ ضرور ملتا ہے لہٰذا عورت کے لئے عورت ہونا کوئی باعث ننگ وعار بات نہیں ہے بلکہ تکوینی مصلحتوں کے پیش نظر مرد وزن کا وجود ناگزیر ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ع

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

سب کو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کا سوال کرنا چاہیے اور اسکے حاصل کرنے کے لئے عملی کدوکاوش بھی کرنی چاہیے بہرحال ارشاد قدرت ہے ''اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِنْ بَعْضٍ'' (آل عمران آیت۔ ۱۹۵)

اِنَّ اللّٰهَ...الآية

اس فقرہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ جس کو جس پر فضیلت اور زیادتی عطا کرتا ہے اپنی عدالت وریاست کے مطابق کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کا کون مستحق ہے اور کون مستحق نہیں۔ وہ بلاوجہ ہرگز ایسا نہیں کرتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ

توفیق با ندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ بنا تھا

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا ...الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس نے ہر مرنے والے مرد و زن کے لئے وارث بنائے ہیں جو اس کی موت کے بعد اس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کے وارث ہوتے ہیں "واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله" اور ان میں یہی (اقرب وابعد والا قانون جاری ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم الارث متصور ہوتا ہے اب اس آیت مبارکہ میں وراثت نسبی اور سببی کی دونوں قسمیوں کے مورث کے ہر سہ گانہ اقسام کا بیان کیا جارہا ہے۔ کہ مرنے والے (مورث) تین قسم کے ہوتے ہیں۔

ا۔ ماں باپ۔ جن میں دادا، دادی اور نانا، نانی داخل ہیں

۲۔ قریب ترین رشتہ دار جن میں اولاد بھائی بہن اور چچے و ماموں اور ان کی اولاد داخل ہیں

۳۔ جس کے اور وارث کے درمیان کوئی خاص یا عام عقد وعہد واقع ہوا ہو جیسے عقد نکاح (جس کے میاں بیوی مراد ہیں عقد ملک (جس سے مالک اور مملوک مراد ہیں) جہاں مالک غلام کو آزاد کردے کہ جب یہ آزاد کردہ غلام مرجائے اور اس کا کوئی رشتہ دار وارث نہ ہو تو یہ آزاد کرنے والا اس کا وارث ہوگا۔ عقد ضمان۔ جریرہ جس سے وہ دو حلیف مراد ہیں جو ایکدوسرے کی جنایت کا تاوان ادا کرنے کے ضامن ہوتے ہیں کہ اس صورت میں جب ضامن کے سوا کوئی وارث نہ ہو تو وہ وارث متصور ہوگا)

اور عقد اسلام اور اس سے وہ عام عہد مراد ہے جو ایک مسلمان اور پیغمبر اسلامؐ کے درمیان یا ایک ماموم اور اس کے امام کے درمیان واقع ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسا مسلمان مرجائے جس کا اور کوئی وارث نہ ہو تو نبی یا ان کی قائمقام یعنی امام اس کے وارث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا! "انا وارث من لاوارث له" جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا میں وارث ہوں (تفسیر کاشف) اس ارشاد خداوندی سے بھی اس بات کی تائید مزید ہوتی ہے کہ "النبی اولی بالمومنین من انفسهم" (احزاب) یہ سب آخری وارث اس فقرہ "والذین عقدت ایمانکم" (جن سے تم نے عہد و پیاں کر رکھا ہے یا جنہیں تمہاری قسموں نے باہم وابستہ کر رکھا ہے) میں داخل ہیں بنا بریں "والذین عقدت ایمانکم" جملہ مستانفہ اور مبتداء و خبر نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر و بیشتر مترجمین ومفسرین نے اس کا ترجمہ وتفسیر کی ہے بلکہ اس کا "الوالدان والاقربون"

پر عطف ہے اور ترک کا فاعل ہے لہٰذا والاقربون پر وقف جائز نہ ہوگا اور بنا بریں ''واتوھم نصیبھم'' میں ''ھم'' کی ضمیر کا مرجع موالی ہوگا اور اس کا تعلق تمام وارثوں سے ہوگا۔ کہ ان سب کو ان کا مقررہ حصہ دے دو۔ والدین بھائی، بہنوں اور زن شوہر کی وراثت کا تذکرہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۱، ۱۲ میں گذر چکا ہے۔ اور تفصیل فقہی کتابوں کے باب المیراث میں مذکور ہے۔ مگر اکثر مترجمین ومفسرین کے نظریہ کے مطابق ''والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم'' مبتدا وخبر مستقل جملہ ہے جس کا اس کے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو تم نے اپنا حلیف بنایا ہے ان کا حصہ انہیں ادا کرو۔ بنا بریں حلیفوں کو میراث میں سے حصہ دینے کا حکم تھا جو بعد میں آیت ''واولو الارحام بعضھم اولیٰ من بعض'' سے منسوخ ہوگیا۔ ہماری ناچیز تحقیق کے مطابق پہلا مفہوم ''اصح وارجح'' ہے جسے علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اور فاضل محمد جواد مغنیہ نے اپنی تفسیر الکاشف میں اختیار کیا ہے۔ مگر وارثان علم قرآن کی حقیقی تفسیر کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے مفہوم کو بھی بالکل غلط قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس کا امکان برابر قائم رہتا ہے۔ ع۔

و للناس فیما یعشقون مذاھب

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْن... الآیۃ

مرد وعورت مساوی ہیں یا مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے؟

یہ مسئلہ قدیم الایام سے بحث وتمحیص کا موضوع بنا ہوا ہے کہ آیا مرد وعورت ہر لحاظ سے مساوی حیثیت کے حامل ہیں یا مرد کو حیاتیاتی ونفسیاتی طور پر عورت پر کچھ فوقیت حاصل ہے؟ کچھ لوگ پہلے نظریہ کے حامی ہیں اور جن لوگوں نے قرآن اور تعلیمات اسلام بلکہ علم تشریح الاعضاء اور نفسیات کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا ہے یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ خالق حکیم نے مرد وعورت کی بناوٹ میں جو حیاتیاتی ونفسیاتی فرق رکھا ہے اور ان کے جسمانی اور ذہنی قوی میں جو تفاوت رکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صنف کے اعتبار سے مرد کو عورت پر ایک گونہ فوقیت حاصل ہے اور اسلام نے بعض مسائل میں مرد وعورت میں جو تفریق قائم کی ہے مثلاً وراثت میں مرد کا حصہ دوہرا ہے اور عورت کا اکہرا، شہادت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور پھر عورت ہر ماہ میں چند دن عبادت خدا سے بھی محروم ہوتی ہے ان حقائق سے یہ بھی واضح ہے کہ ''للرجال علیھن درجۃ'' (بقرہ) کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت کا ایک درجہ حاصل ہے بنا بریں یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ

عورت ''ناقص الحصه'' بھی ہے، ناقص العقل بھی ہے اور ناقص العبادۃ بھی ہے ''وشر مافیها انه لابد منها'' اور سب سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ع

کیونکہ وجود زن سے تصویر کائنات میں رنگ

بے شک اسلام نے عورت کو وہ تمام انسانی حقوق دیے ہیں جو مردوں کو دیے ہیں ارشاد قدرت ہے ''ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف'' یعنی عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ اسی طرح واجب ہیں جس طرح مرد کے حقوق عورتوں کے ذمہ واجب ہیں۔ الغرض کارخانہ معیشت میں دونوں صنفوں کی یکساں ضرورت ہے تاکہ انسان اپنی معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مکمل زندگی گذار سکیں۔ اس طرح خدائے عادل نے دنیائے جاہلیت کی ان تمام ظالم رسموں رواجوں کا خاتمہ کر دیا ہے جو عورت کے بارے میں روا رکھی جاتی تھیں اور اسلام نے بلاشبہ عورت کو وہ مقام دیا ہے جس کی نظیر ادیان عالم میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی ہے۔ عورت ایک بیٹی ہے، ایک بیوی ہے اور ایک ماں ہے اور ہر جگہ اور ہر حیثیت میں لائق احترام ہے بالخصوص ماں کی حیثیت وہ عظیم حیثیت ہے کہ جس کے سامنے تمام حیثیتیں ہیچ ہیں۔۔ ع

کہتے ہیں ماں کہ پاؤں کے نیچے بہشت ہے

مگر ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرد و عورت کی حیثیت بالکل مساوی ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق ہے۔ معاشرتی وتمدنی نقطہ نگاہ سے ضروری ہے کہ جہاں بھی چند افراد کا مجموعہ خواہ وہ خاندان کی شکل میں ہو یا حکومت کی شکل میں۔ وہاں کوئی سربراہ ہو۔ اور یہ واضح ہے کہ وہ سربراہ ایک ہونا چاہیے اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ خدائی نظام میں گھر اور خاندان کی سربراہی کے لئے مرد ہی کو متعین کیا گیا ہے۔ اور اس میں سراسر عورت کا فائدہ ہے کہ امور خانہ داری کی انجام دہی بچوں کی تعلیم وتربیت اور گھر کے اندرونی حالات کی حفاظت ونگہداشت کے کام وہ انجام دے اور گھر کی بقاء اور اہل خانہ کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسب معاش کا فریضہ مرد ادا کرے۔ اور عورت کی زرمہر اور اس کے نان ونفقہ کا اہتمام کرے قوامون قوام کی جمع ہے اور عربی زبان میں قوام، قیام، اور قیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کی ضروریات مہیا کرے۔ اسکے معاملات کی اصلاح کرے اور اس کی حفاظت ونگہبانی کرے اسی لئے حکومت کے سربراہ فوج کے کمانڈر اور گھر کے نگران کو قوام وقیام کہا جاتا ہے۔ مرد و عورت کے جسم وبدن کی ساخت اور بناوٹ حیاتیاتی اور نفسیاتی فرق سے بھی واضح وآشکار ہوتا ہے کہ اس قوامیت کے بار گراں کے اٹھانے کی صلاحیت خالق حکیم نے مرد میں بدرجہ اتم واکمل رکھی ہے اور اطاعت وفرمانبرداری کی بہترین صلاحیت عورت کو دی گئی ہے اور مرد کی برتری

بدو وجہ ہے۔جن میں سے ایک وہبی ہے اور دوسری کسبی۔پہلی وہبی کی وجہ یہ ہے کہ مرد کی جسمانی قوت وطاقت، ذہنی صلابت وصلاحیت اور علمی اور عملی قوت میں برتری ایک مسلمہ حقیقت ہے اور دوسری کی وجہ یہ ہے کہ مرد حق مہر ادا کرنے اور عورتوں کا نان ونفقہ اوران کی دوسری ضروریات پورا کرنے میں اپنا مال خرچ کرتا ہے قرآن مجید میں انہی دووجوہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

١۔بما فضل الله بعضهم علی بعض

٢۔وبما انفقوا من اموالهم

اسی بناپر ''الرجال قوامون علی النساء'' کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں مخفی نہ رہے کہ مردوں کی عورتوں پر یہ برتری صنف کے اعتبار سے ہے کہ

عموماً مرد عورتوں کی نسبت وہبی اور کسبی کمالات میں برتر ہوتے ہیں یہ مگر برتری تمام افراد کے لحاظ سے نہیں ہے کیونکہ عقلاً بھی ممکن ہے اور مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ بعض عورتیں ان صفات میں عام مردوں سے فائق ہوتی ہیں۔کما قال المتنبی فی مرثیة عمة سیف الدوله الدیلمی

ولو کان النساء کمثل هذی

لفضلت النساء علی الرجال

اگر کوئی شخص کوئی حکومت یا کوئی معاشرہ خدا کے اس فطری قانون کے خلاف بغاوت کرے گا اور اس کے خلاف چلے گا تو اس سے خدا کا نظام قدرت تو تبدیل نہیں ہوگا وہ اپنے کارخانہ قدرت میں اسی طرح مرد وعورت کو بناتا رہے گا جس میں قوامیت کی صلاحیتیں مرد ہی میں ہونگی۔البتہ اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو اس سے بگاڑ کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا بنابریں اچھا مرد وہ ہوگا جو اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے ادا کرے اور اچھی عورت وہ ہوگی جو خدائی منصوبہ اور قانون قدرت کے مطابق مرد کی برتری تسلیم کرے۔اور اس کی اطاعت کرے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال واولاد اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔

فَالصّٰلِحٰتُ...الآیة

یہاں خدائے بزرگ وبرتر اچھی عورتوں کی صفتیں بیان فرما رہا ہے۔١۔کہ (اپنے شوہروں کی)اطاعت گزار ہوتی ہیں ٢۔اور خدا کی حفاظت سے اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اور وہ یہ سب کچھ خدا کی حفاظت اور اس کی توفیق سے کرتی ہیں۔حضرات معصومین علیہم السلام کی مختلف حدیثوں میں نیک عورتوں کی مختلف اچھی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔مگر ان سب کی

جامع صفتیں یہ ہیں۔ حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں ”خير النساء التى اذا نظرت اليها سرتك واذا امرتها اطاعتك واذا غبت عنها حفظتك فى نفسها ومالك“ بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کی طرف نگاہ کرو تو وہ تمہیں خوش کرے، جب اسے کوئی حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے، اور جب تم موجود نہ ہو تو وہ تمہاری غیر حاضری میں اپنی ناموس اور تمہارے مال کی حفاظت کرے (تفسیر کاشف وغیرہ)

ایک اچھی بیوی کا اس سے بلند تر ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بڑا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کو ایسی رفیقہ حیات مل جائے۔ وقلیل ما ہم۔ ورنہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اکثر بیویاں سوہان روح ہوتی ہیں جن کی شکل وعقل اور سیرت وصورت سے روح کو اذیت تو ہوتی ہے مگر تسکین نہیں ہوتی۔

جناب دریابادی لکھتے ہیں ”فرنگیت مآب اسکولوں اور کالجوں کی پڑھی لکھی لڑکیاں غور کریں انہیں اس قرآنی معیار سے کیا مناسبت ہے“

وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ... الآیۃ

خداوند عالم نیکوکار اور فرمانبردار عورتوں کا ذکر خیر کرنے کے بعد اب بدکردار اور ناہنجار عورتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے اور حکم دے رہا ہے کہ اگر علائم وآثار سے تمہیں ان کی سرکشی کا احساس ہو تو ان کی اصلاح احوال کے لئے بالتدریج یہ تین طریقہ ہائے کار اختیار کرو۔ نشوز کے معنی ہیں از روئے ترفع عورت کا شوہر کا نافرمانی پر کمربستہ ہونا اور اس سے نفرت کرنا اور حقوق زوجیت ادا کرنے سے انکار کرنا نیز یہاں خوف سے وہم وگمان مراد نہیں ہے کہ اس پر بنا رکھ کر بموجب آب ندیدم موزہ کشیدم۔ اصلاح احوال کی کوشش شروع کر دی جائے بلکہ اس سے علم مراد ہے جو مشاہدہ وتجربہ سے حاصل ہوتا ہے یا ظن غالب مراد ہے جو علائم وآثار سے محسوس ہو۔ بہرحال دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ابتداء میں کوئی انتہائی قدم نہ اٹھایا جائے بلکہ اصلاح احوال کی خاطر تدریجاً تین اقدامات کئے جائیں۔

۱۔ پہلے مرحلہ میں نرمی کے ساتھ سمجھایا جائے اور وعظ ونصیحت سے کام لیا جائے

۲۔ اگر وہ اس نرم روی سے اپنی سرتابی وسرکشی سے باز نہ آئیں تو پھر دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ ان کا بستر الگ کر دیا جائے اور باہم خوابی چھوڑ دی جائے تا کہ انہیں شوہر کی ناراضی کا احساس ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی حرکت سے نادم ہو کر اپنی روش تبدیل کر لیں

۳۔ اور اگر یہ دوسرا اقدام بھی موثر ثابت نہ ہو تو پھر ان کو مارو۔ مگر اس سلسلہ میں بڑے حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ • منہ پر تو مطلقاً نہ مارا جائے۔ اور باقی بدن پر بھی اس طرح نہ مارا جائے کہ جس

سے کوئی ہڈی ٹوٹ جائے یا کوئی زخم لگ جائے جس طرح جاہل اور گنوار لوگ گائیں اور بھینسوں کو مارا پیٹا کرتے ہیں۔ حضرت رسول خداؐ کا ارشاد ہے۔ خیرکم خیرکم لاہلہ۔ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل وعیال سے بہتر سلوک کرتا ہے۔

بہرحال اگر اس طریقہ کار سے نافرمان بیویاں اپنی سرکشی سے باز آجائیں اور فرمانبردار بن جائیں تو پھر شوہر اس حد سے آگے قدم نہ بڑھائیں اور دست درازی کرنے اور ظلم وتعدی کرنے کے لئے بہانے تلاش نہ کریں بلکہ چشم پوشی سے کام لیں۔ اور اپنے سابقہ رویہ میں مثبت تبدیلی لائیں۔

آیات القرآن

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ
اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا
خَبِيۡرًا ۳۵ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا
وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ
وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ۳۶ اۨلَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ وَيَاۡمُرُوۡنَ
النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَيَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا
لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ۚ ۳۷ وَالَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ
وَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ يَّكُنِ الشَّيۡطٰنُ لَهٗ
قَرِيۡنًا فَسَآءَ قَرِيۡنًا ۳۸

ترجمۃ الآیات

اور اگر تمہیں دونوں (میاں بیوی) کی ناچاقی کا خوف دامنگیر ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے

سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو۔ اگر دونوں اصلاح کا ارادہ کرینگے تو خدا ان دونوں میں موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک اللہ بڑا جاننے والا بڑا باخبر ہے (۳۵) اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پہلو میں بیٹھنے والے رفیق اور مسافر، اپنے مملوکہ (غلاموں، کنیزوں) کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ بے شک اللہ مغرور و متکبر اور شیخی بگھارنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (۳۶) جو خود کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کرنیکا حکم (ترغیب) دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے دیا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے (۳۷) اور جو اپنے مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور دراصل وہ خدا اور روز جزاء پر ایمان و یقین نہیں رکھتے (اللہ ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھتا)۔ اور وہ جس کا مصاحب شیطان ہو وہ اس کا بہت برا مصاحب ہے۔ (۳۸)

تفسیر الآیات

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ...الآیة

میاں بیوی کے جھگڑے کی اصلاح کے لئے حکمین مقرر کرنے کا حکم

اور اگر صورت حال کچھ اس قدر بگڑ چکی ہو کہ یہ تمام اصلاحی تدبیریں بے کار ہو جائیں اور نظر بظاہر حالات طلاق تک نوبت آنے والی ہو تو پھر آخری اور انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے اصلاح احوال کی یہ آخری کوشش کی جائے کہ ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کیا جائے، جن کی دیانت و امانت اور معاملہ فہمی پر سب کو اطمینان ہو۔ جو دونوں میاں بیوی کی شکایات سنیں، شقاق و نفاق کے علل و اسباب کا کھوج لگائیں اور پھر ان کا ازالہ کر کے باہمی تصفیہ اور ان کے درمیان صلح و صفائی کرائیں۔ قادر مطلق کا وعدہ ہے کہ ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما' کہ اگر دونوں کا ارادہ ہو کہ (صلح ہو جائے) تو خدا اپنی قدرت کاملہ سے موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ مفسرین میں شدید اختلاف ہے کہ یریدا۔ اور بینھما میں تثنیہ کی ضمیروں کا مرجع کون ہے؟ دونوں ثالث یا میاں بیوی؟ بعض نے دونوں جگہ مرجع حکمین کو قرار دیا ہے

اور بعض نے دونوں جگہ زوجین کو اور بعض نے یریدا میں حکمین اور بینہما میں زوجین کو۔ مگر نظر قاصر میں ارجح قول یہ ہے کہ دونوں جگہ ان ضمیروں کا مرجع زوجین (میاں بیوی) ہیں کیونکہ ثالث تو بہر حال صلح وصفائی کرانے کے لئے ہی مقرر کئے گئے ہیں اور ان کا ارادہ بھی یہی ہے کہ وہ اپنے مقصد اصلاح میں کامیاب ہوں مگر ان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا اصل کردار تو میاں بیوی نے ادا کرنا ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ دل وجان سے اصلاح چاہیں اور ثالثوں سے تعاون کریں تو توفیق الٰہی اور تائید غیبی ان کے شامل حال ہوگی اور ضرور موافقت کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ اور اگر خدانخواستہ اصلاح احوال کی کوئی صورت پیدا نہ ہوا اور نوبت طلاق تک پہنچ جائے تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ میاں بیوی کی رضامندی کے بغیر ثالث یہ آخری قدم نہ اٹھائیں مگر یہ کہ پہلے سے ہی میاں بیوی نے ان کو طلاق یا خلع وغیرہ کا یہ اختیار تفویض کر دیا ہو تو پھر وہ مکمل بااختیار ہو جائیں گے۔

تمام باہمی تنازعات میں ثالث کے ذریعہ سے مصالحت کرانے کا شرعی حکم

آپ نے دیکھا قرآنی حکیمانہ حکم کے مطابق گھر کی بات گھر سے باہر نہیں نکلی اور گلی کوچوں میں عام لوگوں کی گفتگو کا موضوع نہیں بنی اور اسطرح پورے دو خاندان تباہی سے بالکل بچ گئے اور خاموشی سے اصلاح احوال ہوگئی یا چپکے سے علیحدگی ہوگئی اگر زندگی کے دوسرے مختلف نزاعات میں بھی باہم لڑنے جھگڑنے کی بجائے اور ملکی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اور روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہانے کی بجائے کہ جہاں اگر وقتی طور پر جھگڑا ختم بھی ہو جائے تو قلبی بغض وعناد کی آتش ختم نہیں ہوگی اور وہ کسی بھی وقت شعلہء جوالہ بن کر فریقین کے امن وسکون کو بھسم کر سکتی ہے۔ اگر اس ثالثی کے طریقہ کار کے ذریعہ سے باہمی صلح وصفائی کا اہتمام کیا جائے تو اس کے بڑے خوشگوار نتائج نکل سکتے ہیں۔ **والصلح خير**

حضرت امام جعفر صادقؑ نے غیر شرعی عدالتوں میں اپنا مقدمہ لے جانے کو طاغوت کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کے مترادف قرار دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مدعی حق بجانب ہو اور عدالت فیصلہ بھی اس کے حق میں کر دے تو پھر بھی یہ حرام خور شمار ہوگا ارشاد قدرت ہے

''**يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت**'' لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی عدالت میں اپنا مقدمہ لے جائیں۔ ''**وقد امروا ان يكفروا به**'' حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں تو پھر کیا کیا جائے؟ فرمایا ''**فانظروا الى رجل نظر فى حلالنا وحرامنا فاجعلوه حكما فانى قد جعلته حاكما**'' اپنے میں سے اس شخص کو دیکھو جو ہمارے حلال وحرام پر نگاہ رکھنے والا ہو اسے اپنا حکم تسلیم کرو۔ کیونکہ میں نے اسے اپنی طرف سے تمہارا حکم قرار دیا ہے (اصول کافی) تو اس سے آگے یہاں تک مذکور ہے کہ جب وہ

حکم ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ قبول نہ کیا جائے تو اس کے فیصلہ کو رد کرنے والا ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا متصور ہوگا اور ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا خدا کے فیصلہ کو رد کرنے کے مترادف ہے اور خدا کا فیصلہ رد کرنے والا مشرک ہے (ایضاً)

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ...الآية

خداوند عالم اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو اپنی عبادت کرنے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنانے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ (جس کا تعلق انسان کی قوت نظری کے ساتھ ہے) اور آٹھ قسم کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دے رہا ہے (جس کا تعلق انسان کی قوت عملی کے ساتھ ہے)

عبادت خدا کا مفہوم اور اس کی اہمیت

جہاں تک عبادت کے مفہوم اور اسلام میں اس کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس موضوع پر سورہ فاتحہ کی آیت ''ایاک نعبدوا'' اور سورہ بقرہ کی آیت ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ'' (بقرہ آیت ۔۲۱) کی تفسیر میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے ۔ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے

وَلَا تُشْرِكُوْا...الآية

جہاں تک شرک کے ناقابل معافی جرم ہونے اور اس کے اکبرالکبائر گناہ ہونے کا تعلق ہے تو اگرچہ قبل ازیں بعض متعلقہ آیات جیسے ''يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شئياً'' وغیرہ کے ذیل میں اس پر فی الجملہ گفتگو ہو چکی ہے تاہم یہاں قدرے شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے سو مخفی نہ رہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کے فرامین میں شرک کو نہ صرف گناہان کبیرہ میں سے بلکہ اکبرالکبائر میں سے شمار کیا گیا ہے (تفسیر قمی ،اصول کافی ،صافی وغیرہ)

اور قرآن نے متعدد مقامات پر اسے ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے ۔ارشاد قدرت ہے ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ'' (نساء آیت ۔۴۸) خدا شرک کبھی معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس قدر گناہ ہیں وہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا نیز قرآن و سنت سے ثابت ہے کہ مشرک پر جنت حرام ہے ارشاد رب العزت ہے ''ومن يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة''

شرک کے اقسام:

شرک کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں

۱۔شرک جلی ۲۔شرک خفی

شرک جلی کے اقسام:

پھر شرک جلی کی بڑی بڑی چار قسمیں ہیں۔(۱) شرک ذاتی (یعنی کسی مخلوق کو خدا کی ازلی وابدی ذات میں شریک ماننا)۔(۲) شرک صفاتی (یعنی خدا کی صفات ذاتیہ میں کسی کو شریک سمجھنا)۔(۳) شرک افعالی (یعنی خدا کے مخصوص کاموں جیسے خلق ورزق اور موت وحیات وغیرہ امور تکوینیہ میں کسی مخلوق کو خدا کا شریک جاننا)۔(۴) شرک عباداتی (یعنی خدا کی عبادت میں کسی مخلوق کو اس کا شریک قرار دینا) اور اسے سجدہ کرنا، اس کی قبر کا طواف کرنا اس کے نام کی منت ماننا یا کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا وغیرہ الغرض ع

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کوئی مسلمان شرک کے ان اقسام چہارگانہ سے اپنے آپ کو نہ بچائے تب تک وہ صحیح معنوں میں موحد اور خدا پرست نہیں کہلا سکتا، شرک جلی کی اور بعض قسمیں بھی ہیں جیسے

۵۔شرک فی التصرف یعنی نفع ونقصان پہنچانے میں غیر اللہ کو خدا کا شریک سمجھنا اور اس سے حاجتیں طلب کرنا اور اسے حاجت روا سمجھنا۔۶۔شرک فی التوکل۔اعتماد اور بھروسہ کرنے میں کسی کو خدا کا شریک جاننا کہ شاہ جانے اور راہ جانے۔۷۔شرک فی الطاعۃ۔حکم خدا کے خلاف کسی حکم کا ماننا اور اس کی اطاعت کرنا حالانکہ ''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' اور شرک خفی کے قریباً دس اقسام ہیں ان سے بھی احتراز کرنا چاہیے ان اقسام کی تفصیل ہماری کتاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ اور اصلاح الرسوم میں مذکور ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

وَّبِالْوَالِدَيْنِ...الآیۃ

بعد ازیں خدائے حکیم نے آٹھ قسم کے لوگوں کے ساتھ احسان وبھلائی اور حسن سلوک کا امر کیا ہے جس کا کمترین درجہ سنت موکدہ ہے۔ ۱۔والدین۔۲۔رشتہ دار۔۳۔یتیم۔۴۔مسکین۔۵۔قرابت دار ہمسایہ۔۶۔اجنبی ہمسایہ۔۷۔اور ۸۔مسافر پھر ان اقسام ہشتگانہ میں سے جہاں تک پہلی چار قسموں (والدین، رشتہ دار، یتیم اور مسکین) کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت آیت۔۸۳ ''وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا'' کی تفسیر میں بقدر ضرورت گفتگو ہو چکی ہے۔البتہ باقی ماندہ چار قسموں کے بارے میں یہاں کچھ گفتگو کی جاتی ہے۔

۵۔ ہمسایہ

اسلام میں ہمسایہ کا مقام

اسلام نے ہمسایہ کے حقوق کو بڑی اہمیت دی ہے پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں ''مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه'' جبرئیل نے (بحکم رب جلیل) مجھے ہمسایہ کے بارے میں اس قدر تاکید کی کہ مجھے خیال پیدا ہوگیا کہ شاید اسے میرا وارث قرار دے گا (الوافی)

نیز فرمایا ''ما امن بی من بات شبعانا وجاره جائع'' وہ شخص جو پیٹ بھر کھانا کھالے جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا (ایضاً) نیز فرمایا ''ما امن بی من لم یامن جاره بوائقه'' وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جس کا پڑوسی اس کے ظلم وزیادتی سے محفوظ نہ ہو (ایضاً) حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا ''حسن الجوار یعمر الدیار ویزید فی الاعمار'' خوش اسلوبی سے پڑوسی کا حق ادا کرنا شہروں کو آباد کرتا ہے اور عمر کو بڑھاتا ہے (صافی) نیز آپ سے مروی ہے فرمایا ''حسن الجوار یزید فی الرزق'' (ایضا) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے فرمایا ''لیس من حسن الجوار کف الاذی ولکن حسن الجوار الصبر علی الاذی'' یہ حسن جوار نہیں ہے کہ پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائی جائے بلکہ حسن جوار یہ ہے کہ پڑوسی کی ایذارسانی پر صبر کیا جائے (ایضا)

ہمسایہ کے اقسام:

ہمسایہ کی کئی قسمیں ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا ہمسایہ تین قسم کا ہوتا ہے

۱۔ مسلمان اور رشتہ دار ہمسایہ۔ اسکے تین حق ہیں

۱۔ حق جوار، حق قرابت، اور حق اسلام

۲۔ مسلمان مگر غیر رشتہ دار ہمسایہ۔ اس کے دو حق ہیں حق الجوار اور حق اسلام

۳۔ غیر مسلمان ہمسایہ۔ اس کا ایک حق ہے اور وہ ہے حق الجوار (مجمع البیان الخصال)

ہمسایہ کی اور دو قسمیں

قرآن مجید کی اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمسایہ کی دو اور قسمیں بھی ہیں

۱۔ قریبی ہمسایہ

۲۔اجنبی ہمسایہ۔اب ان سے مراد کیا ہے؟

اس میں اختلاف ہے نزدیک اور دور والا ہمسایہ کون ہیں؟

۲۔رشتہ دار اور اجنبی ہمسایہ

۳۔مسلمان اور غیر مسلمان ہمسایہ۔ارجح یہ ہے کہ اسے اپنے عموم پر رکھا جائے

ہمسائیگی کی حد بندی

ہمسایہ کی حد بندی کیا ہے؟اس سلسلہ میں دو روایتیں ملتی ہیں

۱۔معاویہ بن عمار حضرت امام جعفر صادق ؑ سے سوال کرتے ہیں پڑوسی کی حد کیا ہے؟ فرمایا ہر طرف سے چالیس ہاتھ (معانی الاخبار)

۲۔نیز حضرت امام جعفر صادق ؑ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا ؐ نے فرمایا آدمی کے چاروں طرف سے چالیس چالیس گھروں تک پڑوسی کہلاتے ہیں (اصول کافی،نور الثقلین)

٦۔پہلو کا ساتھی:

جس سے صرف سفر کا رفیق حضر کا ہم نشین ، درس کا شریک اور کاروبار کا ساتھی وغیرہ مراد ہو سکتے ہیں۔مخفی نہ رہے کہ یہ رفاقت عام ہے کہ سالہا سال کی ہو یا چند لمحوں کی بہر حال اس کا حق ہے جسے کسی صورت میں پامال نہیں کرنا چاہیے

۷۔مسافر۔نہ صرف اسلامی نقطہ نگاہ سے بلکہ انسانی زاویۂ نگاہ سے بھی جو شخص مسافر ہے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے مال منال سے دور ہے اس کا بھی آپ پر ایک حق ہے کہ اگر وہ آپ کا ہمسفر بن جائے یا بطور مہمان آپ کے ہاں آجائے تو اس حق کی وجہ سے اس کے ساتھ مروت اور شرافت کا سلوک کرنا چاہیے۔

۷۔غلام اور کنیز۔اگرچہ ’’ما ملکت ایمانکم ‘‘ سے مراد غلام اور کنیزیں ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا جا رہا ہے مگر وہ موجودہ دور میں چونکہ وہ موجود نہیں ہیں لہٰذا تنقیح مناط اور اشتراک سبب کی وجہ سے بعید نہیں کہ اس حکم کو عام گھریلو ملازموں اور ملازماؤں پر بھی لاگو کیا جائے اس لئے ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے اور کام وطعام اور شہریہ کی بروقت ادائیگی میں مروت کا برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ نہ سختی کرنی چاہیے اور نہ ہی کام کاج کا ان پر زیادہ بوجھ ڈالنا چاہیے سبحان اللہ تمدنی ومعاشرتی نقطہ نگاہ سے اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم کس قدر اجل وارفع ہے اگر مسلمان اسلام کی ان مقدس تعلیمات پر عمل کریں تو بہت سی لڑائی جھگڑوں کا

خاتمہ ہو جائے گا اور دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ...الآیۃ

یہ ان لوگوں کے لئے خدائی دھمکی ہے جو خود بینی اور خوستائی کی وجہ سے اپنے غریب ونادار رشتہ داروں اور کمزور پڑوسیوں کی طرف چشم التفات نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے کبر ونخوت کی وجہ سے ان امور کی طرف متوجہ ہونے میں اپنی کسرشان سمجھتے ہیں۔ اور یہی چیز دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

کبر ونخوت کی مذمت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن وحدیث تکبر اور متکبروں کی مذمت سے چھلک رہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہی آیت ہے جس میں خدائے جبار فرماتا ہے ''ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا'' خدا مغرور اور فخر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا: ''لن یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الکبر'' جس شخص کے اندر ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا (اصول کافی)۔

اس عالم آب وگل میں سب سے پہلے اس صفت رذیلہ کا اظہار شیطان نے کیا تھا جس نے جناب آدم صفی اللہ کے بالمقابل اپنے کو بہتر قرار دیتے ہوئے انا خیر منہ کا راگ آلاپا تھا جس کے نتیجہ میں خدائے جبار نے اسے ملعون قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی بارگاہ سے نکال دیا اور اس طرح اس کی ہزاروں سال کی عبادت واطاعت پر پانی پھر گیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بھی تکبر کرے گا اس کا انجام شیطان سے مختلف نہیں ہوگا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

ایک متکبر شخص عام لوگوں کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا اور بات چیت کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے اور کارگاہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے آپ کو سب لوگوں سے بلندتر دیکھنا چاہتا ہے۔ اگرچہ یہ صفت بدقریباً ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے مگر علماء وامراء اس معاملہ میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ خداوند عالم کو نہ تکبر پسند ہے اور نہ متکبرین۔ اسلئے بار بار فرماتا ہے ''ان اللہ لا یحب المتکبرین'' (نحل) ''ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا'' (نساء) حدیث قدسی میں وارد ہے ''الکبریاء ردائی فمن

نازعنی فی ردائی القیه فی ناری ولا ابالی "(جواہرسنیہ) کبریائی میری چادر ہے جو اسے مجھ سے چھننے کی کوشش کرے گا میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا اور کوئی پروا نہیں کروں گا۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ اچھی خوراک کھانے، اچھی پوشاک پہننے، اچھے مکان میں رہنے اور اچھی سواری پر سوار ہونے کا نام تکبر نہیں ہے۔ بلکہ حق قبول نہ کرنے، بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز نہ ہونے اور سب سے بڑھ کر مخلوق خدا کو کمتر اور اپنے آپ کو بہتر سمجھنے کا نام تکبر ہے۔ واللہ العاصم

اَلَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ...الآیة

ان مغروروں اور اپنی زبانی اپنی مدح وثنا کرنیوالے فخوروں کی پہچان یہ ہے کہ ۱۔خود بخل سے کام لیتے ہیں۔ ۲۔دوسروں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ۳۔اور خدا نے اپنے جس فضل وکرم سے نوازا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں

بخل کی مذمت قرآن وسنت کی روشنی میں

بخل ان بنیادی اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو اور بہت سی بداخلاقیوں کی جڑ ہے جیسے خیانت، بددیانتی، بے مروتی، بے رحمی، بدسلوکی اور دنائت نفس وغیرہ۔اسی صفت رذیلہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اسی طرح حرص، طمع ولالچ، تنگ نظری، کم ہمتی اور پست طبعی بھی اسی شجرہ خبیثہ کے برگ وبار ہیں۔بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزا وسزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔اس لئے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔بخل کا انجام آتش دوزخ ہے چنانچہ سورہ مدثر میں جنتیوں اور دوزخیوں کا جو سوال وجواب بطور مکالمہ درج ہے اس میں ہے کہ جنتی لوگ جہنمیوں سے سوال کریں گے "ما سلککم فی سقر "تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا "قالو ا لم نك من المصلین ولم نك نطعم المسکین "جہنمی جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔جب تک انسان حرص وآز کو روک کر اچھے کاموں پر روپیہ صرف نہ کرے اس وقت تک کامرانی حاصل نہیں ہوتی۔چنانچہ ارشاد قدرت ہے "وانفقوا خیرا لانفسکم ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون "خرچ کرو۔یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو شخص نفس کے حرص وبخل سے بچایا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں ایک اور مقام پر خدائے کریم نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ "ویوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة "وہ دوسروں کو

اپنے اوپر مقدم سمجھتے ہیں اگر چہ خود ان کو سخت ضرورت ہوتی ہے حدیث میں وارد ہے ’’البخیل بعید من الله وبعید من الجنة وبعید من الناس قریب من النار ‘‘ بخیل آدمی خدا سے دور، جنت سے دور اور مخلوق سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے ’’السخی قریب من الله وقریب من الجنة وقریب من الناس وبعید من النار ‘‘ سخی خدا کے قریب، جنت کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے (اصول کافی) ولنعم ماقیل

بخیل اربود زاہد بحر وبر

بہشتی نیا بشد بحکم خبر

اس مختصر بیان سے بخل سے کام لینے اور دوسروں کو بخل کا حکم دینے کی مذمت واضح وعیاں ہوجاتی ہے مخفی نہ رہے کہ چونکہ ایسے لوگوں کے لئے اخروی عذاب کی خبر دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بخل سے مراد مالی واجبی حقوق کا ادا نہ کرنا ہے۔ کیونکہ جو شخص مالی واجبات ادا کرتا ہے وہ اگر چہ کنجوس ہی ہو اور قابل مذمت بھی لیکن وہ اخروی عذاب کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

وَيَكْتُمُوْنَ مَآ ... الآية

اللہ کے فضل کو چھپانے کے مفہوم کی وضاحت

اللہ کے فضل وکرم کو چھپانا دو طرح ہوسکتا ہے ایک یہ کہ اپنے قول سے اسے چھپایا جائے کہ اللہ نے اسے جن نعمتوں سے نوازا ہے آدمی ان کا انکار کرے دوسرے یہ کہ اپنے عمل سے چھپائے یعنی اپنی عملی زندگی اس طرح گذارے جس سے معلوم ہو کہ اللہ نے اسے کچھ نہیں دیا جیسے اللہ نے اسے مال ودولت دی ہو مگر وہ اسے نہ اپنی ذات پر خرچ کرے اور نہ اہل وعیال پر اور نہ دوسرے بندگان خدا کی ضروریات پر بلکہ اس طرح فقیرانہ انداز میں زندگی گذارے کہ ہر دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ بڑا کنگال اور مفلوک الحال ہے حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ’’ان الله اذا انعم نعمة علی عبد احب ان یظهر اثرها ‘‘ اللہ جب کسی بندہ کی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ بندہ پر اس نعمت کا اثر ظاہر ہو (جامع السعادات)

بندہ کو اپنی کسی نعمت کا اظہار کس طرح کرنا چاہیے لہٰذا جب اللہ نعمت مال دے تو آدمی کی وضع قطع، رہن سہن، اور طرز بودوماند سے اس نعمت کا اظہار ہونا چاہیے اور اسطرح نہ کرنا کفران نعمت اور ناشکری کے زمرہ میں آتا ہے جو بڑی مذموم صفت ہے ارشاد قدرت ہے ’’لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان

عذابی لشدید''

وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ...الآیۃ

یہاں آیت کے آخر میں خداوند جبار نے ان سہ گانہ برے صفات کے حامل لوگوں کو نہ صرف یہ کہ عذاب کا مستوجب قرار دیا ہے بلکہ ان کو کافرین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو کفران سے بھی ہوسکتا ہے جس کا ترجمہ ناشکری ہے جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے فرمایا ''التحدث بنعمہ اللہ شکر و ترک ذلک کفر ''اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کرنا کفران ہے (تفسیر کاشف)

اور کفر سے بھی جس طرح ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے ''ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین' جو اس گناہ کی اہمیت اجاگر کرنے کا ایک انداز ہے اور اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسلام میں بخیل اور ریا کار کسی کافر سے کم نہیں ہیں۔ کیونکہ بخیل خدا کی رزاقیت پر ایمان نہیں رکھتا۔ جبھی تو بخل کرتا ہے اور ریا کار خدا کے علاوہ کسی کو لائق عبادت یا روز جزاء کا مالک جانتا ہے جسے دکھانے اور خوش کرنے کے لئے کام کرتا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ...الآیۃ

ان مغروروں اور متکبروں کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ مال تو خرچ کرتے ہیں راہ خدا میں بھی خرچ کرتے ہیں مگر خدا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ لوگوں کو دکھانے کی خاطر کرتے ہیں اس طرح پہلے ان لوگوں کی مذمت کی گئی جو راہ خدا میں مال خرچ ہی نہیں کرتے اور اب ان کی مذمت کی جا رہی ہے جو خرچ تو کرتے ہیں مگر ریاء وسمعہ کی خاطر کرتے ہیں خدا کے لئے نہیں کرتے۔ جبکہ ریاء وسمعہ شرک اصغر ہیں اور بروز قیامت خداوند عالم ریا کار کو مشرک کہہ کر خطاب فرمائے گا اور کہے گا آج اپنے عمل کا اجر اس سے وصول کر جسے دکھانے کی خاطر عمل کیا تھا (لنائی الاخبار) یہ دونوں قسم کے لوگ برابر ہیں ان کے اس صدقہ وخیرات کا کوئی فائدہ نہیں ہے ان کی پانچویں اور چھٹی صفت یا ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کا اللہ اور قیامت پر کوئی ایمان ویقین نہیں ہوتا اس لئے وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ صرف اور صرف نام ونمود کے لیے، حکام وقت کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے اور عوام سے داد وتحسین کا خراج وصول کرنے کے لئے۔ بہر حال وہ اپنی مصلحتوں اور خواہشوں کی تسکین کے لئے مال خرچ کرتے ہیں۔ مگر خاموش دینی مواقع پر مال خرچ نہیں کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص محض نام ونمود کے لئے مال خرچ کرتا ہے وہ اللہ اور یوم آخرت پر سچا ایمان نہیں رکھتا چنانچہ خدا قدوس فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے جو بہت برا ساتھی ہے جو ہر اچھے کام سے آدمی کو روکتا ہے اور ہر برے کام کا حکم دیتا ہے ظاہر ہے کہ جب دنیا میں ان کا ساتھی شیطان ہے تو آخرت میں بھی وہی ان کا ساتھی

ہوگا۔''لان المرء یحشر مع من احب'' ایک نا قابل انکار حقیقت سے شیطان ان کو سامنے کچھ نفع دکھا تا ہے اور وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور خدا جس ابدی نفع کا شوق دلاتا ہے وہ اس میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ اسلئے خدا کے یہاں ان کے لئے سخت عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ہے مخفی نہ رہے کہ اس آیت کی تفسیر قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۴ کے ذیل میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ
اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ
حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا
مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا
يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتے اور اللہ ان سے خوب واقف ہے (۳۹) بے شک اللہ ذرہ برابر (کسی پر) ظلم نہیں کرتا اور اگر وہ (ذرہ برابر) نیکی ہو تو اسے دوگنا (بلکہ چوگنا) کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عطا فرماتا ہے (۴۰) اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے اس دن کافر اور پیغمبرؐ کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین کے برابر کر دیئے جاتے۔ اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے (۴۲)

تفسیر الآیات

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ۔ الاية

غنی مطلق اور بے نیاز خدا کس دلسوزی کے لب ولہجہ میں فرمارہا ہے کہ اگر وہ خدا اور روز جزاء پر ایمان لاتے اور اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے کچھ اس کی راہ میں خرچ بھی کرتے تو اس میں ان کوتاہ اندیش غافلوں کا کیا نقصان تھا؟ بلکہ سراسر ان کا فائدہ تھا یہ بالکل آسان کام ہیں ان میں کوئی تکلیف نہیں ہے پھر انہیں ترک کر کے کیوں اپنی عاقبت برباد کی؟

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ...الآية

خدا تو وہ عادل ہے کہ کسی کار خیر کا ثواب نہ دینے یا اس میں ذرہ برابر کمی کرنے کا روادار نہیں ہے۔ اور اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو خداوند کریم کے یہاں کم از کم اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور پھر مختلف حیلوں بہانوں سے اضافہ در اضافہ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ کوئی اس کا حساب وشمار نہیں کر سکتا۔ جو سراسر تفضّل ہے" قران مجید میں یہاں اور بہت سے مقامات پر جو انسان کے کسی خاص رویہ پر اس طرح کی سرزنش کی گئی ہے وہ ثبوت قطعی ہے اس امر کا کہ انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے اور خالق کی طرف سے اس کے افعال میں کوئی جبر نہیں ہے ورنہ اس طرح کی سرزنش کے کوئی معنی نہیں ہوتے (فصل الخطاب بحوالہ تفسیر تبیان)

یہ کہنا کہ اللہ ظلم نہیں کرتا جیسا کہ اس آیت میں ہے اور قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی اس کا ثبوت ہے کہ کچھ کام ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ سے صادر ہوں تو وہ ظلم قرار پائیں گے جو عدلیہ کا نقطہ نگاہ ہے۔ عدل کے جو منکر ہیں ان کا تصور یہ ہے کہ اللہ حاکم مطلق ہے وہ جو بھی کرے ٹھیک ہے۔ یہ قرآنی تصریحات کی بنا پر درست نہیں ہے اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے ظلم کی نفی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ظلم پر قادر نہیں ہے کیونکہ ظلم پر قادر نہ ہوتے ہوئے کسی چیز کا ترک کرنا کوئی تعریف نہیں ہے بلکہ ظلم پر قادر ہوتے ہوئے وہ اپنے کمال ذات، علم وحکمت اور استغنا کی بنا پر ظلم سے بری ہے (ایضا)

فَكَيْفَ اِذَا...الآية

حضرت رسول خداؐ کے گواہوں کے گواہ ہونے اور اس کی کیفت کا بیان

پارہ نمبر ۲ کی دوسری آیت "لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" (سورہ البقرہ آیت۔ ۱۴۳) کی تفسیر

میں لفظ ''شھید'' کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کی وضاحت کی جا چکی ہے۔اس آیت مبارکہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو کہ وارثان علم قرآن کی مختلف احادیث سے ثابت ہے کہ ہر امت کا گواہ اس کا پیغمبر ہوگا کہ جب امت انکار کرے گی کہ ''ماجاء نا من بشیر ولا نذیر'' کہ ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر نہیں آیا تھا۔تو وہ گواہی دے گا کہ یہ لوگ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں ہم نے بشارت ونذارت کا فریضہ ادا کیا تھا اور جب پیغمبروں سے گواہ کا مطالبہ کیا جائے گا تو آنحضرتؐ بارگاہ ایزدی میں پیغمبروں کی پیغام رسانی کی گواہی دیں گے اسی طرح آنحضرتؐ گواہوں کے گواہ قرار پاتے ہیں۔جس سے آپؐ کی خصوصی فضیلت نمایاں ہوتی ہے کہ آپؐ کو انبیاء سے وہ نسبت ہے جو ان کو اپنی امتوں سے ہے۔اسی طرح یہ حقیقت بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد ہر عہد کا امامؑ اپنے عہد کے لوگوں پر گواہ ہے اور آنحضرتؐ ان گواہوں کے بھی گواہ ہیں جس سے ان کی ذوات مقدسہ پر آنحضرتؐ کی افضلیت واضح وآشکار ہوتی ہے۔نیز آپؐ اپنی امت کے بھی شہید ہیں اور ''ھئولاء کا'' اشارہ انہی لوگوں کی طرف ہے مفسر قرطبی نے جناب سعید بن مسیب کا یہ قول نقل کیا ہے ''لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعر فھم بسیماھم واعمالھم فلذلك یشھد علیھم ''یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر صبح وشام حضور کی امت پیش کی جاتی ہے حضورؐ اپنے ہر امتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں اسی علم کامل کے باعث حضور قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے (ضیاء القرآن)

''فاضل علی متقی'' اپنی کتاب کنزالعمال میں حضرت رسول خداؐ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں فرمایا ''حیاتی خیرلکم فاذاانامت وفاتی خیرلکم تعرض علی اعمالکم فاذریت خیرا حمدت اللہ وان ارأیت شرا استغفرت لکم ''فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے۔اور جب میں وفات پاجاؤنگا تو میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی۔کیونکہ تمہارے اعمال میری بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے اور جب میں (تمہاری) کوئی نیکی دیکھوں گا تو خدا کی حمد وثنا کروں گا اور جب (تمہاری) کوئی برائی دیکھوں گا تو تمہارے لئے خدا سے بخشش طلب کروں گا (کنزل العمال، ج ٦ ص ۱۰۲ طبع مصر)

ہماری کتب حدیث میں متعدد حدیثیں وارد ہیں جن میں سے بعض میں کراما کاتبین کا ہر روز اور بعض میں ہر شب جمعہ نبی اکرمؐ وامامؑ کی بارگاہ میں ان کا امت کے نامہائے اعمال کا پیش کرنا مذکور ہے (اصول کافی بصائر الدرجات، سابع بحار الانوار وغیرہ) اس قطعی علم وآگہی کی بنا پر نبیؐ وامامؑ لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔نہ اس لئے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر ہیں جو کہ عقلاً وشرعاً ناممکن اور محال ہے اور یہ صفت خدائے متعال سے مخصوص ہے

یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ...الآیۃ

قیامت کے دن پردہ ہٹ جانے اور حقیقت کے کھل جانے کے بعد کافر اور رسول کے نافرمان خواہش کریں گے کہ کاش وہ انسان نہ ہوتے، بلکہ خاک ہوتے جیسا کہ سورہ نباء میں ہے ''یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَیَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا''(آیت۔۴۰)

ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

اے کاش کہ وہ خاک ہوتا ہے اور انسان نہ ہوتا اور بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ خواہش کریں گے کہ وہ مردوں کی طرح پیوند خاک ہوجاتے اور ان پر اسطرح زمین برابر کردی جاتی کہ ان کا نام ونشان مٹ جاتا

وَلَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ...الآیۃ

یہ کافر لوگ اپنا عقیدہ وعمل کچھ بھی خدا سے چھپا نہ سکیں گے۔ کیونکہ ایک تو ان کے نبی ان کے خلاف گواہی دیں گے اور دوسرے ان کے نامہائے اعمال میں سب کچھ درج ہوگا اور سب سے بڑھکر یہ کہ اگر انکار کریں گے تو ان کے ہاتھ پاؤں بول کر اقرار کریں گے جس کے بعد وہ بالکل لاجواب ہوجائیں گے۔ قل فَلِلّٰه الحجة البالغة

آیات القرآن

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىِٕكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِیًّا ۙ

وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۝۴۵ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا
بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۝۴۶

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو۔نماز کے قریب مت جاؤ جب کہ نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ (نشہ اتر جائے) تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور نہ ہی جنابت کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) یہاں تک کہ غسل کرلو۔الا یہ کہ تم راستے سے گذر رہے ہو (سفر میں ہو) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم سے کوئی بیت الخلاء سے ہوکے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پھر پاک مٹی سے تیمم کرلو۔کہ (اس سے) اپنے چہروں اور ہاتھوں کے کچھ حصہ پر مسح کرلو۔بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے، بڑا بخشنے والا ہے (۴۳) کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کتاب (الہی) کا کچھ حصہ دیا گیا کہ وہ گمراہی خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بہک جاؤ (۴۴) اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تمہاری کارسازی وسرپرستی کے لئے کافی ہے (۴۵) یہودیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کلموں کو ان کے موقع ومحل سے پھیر دیتے ہیں اور زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سمعنا وعصینا (ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں) اور ''اسمع غیر مسمع'' (اور سنو تمہاری بات نہ سنی جائے) اور ''راعنا'' (ہمارا لحاظ کرو) اگر وہ اس کی بجائے یوں کہتے ''سمعنا واطعنا'' (ہم نے سنا اور مانا) اور اسمع (اور سنئے) وانظرنا (اور ہماری طرف دیکھیے) تو یہ ان کے لئے بہتر اور زیادہ درست ہوتا مگر اللہ نے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے (اپنی رحمت سے

دور کر دیا ہے) اس لئے وہ بہت کم ایمان لائیں گے (۴۶)

تفسیر الآیات

لَا تَقْرَبُوا...الآیۃ

حرمت شراب کا حکم تدریجاً نازل ہوا

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ ''یسئلونك عن الخمر والمیسر'' کی تفسیر میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ اسلام سے پہلے جاہلیت کے دور میں شراب نوشی اور جوابازی کا عام رواج تھا۔ اور اوائل اسلام میں بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور ہجرت کے بعد جب حکیم مطلق نے ان چیزوں کی حرمت کا اعلان کرنا چاہا تو دوسرے احکام کی طرح یہ اعلان بھی تدریجاً کیا۔ کیونکہ اگر یکبارگی اس کی حرمت کا اعلان کر دیا جاتا تو مسلمانوں کو اس حکم کی تعمیل میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ جب کچھ مسلمانوں کو شراب وقمار کے بعض نقصانات کا احساس ہوا اور اس بارے میں آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا تو سب سے پہلے سورۃ بقرہ کی یہی آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے شراب نوشی ترک کر دی مگر اکثر لوگوں نے یہ شغل جاری رکھا۔ کیونکہ اس آیت میں صراحۃ اس ''ام الخبائث'' سے منع نہیں کیا گیا تھا ''ایک روز عبدالرحمن بن عوف نے بعض احباب کو بلایا اور انہیں شراب پیش کی، جب وہ پی کر مست ہو گئے تو شام کی نماز کا وقت ہو گیا ان میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی اور سورہ کافرون کی تلاوت شروع کی اور بجائے ''لا اعبد ما تعبدون'' (میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کیا کرتے ہو) کی جگہ ''اعبد ما تعبدون'' (میں بھی ان کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو) پڑھ گئے تو اس وقت حکم ہوا ''لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکری'' کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو'' (ضیاء القرآن جلد ا صفحہ ۱۴۹)

اس آیت کے نزول کے بعد مزید کچھ لوگوں نے شراب نوشی بند کر دی مگر کچھ لوگ پھر بھی پیتے رہے، یہاں تک کہ سورہ مائدہ کی دو آیتیں نازل ہوئیں

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۹۰ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝۹۱

ان آیتوں کے نزول کے بعد جن میں صریحی طور پر شراب اور جوئے کو حرام قرار دیا گیا تھا لوگوں نے شراب کے برتن توڑ ڈالے شراب بہادی گئی اور جام وسبو توڑ دیئے گئے حتی کہ جن کے لبوں تک جام شراب پہنچ چکا تھا انہوں نے بھی وہیں اسے پھینک دیا (عام تواریخ اسلام)

بہر حال یہ آیت مبارکہ مفسرین کے اختلاف آراء کی آماجگاہ ہے اور فاضل آلوسی نے اسے اپنی تفسیر روح المعانی میں معضلات میں سے قرار دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی بیان کردہ تفسیر کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ہرگز کوئی اعضال واشکال نہیں ہیں۔

قرآن سے استنباط احکام کرنے کا طریقہ کار

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ قرآن مجید سے استنباط احکام کرتے وقت اس کے ظواہر پر اس وقت تک اعتماد کرنا جائز نہیں ہوتا جب تک سنت نبوی کی طرف رجوع نہ کر لیا جائے کہ جس مقدس ذات پر قرآن مجید اترا ہے اس نے اپنے قول وفعل سے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کی ہے؟ ظاہر ہے کہ مصادر وماخذ شریعت میں سے ایک عظیم ماخذ سنت بھی ہے ارشاد قدرت ہے ''ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنه فانتھوا'' ہاں البتہ جب سنت میں کسی عام میں کوئی تخصیص یا کسی مطلق میں کوئی تقیید نہ کی گئی ہو تب عام کو اپنے عموم اور مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے گا کیونکہ قرآن کے ساتھ احادیث کی تشریحات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں

خلاصہ مطلب

یہ ہے کہ خداوند کریم نے اس آیت میں نشہ کرنے والوں کی طرح اور چار قسم کے لوگوں کو بھی نماز کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے۔ جب تک وضو یا غسل نہ کر لیں۔ (اور اگر پانی دستیاب نہ ہو یا پانی دستیاب ہو مگر ضرر پہنچاتا ہو) تو ان کے عوض پاک مٹی پر تیمم کر لیں۔ اور وہ چار قسم کے لوگ یہ ہیں

۱۔مریض ۲۔مسافر ۳۔جو بیت الخلاء سے آیا ہو

۴۔جس نے بیوی سے مباشرت کی ہو بقدر ضرورت اس امر کی توضیح یہ ہے

۱۔سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ جب آدمی کو پانی نہ ملے تو وضو یا غسل کے بدلے تیمم کرے گا۔ جب تندرست آدمی کا حکم یہ ہے تو پھر بیمار کا بطریق اولی یہی حکم ہوگا لیکن اگر پانی دستیاب ہو مگر ضرر پہنچاتا ہو تو آیت کے منطوق میں اس شق کا کوئی ذکر نہیں ہاں البتہ مفہوم شرط سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ وضو یا غسل کرے گا مگر سنت

میں صراحت موجود ہے کہ ایسا شخص تیمم کرے گا وضو یا غسل نہیں کریگا۔ ''لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام''

۲۔ مسافر۔ سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مسافر نے وضو یا غسل کرنا ہو اور اسے پانی میسر نہ آسکے تو وہ وضو یا غسل کے بدل تیمم کرے گا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی حاضر آدمی کو پانی نہ مل سکے تو وہ کیا کریگا؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے شخص سے نماز کا وجوب ساقط ہے کیونکہ ان کے نزدیک تیمم کا جواز صرف مسافر کے لئے ہے حاضر کے لئے نہیں ہے۔ مگر دوسرے سنی اور تمام شیعہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھے گا کیونکہ مسلمان کے لئے (خواہ حاضر ہو یا مسافر) پاک مٹی احد الطہورین ہے اور اس سلسلہ میں حاضر یا مسافر میں کوئی فرق نہیں ہے ہاں البتہ چونکہ پانی کے نہ ملنے کا اتفاق سفر میں زیادہ اور حضر میں کم ہوتا ہے اسلئے مسافر کا آیت میں خصوصی ذکر کیا گیا ہے

۳۔ جو بیت الخلاء سے ہو کر آئے۔ یعنی بول و براز کرے یا اس کی ریح خارج ہو تو بالاتفاق نماز کے لئے اس پر واجب ہے کہ وضو کرے اور اگر پانی نہ مل سکے تو پھر اس کے بدل تیمم کرے اور نماز پڑھے۔

۴۔ جس نے مباشرت کی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس لمس و ملامست سے مراد مقاربت کرنا ہے نہ صرف جسم کا جسم سے مس کرنا (جیسا کہ امام شافعی سے منقول ہے) ''قضائے حاجت کے لئے جاء من الغائط'' کے الفاظ اور صحبت کے لئے ''لا مستم النساء'' کے کلمات کتنے لطیف ہیں کہ نازک سے نازک طبع پر بھی گراں نہیں گذرتے ہیں یہ حسن تعبیر کلام خداوندی کا اعجاز ہے'' (ضیاء القرآن)

بہر حال اس شخص پر بالاتفاق نماز کے لئے غسل کرنا واجب ہے اور اگر پانی میسر نہ ہو تو اس کے بدل پاک مٹی سے تیمم کرے گا اور نماز پڑھے گا۔

امت محمدیہ پر تیمم کے جواز کا خصوصی احسان

امت محمدیہ پر خداوند عالم کا یہ خصوصی انعام ہے کہ اس نے وضو اور غسل کے عوض پاک مٹی سے تیمم کرنا جائز قرار دیا گیا ہے جو ہر جگہ میسر ہوتی ہے

صعید سے مراد زمین اور طیب سے مراد پاک ہے ''یعنی پاک مٹی'' پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے ''جعلت الارض مسجداً وطھورا'' زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور طہارت کا باعث بنائی گئی ہے (متفق علیہ)

منہ اور ہاتھوں کی کتنی مقدار پر مسح کیا جائے

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تیمم میں مسح صرف منہ اور ہاتھوں پر ہوتا ہے مگر اس میں اختلاف ہے

کہ ان اعضاء کے کس قدر حصہ پر کیا جائے؟ برادران اسلامی کے فقہا اربعہ کہتے ہیں کہ سارے چہرہ پر کیا جائے جس میں ڈاڑھی بھی شامل ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدے کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا مگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک چہرہ اور ہاتھوں کے صرف بعض حصہ کا (یعنی چہرہ کا بالائی حصہ) اور پہنچوں تک ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا کیونکہ آیت مبارکہ ''فامسحوا بوجوھکم'' میں جو ''با'' وارد ہے یہ تبعیض کا ہے یعنی اپنے چہرہ اور ہاتھوں کے بعض حصہ پر مسح کرو (تفسیر کاشف)

وضو میں شیعی موقف کی صداقت کا ثبوت:

وضو کی کیفیت کے بارے میں شیعہ اور سنی میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ الوضو غسلتان ومسحتان یعنی وضو دو (۲) دھونے (منہ اور ہاتھ) اور دو مسحوں (سر اور پاؤں) کا نام ہے جبکہ اہلسنت کے نزدیک ایک مسح (سر) اور تین دھونے (منہ ہاتھ اور پاؤں) کا نام ہے اور چونکہ تیمم میں مٹی پانی کا بدل ہوتی ہے کہ جن اعضاء کو پانی سے دھویا جاتا تھا اب پانی کے نہ ملنے کی صورت میں ان پر مٹی ملی جائیگی اور چونکہ تیمم میں بالاتفاق مٹی صرف منہ اور ہاتھوں پر ملی جاتی ہے تو یہ چیز اس بات کی نا قابل رد دلیل ہے کہ وضو میں صرف منہ اور ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور اگر پاؤں دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں پاؤں پر بھی مٹی ملی جاتی ''واذا لیس فلیس''۔ کما لا یخفی۔ تیمم کے باقی مسائل فقہی کتابوں میں دیکھے جائیں۔

ایضاح:

خداوند عالم نے نشہ کی حالت کی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب جانے کی ممانعت فرمائی ہے اس کے ساتھ ایک استثناء ہے کہ ''الا عابری سبیل'' سوا اس کے کہ تم راستے سے گذر رہے ہو۔ اس استثناء سے کیا مراد ہے؟ اس میں خاصا اختلاف ہے ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حالت سفر ہے کہ بیمار اور مسافر وغیرہ کا حکم ایک ہے کہ تیمم کیا جاے گا اور یہی تفسیر زیادہ درست معلوم ہوتی ہے مگر دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں صلوۃ سے محل صلوۃ یعنی مساجد مراد ہیں اور جنابت کی حالت میں وہاں ٹھرنا تو ممنوع ہے مگر ان سے گذرنا جائز ہے (تفسیر تبیان)

مگر یہ حکم عام مساجد کا ہے اور جہاں تک مسجد الحرام اور مسجد نبوی کا تعلق ہے تو ان سے تو گذرنا بھی حرام ہے اور ظاہر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت محل نماز کا جو تصور ذہن میں آ سکتا تھا وہ یہی دو مسجدیں ہیں تو جب وہاں سے جنب کے لئے گذرنا ممنوع ہے تو پھر اس حکم کے بیان کرنے کا کیا فائدہ جو ان مسجدوں پر منطبق نہ

ہو(فصل الخطاب)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ...الآية

تاریخ عالم شاہد ہے کہ یہودیوں سے بڑھ کر کوئی قوم حق وحقیقت اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمن نہ ہے نہ تھی نہ ہوگی اور یہ بات تاریخ یہودیت پر نگاہ رکھنے والوں کے لئے عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے جوخود گمراہ ہیں اور دوسروں کوخاص طور پر مسلمانوں کوراہ راست سے بھٹکانے کے لئے ہر وقت کوشاں ہیں یہ اگر مسلمانوں سے کبھی دوستی کا دم بھرتے بھی ہیں تو یہ مارآستین مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں خدائے رحیم وکریم ان کا اصلی رنگ وروپ بیان کرکے سادہ لوح مسلمانوں کوان کے دام ہمرنگ زمیں میں پھنسنے سے بچانا چاہتا ہے۔جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی ان کوکتاب خداوندی کے الفاظ تو پڑھنے کو ملے مگر وہ اس پرعمل کرنے سے دور رہے جو اصل مقصود تھا نیز انہوں نے کتاب خداوندی کا ایک حصہ گم کردیا اور باقی ماندہ حصہ کی روح سے بیگانہ ہوگئے واضح ہے کہ اللہ کی کتاب کسی گروہ کواس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اس سے اپنی سوچ اور اپنے عمل کودرست کرے مگر جب آسمانی کتاب کی حامل کوئی قوم زوال کا شکار ہوتی ہے جیسا کہ یہود ہوئے تو وہ خدا کی کتاب سے ہدایت کی بجائے گمراہی کی غذا لینے لگتی ہے خدا کے احکام اس کے لئے خشک جذباتی بحثوں کا موضوع بن جاتے ہیں اب اس کے یہاں اعتقادیات کے نام پرفلسفیانہ قسم کی موشگافیاں جنم لیتی ہیں۔ایسے لوگ اپنی روایتی نفسیات کی وجہ سے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ہر بات کو خدا کی بات ثابت کریں وہ اپنے عمل کا جواز ثابت کرنے کے لئے خدا کی کتاب کو بدل دیتے ہیں خدا کے کلمات کو اسکے موقع ومحل سے ہٹا کر وہ اس کی خودساختہ تشریح کرتے ہیں وہ الفاظ میں الٹ پھیر کرکے اس سے ایسا مفہوم نکالتے ہیں جس کا اصل خدائی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا(تذکیرالقرآن)

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ...الآية

اس کلمات کوان کے موقع ومحل سے ہٹانے اوران میں ہیرپھیر کرنے کے تین مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ کتاب اللہ کے الفاظ میں ردوبدل کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اپنی تاویلات سے آیات کتاب کے معنی کچھ سے کچھ بنادیتے ہیں تیسرے یہ کہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کی صحبت میں آکر ان کی باتیں سنتے ہیں اور واپس جاکرلوگوں کے سامنے غلط طریقہ سے روایت کرتے ہیں بات کچھ کہی جاتی ہے اور وہ اسے اپنی شرارت سے کچھ کا کچھ بنا کرلوگوں میں مشہور کرتے ہیں تاکہ انہیں بدنام کیا جائے اوران کے متعلق غلط فہمیاں پھیلاکرلوگوں کواسلامی جماعت کی طرف آنے سے روکا جائے(تفہیم القرآن)

یہ لوگ زبان کو توڑ موڑ کر کس طرح ذو معنی بات کو بھی اور مشتبہ الفاظ کہ کر کس طرح دل کا بخار نکالتے تھے اور کس طرح الفاظ میں ہیر پھیر کر کے کس طرح اپنی منافقانہ روش کا مظاہرہ کرتے تھے؟ اس کی بقدر ضرورت وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۴ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا'' کی تفسیر کے ضمن میں بیان کردی گئی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے مخفی نہ رہے کہ قول یعنی کہنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بات زبان سے ہی کہی جائے بلکہ بعض اوقات دل میں کہی ہوئی بات کو بھی قول کہہ دیا جاتا ہے بنابریں ممکن ہے کہ یہود نے یہ باتیں زبان سے نہ کہی ہوں بلکہ دل میں کہی ہوں جن کا علیم بذات الصدور نے انکشاف کر کے ان کو ذلیل ورسوا کیا ہے۔ واللہ اعلم

آیات القرآن

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ
اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ
یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ
افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ
یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا
مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا
هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ
اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ
الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

اے اہل کتاب اس (قرآن) پر (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم کچھ چہروں کو بگاڑ دیں اور انہیں ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے (۴۷) یقیناً اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا ہر (گناہ) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھرایا اس نے بہت بڑے گناہ کے ساتھ بہتان باندھا (۴۸) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں (اور خود اپنی تعریف کرتے ہیں) حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاکیزگی عطا کرتا ہے (جس کی چاہتا ہے تعریف کرتا ہے) اور ان پر سوت برابر (ذرہ برابر) ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۴۹) دیکھو کہ یہ کس طرح خدا پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے گنہگار ہونے کے لئے یہی کھلا ہوا گناہ کافی ہے (۵۰) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (الٰہی) سے کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ جبت (بت) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان رکھتے ہیں (انہیں مانتے ہیں) اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں (۵۱) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کردے تم اس کا ہرگز کوئی یار و مددگار نہیں پاؤ گے (۵۲) کیا ان کا سلطنت میں کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیتے (۵۳)

تفسیر الآیات

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا ...الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں خدائے جبار و قہار نے اہل کتاب (جن میں نصاریٰ بھی داخل ہیں) کو قرآن پر ایمان لانے کی جہاں دعوت دی ہے جو ان کی کتابوں کا مصدق ہے وہاں ان کو دو دھمکیاں بھی دیں ایک ''ان نطمس وجوھا۔۔۔۔۔دوسری۔۔نلعنھم۔۔۔طمس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو مٹانا اور منہ کا حلیہ

بگاڑنا اور اہل زبان اسے کسی کی صلاحیت کو ختم کرنے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہاں اس کے کون سے معنی مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کے درمیاں قدرے اختلاف ہے ظاہری مفہوم یہی ہے کہ ان کے چہروں کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں جس سے ان کا وہ حسن و جمال محسوس نہیں ہو سکے گا جو سامنے کی طرف ہونے میں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے چہروں کے خط وخال اور آنکھ ناک کا باہمی امتیاز اس طرح مٹ جائے کہ ان کے چہرے پیٹھ کی طرح سپاٹ ہوجائیں اور بعض مفسرین نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ ان لوگوں کو دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر تم اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی حقانیت روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہونے کے باوجود ایمان نہ لائے تو تم سے حق پذیری کی قوت اسطرح سلب کرلی جائے گی کہ آنکھیں حق کو دیکھنے اور کان حق بات سننے کی صلاحیت سے محروم ہوجائیں گے۔ مگر اظہر پہلے معنی ہی ہیں اب رہی یہ بات کہ خدا نے ان کو جو دھمکی دی تھی اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اس کے دو جواب دیے جاسکتے ہیں ایک یہ کہ دھمکی اس صورت میں موثر ہوتی ہے جب کوئی بھی اہل کتاب اس پر ایمان نہ لاتا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ کئی لوگ ایمان لائے تھے جیسے عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن شعبہ، اسد بن ربیعہ اور اسعد بن عبیدہ وغیرہ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وعدہ اور وعید میں نمایاں فرق ہے اگر اللہ کسی اچھے کام کرنے پر اجر وثواب کا وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی قبیح ہے لیکن اگر کسی برے کام کرنے کی سزا کی وعید وتہدید کرے اور پھر معاف کردے تو یہ بات حسن ہے اور خدا کا فضل ہے۔ ولا راد لفضلہ

اصحاب سبت سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے یوم السبت کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے مختلف حیلوں بہانوں سے اس دن مچھلیوں کا شکار کیا تھا۔ جس کی پاداش میں خدائے قہار نے ان کو بندروں کی صورت میں مسخ کردیا تھا اس کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت ۶۵ ''ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت'' کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی طرح زمانہ رسولؐ کے اہل کتاب کو دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاسکتا ہے جو جناب موسیٰؑ کے دور کے یہود کے ساتھ کیا گیا تھا کہ آخرت کے عذاب سے پہلے ان کو دنیا کے عذاب (مسخ) میں مبتلا کردیا گیا تھا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ ...الآیۃ

چند صفحے پہلے آیت نمبر ۳۶ ''اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا'' کی تفسیر میں شرک کے جرم کی سنگینی اور اس کے اکبر الکبائر ہونے اور اس کے اقسام وغیرہ متعلقہ امور کا وضاحت سے تذکرہ کیا جاچکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

شرک کے ناقابل معافی جرم ہونے کا کیا مطلب ہے

یہاں صرف ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے جو پہلے نہیں کی جا سکی اور وہ یہ ہے کہ خداوند عالم جو بار بار فرماتا ہے خدا شرک کبھی معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ ہر گناہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ جبکہ دوسری کئی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ توبہ کرنے سے خدا تمام گناہ (جن میں شرک بھی داخل ہے) بخش دیتا ہے ارشاد قدرت ہے قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا‌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ (زمر آیت۔ ۵۳) اے میرے بندو جنہوں نے (گناہ کرکے) اپنے نفسوں پر ظلم و زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک خدا سب گناہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ گناہوں کو بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہ آیت عام ہے اور اس کا مطلب واضح ہے کہ خدا سب گناہ حتیٰ کہ شرک بھی معاف کر دیتا ہے مگر ''ان اللہ لا یغفر ان یشرك'' یہ خاص ہے اور اسکے معنی بھی واضح ہیں کہ خدا شرک معاف نہیں کرے گا لہٰذا اسے اس عام کا مخصص قرار دیا جائے گا کہ خدا تمام گناہ معاف کر دے گا مگر شرک کو معاف نہیں کرے گا۔

توبہ کرنے سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں

لیکن جب یہ آیت پڑھی جائے کہ 'توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا'' اے اہل ایمان تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو بے شک خدا تمام گناہ معاف کردے گا اسی طرح ایک اور جگہ فرماتا ہے'' وَ اِنِّىۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًـا ثُمَّ اهۡتَدٰى '' (طٰہٰ آیت۔ ۸۲) بے شک میں اس شخص کے تمام گناہ بخش دیتا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے، نیک عمل کرے اور پھر راہ راست پر آجائے۔ ان دو آیتوں سے واضح ہو گیا کہ اگر گنہگار توبہ کرے تو اس کے سب گناہ حتی کہ شرک بھی معاف ہو جاتا ہے۔ ان سب آیات اور متعلقہ روایات کو پیش نگاہ رکھنے سے نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ''توبۃ النصوح'' کرنے سے تو تمام گناہ حتی کہ شرک بھی معاف ہو جاتا ہے البتہ توبہ کے بغیر شرک اپنی سنگینی کی وجہ سے معاف نہیں ہوتا ہاں البتہ دوسرے سب گناہ خدا جسے چاہتا ہے بلا توبہ بھی معاف کر دیتا ہے کہ یہ اس کا فضل ہے اس آیت مبارکہ نے گنہگار اہل ایمان کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے مگر اس کے ساتھ مشیت کی شرط عائد کرکے (جس کے لئے چاہتا ہے) خوف کی آمیزش بھی کر دی ہے تاکہ امید و بیم کے دونوں پہلو برابر ہیں اور یہی ایک مومن کی شان ہے جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اگر مومن کے دل کو شگافتہ کرکے دیکھا جائے تو اس

میں رجاء وخوف کے دونوں پلے برابر ہوں گے (اصول کافی)

کیونکہ خداوند عالم نے اپنی رحمت سے مایوس ہونے والوں کو ''الضآلّون'' گمراہ اور عذاب خدا سے مامون ہونے والوں کو ''الا الخاسرون'' خاسرون (یعنی گھاٹا پانے والے) قرار دیا ہے ارشاد قدرت ہے ''ومن یقنت من رحمة ربه الا الضالون۔ ولا یامن مکر الله الا القوم الخاسرن'' ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا ''دخلت الکبائر فی الاستثناء قال نعم'' کیا بخشے جانے والے گناہوں میں گناہان کبیرہ بھی داخل ہیں فرمایا ہاں (تفسیر قمی)

حضرت امیرؑ سے مروی ہے فرمایا ''ما فی القرآن ایة احب ای من قوله عزوجل ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء'' قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو مجھے اس آیت سے بڑھ کر پسند ہو ''ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء'' (کتاب التوحید)

نیز حضرت امیرؑ سے منقول ہے کہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ ''من خرج من الدنیا لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة'' جو شخص اس حالت میں دنیا سے جائے کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا (الفقیہ)

کمترین شرک کیا ہے؟

ابوالعباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا عن ادنی ما یکون به الانسان مشرکا'' کمترین چیز کیا ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے؟ فرمایا ''من ابتدع رئیاً فاحب علیه وابغض'' جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اور پھر اسی کی بناء پر لوگوں سے محبت یا نفرت کرے (تفسیر عیاشی وصافی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ...الآية

اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا کسی عقلمند آدمی کو زیب نہیں دیتا ہے کیونکہ

ثنائے خودبخود کردن نزیبدمرد دانارا

چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا ''اعجاب المرء بنفسه دلیل علی ضعف عقله'' کہ آدمی کا اپنے اوپر اترانا اس کی کمزوری عقل کی دلیل ہے (اصول کافی)

مگر یہودی عجیب احمق ہیں جو اپنے منہ میاں مٹھو بنتے میں لذت محسوس کرتے ہیں کوئی کہتا ہے ''نحن ابناء اللہ واحباوہ'' ہم خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں کوئی کہتا ہے ''لن یدخل الجنة الا من کان ھودا'' جنت میں وہی داخل ہوگا جو یہودی ہوگا اور کوئی یہ راگ الاپ رہا ہے ''لن تمسنا النار الا ایاما معدوۃ'' کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ مس بھی نہیں کرے گی (وغیرہ وغیرہ) حتی کہ ان کے بعض مغرور جاہلوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء'' اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں اور کوئی شیخی بگھار رہا ہے کہ ہم انبیاء کی نسل سے ہیں اس لئے ہمارا گروہ مقدس ہے وغیرہ وغیرہ۔ بھلا اس سے کیا حاصل؟ مزہ تو تب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی تعریف کرے اور مقدس وہ ہے جس کی خدا تقدیس کرے نہ وہ جو اپنے قصیدے آپ پڑھے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اپنی پاکی و پاکیزگی بیان کرنا روا نہیں ہے کیونکہ اس میں کبر ونخوت کا شائبہ پایا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ویسے تحدیث نعمت کے طور پر کوئی مضائقہ نہیں ہے خدا عادل ہے حق والوں کو ان کا حق عطا کرتا ہے اور کسی پر سوت برابر (ذرہ بھر) ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔

اُنْظُرْ کَیْفَ...الآیة

اس جھوٹی تہمت سے مراد وہی شیخیاں ہیں جو یہ لوگ بگھارتے تھے جن کا تذکرہ اوپر بھی کیا جا چکا ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور ہر ہمارا باپ ہے یعنی ہم اس کے چہیتے ہیں وہ ہم سے محبت کرتا ہے گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں یعنی اللہ ضرور ہمیں جنت میں داخل کرے گا۔ یہ سب خدا پر تہمتیں ہیں جو یہ لوگ لگا رہے ہیں اور جب عام بندوں پر تہمت لگانا گناہ ہے تو اس تہمت کی سنگینی اور کھلا گناہ ہونے کا کیا عالم ہوگا جو خدا پر لگائی جائے

معیارِ شرافت

بہر حال ان آیات مبارکہ میں خدائے حکیم اپنے بندوں کو یہ حقیقت بتلانا چاہتا ہے کہ کسی گروہ یا کسی خاص نسل سے وابستگی کی بنا پر کسی شخص کو کوئی ایسی فضیلت یا کوئی شرف نہیں مل جاتا جس سے وہ کسی تعریف اور جنت کا مستحق بن جائے بلکہ اس کا تعلق خدا کے قانون عدل سے ہے لہٰذا جو شخص خدائی قانون عدل کیمطابق اپنے کو کسی شرف کا مستحق ثابت کرے یعنی اپنے ایمان وعمل سے اپنی شرافت ثابت کرے تو وہ شرف والا ہے اور جو اپنے ایمان وعمل سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت نہ کر سکے وہ محض کسی گروہ سے وابستگی کی بنا پر کسی شرف کا مالک نہیں بن جاتا بے شک ایسی نسبتیں ظاہری اکرام کا موجب تو ہوتی ہیں مگر نہ دنیا میں مدح کا باعث ہوتی ہیں

اور نہ آخرت میں مغفرت کا موجب اور اس حقیقت کے خلاف ایسی باتیں کرنا خدا پر جھوٹی تہمت لگانے کے مترادف ہے کیونکہ یہ بات تعلیمات خداوندی کے خلاف ہے تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی قوم و جماعت علم و عمل سے محروم ہوجاتی ہے تو وہ ایسے ہی غرور و پندار میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ ع

ان الفتی من یقول ھا انا اذا
لیس الفتی من یقول کان ابی

یعنی

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامیؒ
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزئے نیست

الم تر الی الذین...الآیۃ

حسب سابق اس آیت مبارکہ میں بھی یہود کی مذمت کی جارہی ہے اور ان کی غلط روش و رفتار اور غلط گفتار و کردار پر ان کی سرزنش کی جارہی ہے کہ وہ جبت و طاغوت پر ایمان لانے لگے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار و مشرکین زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

جبت و طاغوت سے کیا مراد ہے؟

ان الفاظ کے اطلاقات و تعبیرات میں خاصا اختلاف ہے۔جس کا ذیل میں ایک شمہ بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے

۱۔جبت اور طاغوت کفار قریش کے دو بتوں کے نام ہیں۔ ۲۔جبت جادو اور جادوگر اور طاغوت شیطان۔ ۳۔جبت محض بے حقیقت چیز جیسے اہل جوتش نارمل فال گیری، کے وغیرہ اور طاغوت کاہن اور گمراہی کا ہر سرغنہ

۴۔اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جائے وہ جبت و طاغوت ہے اس آیت کی شان نزول میں جو روایت کتب فریقین میں مروی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جبت و طاغوت سے کفار قریش کے دو بت مراد ہیں جن کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جنگ احد کے بعد کعب بن اشرف اور حی بن اخطب (سرداران یہود) اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ہمراہ مکے گئے تا کہ کفار قریش کو عہد شکنی کر کے پیغمبر اسلامؐ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کریں چنانچہ اس سلسلہ میں کعب بن اشرف ابوسفیان کے پاس گیا۔ اس نے اس کی خوب

آؤ بھگت کی اور تعاون کرنے کا وعدہ کیا کہا تم اور محمدؐ دونوں اہل کتاب ہو جب تک تم ہمارے بتوں (جبت وطاغوت) کو سجدہ نہ کرو۔ اس وقت تک ہمیں کسی کا اعتبار نہیں ہے چنانچہ کعب نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے ان بتوں کو سجدہ کیا۔ پھر ابوسفیان نے کہا تم اہل کتاب ہو مگر ہم ان پڑھ ہیں۔ آپ ہمیں بتائیں کہ ہم حق پر ہیں یا حجاج اور ان کے پیروکار؟ کعب نے دریافت کیا تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا ہم موسم حج میں حجاج کرام کے لئے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ لوگوں کی ضیافت کرتے ہیں اقرباء پروری کرتے ہیں۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اور عمرہ ادا کرتے ہیں مگر محمدؐ نے اس کے برعکس اپنے آباؤ اجداد کے دین و مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور اپنا ایک نیا دین لایا ہے اور برادری سے تعلقات توڑ لئے ہیں یہ سن کر کعب بن اشرف نے ابوسفیان اور دوسرے کفار مکہ کو خوش کرنے کے لئے کہا کہ تم ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہو (مجمع البیان وروح المعانی وغیرہ)

اس طرح یہود و ہنود (کفار مکہ) نے مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرلیا۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین کے خلاف محاذ قائم کرتے۔ آخر یہود اور مسلمانوں کے درمیان کچھ اقدار تو مشترک تو موجود تھے جیسے وحدت نظام رسالت وشریعت۔ جبکہ مشرکین عرب ان چیزوں کے قائل ہی نہیں تھے۔ مگر یہود نے اس کے برخلاف عمل کر کے اپنی پرانی دنائت طبع اور خباثت نفس کا ثبوت فراہم کیا اور ان کی اس کج رفتاری کا خداوند عالم نے یہاں شکوہ کیا ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ جب کوئی جماعت اتباع حق کو چھوڑ کر گروہ پرستی اور جھتا بندی کی پجاری بن جاتی ہے تو پھر اسے حق و باطل کا امتیاز نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر اسے مخالف کو زک دینے کے لئے اپنے عقیدہ و اصول کے خلاف بھی جانا پڑے تو چلی جاتی ہے یہی حال یہود مکہ کا تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ...الآية

ایسے سیاہ کاروں اور ناہنجاروں پر خدا اگر لعنت نہ کرے تو کیا رحمت برسائے؟ ع

سزائے ایں چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد؟

لمحۂ فکریہ

ارباب دانش جانتے ہیں کہ ''کعب بن اشرف'' یہود کا ایک بڑا عالم تھا جو خدا کو بھی مانتا تھا اور اس کی عبادت بھی کرتا تھا مگر جب حب دنیا اور اس کے جاہ وجلال کا بھوت سر پر سوار ہو گیا تو توحید اور دین پرستوں کے خلاف توحید اور دین و دیانت کے منکروں کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ قائم کر دیا۔ اور اپنے باطل مقصد کے حاصل

کرنے کی خاطر بتوں کو سجدہ بھی کرلیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح ''بلعم بن باعورا'' نے جو کہ ایک ممتاز عالم اور عابد وزاہد بزرگ تھا مگر جب توفیق الٰہی سلب ہوئی اور نفسانی خواہشات کے جال میں پھنس گیا تو جناب موسیٰؑ کے خلاف سازشیں کرنے لگا اور اپنی دنیا وآخرت کو خراب وبرباد کر بیٹھا خدا فرماتا ہے ''فمثلہ کمثل الکلب'' اب اس کی مثال کتے جیسی ہے ان واقعات وسانحات سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک علم کے مطابق عمل نہ کیا جائے تب تک علم فی حد ذاتہ مفید نہیں ہے

''لو کان للعلم شرف من غیر تقی۔ لکان اشرف الناس ابلیس''

سچ ہے

علم رابر جان زنی یارے بود
علم را برتن زنی مارے بود

ان سبق آموز واقعات سے ان اہل علم کو درس عبرت حاصل کرنا چاہیے جو علم دین کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں اور اس پست مقصد کے حصول کی خاطر دینی حقائق اور اسلامی معارف میں بھی ترمیم وتنسیخ کرتے ہیں احکام میں کتر وبیونت کرتے ہیں حتیٰ کہ خدا اور رسولؐ کو ناراض کر کے حکام اور عوام کو خوش کرتے ہیں اور نتیجتاً خود گمراہ ہوتے ہیں اور مخلوق خدا کو گمراہ کرتے ہیں ''وذلك هو الخسران المبین''

لعنت کا صحیح مفہوم اور یہ کہ لعنت گالی نہیں ہے

عربی زبان میں کسی مکلف کی عصیان کاری اور سیاہ کاری کی وجہ سے رحمت حق سے دوری کی بددعا کرنے کا نام لعنت ہے جیسا کہ اس کی ضد رحمت ہے جو اللہ کے کسی فرمانبردار اور نیکوکار بندے کے حق میں رحمت حق کے نزول کی دعا کرنے کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح خدائے رحیم کی رحمت دنیا وآخرت میں عزت وعظمت کا باعث ہے اسی طرح خدائے قہار کی لعنت دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی اور نکبت وپسپائی کا سبب ہے انجام کار رحمت کا مستحق عزت کے ساتھ جنت الفردوس میں داخل ہوتا ہے اور لعنت کا مستحق ذلت کیساتھ واصل جہنم ہوتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے ''ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا'' اور جس پر اللہ لعنت کردے اس کا تم ہرگز کوئی یار ومددگار نہیں پاؤ گے۔ اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہوجاتا ہے کہ لعنت کوئی سب وشتم یعنی کوئی گالم گلوچ نہیں ہے (جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں) بلکہ صرف کسی بدکرداری اور عصیان کاری کی وجہ سے ایک بددعا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت نیکوکاروں کے لئے رحمت کی دعاؤں اور بدکاروں کے لئے لعنت کی بددعاؤں سے چھلک رہے ہیں ''ان اللہ وملائکۃ یصلون علی النبی۔ یا ایها الذین امنوا صلوا

علیه وسلموا تسلیما''۔''ان رحمت الله قریب من المحسنین''قرآن مجید میں جا بجا آپ کو یہ فقرے نظر آئیں گے کہ''لعنت الله علی الظالمین''(ظالموں پر خدا کی لعنت ہو)''لعنت الله علی الکاذبین''(جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو) وغیرہ وغیرہ اور کہیں ایسی آیات بھی باصرہ نواز ہونگی''اولئك یلعنهما الله ویلعهم الاعنون''کہ ایسے لوگوں پر خدا بھی لعنت کرتا رہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔لعنت کے مستحق پر لعنت کرنا کارثواب ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح رحمت کے مستحق کے لئے نزول رحمت کی دعا کرنا کارثواب ہے اسی طرح لعنت کے مستحق پر لعنت یعنی رحمت سے دوری کی بددعا کرنا بھی کارثواب ہے۔یہی وجہ ہے کہ حدیثوں میں مختلف گروہوں اور مختلف افراد اور مختلف برے کام کرنے والوں پر لعنت کرنے کی تصریحات موجود ہیں۔یہاں اس سے زیادہ تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔لہٰذا یہ کہنا بالکل بے جا اور اس صرف اندھی تقلید کا نتیجہ ہے کہ ''کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔اگر چہ وہ فاسق ہی ہو۔جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے اسی اصول کی بنا پر یزید پر لعنت کرنے سے علامہ شامی نے منع کیا ہے''(تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۷) معلوم ہوتا ہے کہ ہوا خواہان بنی امیہ نے یہ اصول نظریہ ضرورت کے تحت وضع ہی اسلئے کیا ہے تا کہ یزید پلید (لعنت اللہ) جیسے فاسقوں وفاجروں کو لعنت ایزدی سے بچایا جائے مگر ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

اس لئے اہل حق بقول فاضل تفتازانی برابر یہ کہتے رہیں گے''فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه وعلی انصاره واعوانه''(شرح عقائد نسفی ص ۱۱۷)

لطف یہ ہے کہ صاحب معارف القرآن نے اپنی تفسیر کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر اور اس سے پہلے صفحہ پر وہ حدیثیں درج کی ہیں جن سے ان کا یہ مزعومہ اصول''هباء منثورا''ہوجاتا ہے۔لکھتے ہیں ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رسول اللہؐ نے سود دینے والے، سود کھانے والے، اس کے لکھنے والے، اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت کی ہے اور وہ سب گناہ میں برابر ہیں (رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ) ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا''ملعون من عمل قوم لوط''(رواہ رزین بحوالہ مشکوۃ) یعنی جو آدمی لوط (علیہ السلام) کی قوم کے جیسا عمل کرے وہ لعنتی ہے''(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۴) اگر اس اصول کی کوئی حقیقت تھی تو حضرت رسول خداؐ نے ان فاسقوں اور خدا و رسولؐ کے نافرمانوں پر ان کے حین حیات میں کیوں لعنت کی ہے اور ان کی موت کا کیوں انتظار نہیں فرمایا؟ اس بے بنیاد اصول سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے لعنت صرف کافروں پر کرنی چاہیے اور

کافر بھی وہ جس کے حالت کفر پر مرنے کا یقین ہو۔ حالانکہ جناب موصوف نے لعنت کے سلسلہ میں جس قدر حدیثیں درج کی ہیں ان سب میں فاسقوں اور فاجروں پر لعنت کی گئی ہے اور وہ بھی ان فاسقوں کے حین حیات میں۔ع۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ...الآیة

یہ استفہام انکاری ہے۔ یہ تو غنیمت ہے کہ یہودیوں کو سلطنت واقتدار حاصل نہیں ہے ورنہ یہ وہ خبیث اور ذلیل قوم ہے کہ اگر روئے زمین کے کسی حصہ پر ان کو اقتدار حاصل ہو جائے تو یہ کسی کو تل برابر کچھ نہ دیں جیسا کہ ۱۹۴۸ء سے عالم استعمار واستکبار کی باہمی سازش اور ملی بھگت سے صیہونیوں کی فلسطین پہ غاصبانہ حکومت قائم ہوئی ہے تو دنیا اپنی آنکھوں سے قرآن کے اس بیان کی صداقت کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ یہ قوم کس قدر خلیس ہے؟ کس قدر بخیل ہے؟ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دعا ہے کہ خدائے قہار وجبار جلد از جلد اس بیامردی غیر عارضی حکومت کا بیڑا غرق کرے اور ہمارے قبلہ اول کو ان کے پنجہ استبداد سے آزاد کرائے "وماذلك على الله بعزيز" ع

جو شاخ نازک یہ آشیانہ بنے گا ناپیدار ہوگا۔

مخفی نہ رہے کہ آیہ میں لفظ نقیر وارد ہے اور لغت میں نقیر اس باریک نقطہ کو کہا جاتا ہے جو کھجور کی گھٹلی کے وسط میں ہوتا ہے مراد ذرہ سی چیز ہے۔

آیات القرآن

اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ۚ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ
اِبۡرٰهِيۡمَ الۡـكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ
بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ‌ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ
جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۵۶﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ز وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝۵۷

ترجمۃ الآیات

یا پھر وہ لوگوں پر اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے (اگر یہ بات ہے) تو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت عطا کی ہے اور ان کو بہت بڑی سلطنت عطا کی ہے (۵۴) پھر ان میں کچھ تو اس پر ایمان لائے اور کچھ روگردان ہو گئے اور (ایسوں کے لئے) دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے (۵۵) بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم عنقریب انہیں (دوزخ) کی آگ میں جھونکیں گے۔ جب ان کی (پہلی) کھالیں پک (جل) جائیں گی تو ہم ان کی کھالیں اور کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں بے شک اللہ زبردست ہے اور بڑی حکمت والا ہے (۵۶) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم عنقریب ان کو ان بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے وہاں پاک و پاکیزہ بیویاں ہونگی اور ہم انہیں (اپنی رحمت) کے گنجان سایہ (گھنی چھاؤں) میں اتاریں گے (۵۷)

تفسیر الآیات

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ...الآية

یہ استفہام اقراری ہے۔ کہ یہودیوں کی اسلام اور بانی اسلام کے خلاف یہ تمام ہاؤ ہو یہ تمام فتنہ و پیکار محض حسد کی وجہ سے ہے کہ خداوند عالم نے ان کو نظرانداز کر کے حضرت محمد مصطفیٰؐ و احمد مجتبیٰ اور ان کے خانوادہ عصمت وطہارت کو اپنے خصوصی فضل و کرم اور شرف نبوت وولایت سے کیوں نوازا ہے؟؟ اگر ان کے حسد کا یہی سبب ہے اور اسی وجہ سے وہ آتش حسد میں جل رہے ہیں تو پھر جلتے رہیں۔ خداوند کریم نے پہلے جناب ابراہیمؑ اور

ان کے خاندان کو نبوت، کتاب وحکمت اور عظیم سلطنت سے نوازا تھا۔ جیسا کہ جناب اسماعیلؑ اور جناب داؤد وسلیمان علیہم السلام کے حالات سے واضح ہے اور اب بھی اسی خانوادہ کو ان نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ کیونکہ حضرت ختمی مرتبتؐ اوران کی آل طاہرین انہی خلیل خدا کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جن کو خدائے منان نے ان نعمتوں سے نوازا ہے؟ وہ کون ہیں؟؟ اس میں مفسرین نے قدرے اختلاف کیا ہے ا۔اس سے مراد صرف حضرت رسول خداؐ ہیں۔ ۲۔اس سے آنحضرتؐ اور ان پر ایمان لانے والے صحابہ کرام واہل اسلام ہیں۔ ۳۔اس سے حضرت رسول خداؐ اور ان کا خانوادہ عصمت وطہارت مراد ہے۔اور یہی آخری بات ہماری متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے جو تفسیر قمی وعیاشی وصافی واصول کافی، تہذیب الاحکام، معانی الاخبار و بصائر الدرجات اور بحار الانوار وغیرہ جوامع میں موجود ہیں چنانچہ ابوالصالح کنانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ان سے فرمایا ! یا باصالح ''نحن قوم فرض الله طاعتنا لنا الانفال ولنا صفوالمال ونحن الراسخون فی العلم ونحن المحسودون الذین قال الله فی کتابه ام یحسبون الناس...الآیة'' (تفسیر عیاشی)

اے ابوصالح! ہم وہ قوم ہیں جن کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے۔انفال اور برگزیدہ مال ہمارے لئے ہے ہم راسخون فی العلم ہیں اور ہم محسود ہیں۔ جنکے بارے میں خدا فرماتا ہے۔ام یحسدون الناس...الآیة۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ''نحن الناس المحسودون'' کہ وہ خدائے کے محسود بندے ہم ہیں (اصول کافی) برادران اسلامی کی بعض روایتوں سے بھی اس مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے چنانچہ مناقب ابن مغازلی میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ''نحن الناس والله''۔ بخدا وہ محسود بندے ہم ہیں اور تفسیر درمنثور میں جناب ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''نحن الناس دون الناس' اس سے مراد ہم ہیں نہ دوسرے لوگ نیز متعدد احادیث اہلبیتؑ میں وارد ہے کہ اس ملک عظیم سے مادی سلطنت اور وہ حکومت مراد نہیں ہے جو تاج وتخت کی محتاج ہوتی ہے بلکہ اس سے امامت وراہنمائی اور کائنات کی پیشوائی ومقتدائی اوران ذوات مقدسہ کی اطاعت مطلقہ مراد ہے جیسا کہ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے یہ ایسے آئمہ ھدیٰ ہیں کہ جو ان کا اطاعت گذار ہے وہ خدا کا اطاعت گذار ہے اور جو ان کا نافرمان ہے وہ خدا کا نافرمان اور عصیاں کار ہے (اصول کافی وعیاشی)

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ۔ الایه

منہم میں جمع مذکر غائب کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس میں قدرے اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس کا مرجع یہود ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ خاندان ابراہیم میں سے ہونے والے انبیاء کے زمانہ والے لوگ ہیں۔ اسی طرح ''بہ'' کی ضمیر واحد مذکر غائب کے مرجع کے متعلق تین آراء ہیں۔ ا۔ اس کا مرجع خلیل خدا ہیں۔ ۲۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ ۳۔ کتاب مرجع ہے۔ قول معصومؑ کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے گو یقین واذعان کے ساتھ تو کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر جناب شیخ جواد مغنیہ کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے کہ منہم کی ضمیر کا مرجع صاحب کتاب وحکمت نبی کے عہد کے لوگ ہیں اور بہ کا مرجع خود وہ نبی ہے۔ کیونکہ ہمیشہ ہر نبی کے دور میں ایمان لانے والے لوگ بھی رہے ہیں اور انکار کرنے والے بھی اور کسی منکر کے انکار سے کسی نبی کی نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ''فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ج وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ'' (الحدید آیت۔۲۶) بنا بریں اگر حضرت خاتم الانبیاء کے دور کے کچھ یہود وہنود آپؐ پر ایمان نہ لائیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور اس میں کونسی تعجب والی اور انوکھی بات ہے؟ جو حق وحقیقت سے منہ موڑیں گے تو آخرت میں دوزخ کی آتش سوزاں ان کی سزا اور انہیں جلانے کے لئے کافی ہے (تفسیر کاشف وفصل الخطاب)

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ...الآیة

جو کافر ہیں وہ واصل جہنم ہوں گے۔ یہ بات تو ہر قسم کے شک اور شبہ وقال وقیل سے بالا ہے۔ اس آیت میں صرف ایک چیز قابل غور ہے کہ ''جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان پر دوسری کھالیں چڑھا دیں گے'' اس پر ایراد کیا جاتا ہے کہ دوزخیوں نے گناہ تو پہلی کھالوں کے ساتھ کئے تھے دوسری کھال کو سزا دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ گناہ آدمیوں نے کئے تھے نہ کھالوں نے اس لئے اس آدمی کو جلایا جا رہا ہے اور اسی کو اذیت پہنچائی جارہی ہے اور اسی کی اذیت کو برقرار رکھنے کے لئے پرانی اور بے حس کھال کی جگہ تازہ کھال کا لباس پہنایا جا رہا ہے۔ تو یہ سزا کھال کو نہیں دی جارہی ہے بلکہ اس گنہگار آدمی کو دی جارہی ہے اور دوسرا جواب وہ ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابن ابی العوجاء نامی ایک زندیق کے ایسے ہی اعتراض کے جواب میں دیا تھا کہ دوسری کھال وہی پہلی پرانی کھال ہے اور تازہ بھی۔ اگر ایک سانچہ میں ایک اینٹ ڈھال کر توڑ دی جائے اور خاک میں ملا دی جائے اور پھر اس مٹی کو گوندھ کر از سر نو سانچہ میں ڈال کر بنائی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اینٹ وہی کہنہ اینٹ ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تازہ اور نئی اینٹ ہے (الاحتجاج الاطبرسی)

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ...الآیة

اس آیت مبارکہ کی تفسیر قبل ازیں سورۃ بقرہ کی ۸۲ ''وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...الآیۃ'' کے ذیل میں کردی گئی ہے اور ناقابل رد دلائل سے واضح کردیا گیا ہے کہ اسلام وقرآن کے نقطہ نگاہ سے اخروی نجات اور دائمی فوز وفلاح کے حاصل کرنے کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے نیز اسی مقام پر ازواج مطہرہ کا مفہوم بھی واضح کردیا گیا ہے اس مقام کی طرف ضرور رجوع کیا جائے اور ان حقائق کو ذہن نشین کرکے ان کے مطابق عمل درآمد کیا جائے۔ اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ فراجع

آیات القرآن

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ
النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ
وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ
وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ
وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ
بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ
رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ
مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَاۤ
اِلَّاۤ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۚ
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اے مسلمانو) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو ادا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا دیکھنے والا ہے (۵۸) اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں (فرمان روائی کے حقدار ہیں) پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع یا (جھگڑا) ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے روز پر ایمان رکھتے ہو تو یہ طریقہ کار تمہارے لئے اچھا ہے اور انجام کے اعتبار سے عمدہ ہے (۵۹) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعوی ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ (اسکے باوجود) وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف رجوع کریں (غیر شرعی عدالت میں مقدمہ لے جائیں) حالانکہ انہیں اس کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر گمراہی میں بہت دور لے جائے (۶۰) اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے (قرآن) اور آؤ رسولؐ (سنت) کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے بڑی سخت روگردانی کرتے ہیں (۶۱) پھر کیسی گذرتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی (ان کے کرتوتوں کی وجہ سے) تو آپ کی خدمت میں اللہ کے نام کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد تو بھلائی اور (فریقین میں) مصالحت کرانا تھا (۶۲) یہ وہ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے آپ ان سے چشم پوشی کریں اور انہیں نصیحت کریں اور ان سے موثر باتیں کریں (۶۳)

تفسیر الآیات

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ...الآیة

امانت کا تذکرہ اوراس کی ادائیگی کا حکم

انسان چونکہ فطرۃ مدنی الطبع واقع ہوا ہے اسلئے اسلام جوکہ دین فطرت ہے ہراس کام کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس سے باہمی بھائی چارہ اورامداد باہمی کی فضا کوتقویت ملتی ہو۔لہٰذا اگرکوئی شخص اپنا مال بغرض حفاظت کسی کے پاس بطور امانت رکھنا چاہےتو اسلام نہ صرف یہ کہ اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اسے تعاون علی البر قراردے کر اس کی فضیلت بیان کرتا ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ارشاد قدرت ہے''ان اللہ یامرکم ''فقہاءاسلام نے اس سے یہ حکم استنباط کیا ہے کہ جب بھی مالک امین سے اپنے مال کے واپس کرنے کا مطالبہ کرےتواس پر واجب ہے کہ فوراًواپس کردے۔

امانت کی اہمیت

ائمہ طاہرین علیہم السلام کی متعدداحادیث میں وارد ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جن میں مسلم وکافر اور نیک وبد میں کوئی فرق نہیں ہے۔امانت کی ادائیگی واجب ہےخواہ نیک کی ہو یا بد کی ۔۲۔وعدہ کی وفا واجب ہے خواہ نیک سے کیا ہو یابد سے ۔۳۔سچ بولنا واجب ہےخواہ مخاطب نیک ہو یابد(الخصال،الوسائل البحار)

حتی کہ حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ہےفرمایا!اگرشمر بن ذی الجوشن وہ خنجر میرے پاس بطور امانت رکھےجس سے اس نے میرے والد ماجد(سیدالشہداء)کوشہید کیا تھاتو میں وہ بھی واپس کروں گا(وسائل الشیعہ) یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اہل ایمان کی یوں مدح سرائی فرمائی گئی ہے۔والذین ھم لاماناتھم وعھد راعون۔(مومنون)کہ مومن وہ ہوتے ہیں جواپنی امانتوں کوادا کرتے ہیں اوراپنے وعدوں کی وفا کرتے ہیں۔

امانت کے بعض اقسام

مالی امانت کی طرح وہ ذمہ داریاں بھی اس میں داخل ہیں جوکسی معاہدہ یاکسی ذاتی حق کی بنا پرکسی کے لئےکسی پر عائد ہوں۔جن میں سے اہم خدا کے اوامرونواہی کی تعمیل ہے۔لہٰذا اس امانت سے عہدہ برآ ہونا اور

ان کومقررہ وقت پرخلوص نیت اور دیگر معینہ شرائط کے ساتھ ادا کرنا امانت داری کا اہم جزء ہے حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ نماز وزکوۃ اور حج وصوم کی ادائیگی بھی ادائے امانت میں داخل ہے (مجمع البیان) اس عمومی امانت میں وہ ذمہ داری بھی داخل ہے جوحکمرانوں اورسرداروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ مخلوق کی فلاح وبہبود کے لئے کام کریں اورامیر وفقیر کے ساتھ انصاف کریں (ایضا) اسی بیان وکلام سے علماء کرام کی علمی ذمہ داریوں کا بھی نکشاف ہوتا ہے بلکہ اگرقدرے گہری نگاہ سے حالات کا جائزہ لیا جائے تومعلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مال وجائیداد اوراولاد حتی کہ ہماری جان اور ہمارے اعضاء وجوارح بھی اللہ کی امانت ہیں۔اللہ مافی السموات ومافی الارض۔اناﷲ واناالیہ راجعون۔یعنی

در حقیقت مال ہر شی خدا است

این امانت چند روزہ پیش ما است

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حقیقی مالک کی منشا کے خلاف اس کی امانت میں تصرف کرنا جائزنہیں ہوتا بنابریں ہم پرشرعا واخلاقا واجب ولازم ہے کہ ہم ان چیزوں میں اسی طرح تصرف کریں جس طرح خالق ومالک نےحکم دیا ہے نہ ہم خائن قرار پائیں گے۔وان اللہ لا یحب الخائنین (خدا خیانت کاروں کو پسندنہیں کرتا) بعض روایات میں وارد ہے کہ۔لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔جس میں امانت نہیں ہےاس میں ایمان نہیں ہے (تفسیر کاشف)

اوربعض اخبار وآثار میں ترک امانت کونفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے (الخصال)

وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ...الآیۃ

اسلام میں عدل کا مقام

اگرعدل کوآسیائے اسلام کا قطب کہا جائے تواس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کیونکہ نہ صرف اسلام کا نظام بلکہ کل کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے توبے جانہ ہوگا کہ اللہ تعالی بھی عدل کے ساتھ قائم ہے۔شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ والو العلم قائما بالقسط۔اللہ اس کے فرشتے اورتمام اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ قائم بالقسط یعنی قائم بالعدل ہے۔خداوند عالم حکمرانوں کوحکم دیتا ہے کہ۔لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلو ا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔تمہیں کسی قوم وقبیلہ سے ذاتی دشمنی اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پرآمادہ نہ کرے۔ بلکہ عدل وانصاف کروکہ یہ تقویٰ کے

زیادہ قریب ہے۔ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ۔ **کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ** تم میں سے ہر شخص حکمران و پاسبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ بادشاہ پورے ملک کا گورنر ہے پورے صوبے کا کمشنر پوری کمنشنری کا۔ ڈی سی پورے ضلع کا تھانیدار اور نمبردار اپنے پورے علاقہ کا اور شوہر اپنے بیوی بچوں کا راعی ونگہبان اور مسئول ہے۔ تو اگر ناظر ونگراں پہلے اپنے فرائض کو سمجھے اور پھر عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق انہیں ادا بھی کرے۔ قوی اور ضعیف امیر وفقیر میں مساوات قائم کی جائے عہدوں کی تقسیم کو امانت سمجھ کر عدل کے ساتھ تقسیم کیا جائے تمام امیدوار جس عہدہ کے لائق ہوں۔ اہلیت وقابلیت کی بنا پر انہیں ان کے عہدوں پر فائز کیا جائے اور وہ اپنے فرائض منصبی کو اللہ کی امانت سمجھ کر ادا کریں اور جہاں تک نااہلوں، خائنوں اور ظالموں کا تعلق ہے تو پہلے تو ان کو ان عہدوں پر فائز ہی نہ کیا جائے اور اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو ان سے جرائم کے سرزد ہونے کے فوراً بعد ان کو معزول کر دیا جائے اور ان کی جگہ اہل افراد کو فائز المرام کر دیا جائے اور اسطرح مظلوم کی دادرسی کی جائے اور ظالم کو قانون کے شکنجہ میں کس کر اسے جلد از جلد اس کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے تو رب اکبر کی قسم دنیا جنت کا نمونہ بن جائے اور امن وآشتی کا گہوارہ قرار پائے اور پھر قتل وغارت، چوری وچکاری، دہشت گردی وفرقہ پرستی، زناکاری وشراب خوری، کا نام ونشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ بعض آثار سے آشکار ہوتا ہے اور مشاہدہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ ''**یبقی الملك مع الکفر ولا یبقی مع الظلم**۔ کہ کوئی بھی حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔ اللہ بہت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور بے شک اللہ سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔ اب اس نصیحت ربانی پر عمل کرنا حکام علماء کرام اور عوام کا کام ہے۔ اگر عمل کریں گے تو فائز المرام ہوں گے اور اگر بنی اسرائیل اور دیگر انحطاط پذیر اقوام کی طرح ذمہ دار نہ مناصب نااہلوں کے حوالے کئے اور عدل وانصاف کی روح سے محروم ہو گئے۔ اور اپنے شخصی اغراض اور نفسانی خواہشات کے لئے ظلم وجور روا رکھا اور عدل وانصاف کے گلے پر چھری پھیر دی۔ اور اپنی انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں کو ترک کر دیا تو پھر یاد رکھو کہ۔ ع۔ اگر تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ **ان اللہ لا یغیروا ما بقوم حتی یغیروا بأنفسهم**۔ یعنی

ے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ...الآية

آیۃ اولی الامر کی تفسیر

اس آیت مبارکہ میں تین ہستیوں کی اطاعت مطلقہ واجب ولازم قرار دی گئی ہے۔

ا۔خدا کی اطاعت جسے مرکزی ومحوری حیثیت حاصل ہے کیونکہ اسلامی نظام شریعت میں اصلی وحقیقی مطاع مطلق خداوند عالم ہی ہے۔ کیونکہ وہی نہ صرف مسلمانوں کا بلکہ کل کائنات کا خالق بھی ہے اور مالک بھی باقی سب اسی کے بندے ہیں۔ ۲۔رسولؐ کی اطاعت ظاہر ہے کہ یہ اطاعت خدا سے علیحدہ کوئی مستقل اطاعت نہیں ہے بلکہ خدا کی اطاعت کی عملی شکل کا نام اطاعت رسولؐ ہے۔اسی لئے خدا فرماتا ہے۔**من یطع الرسول فقد اطاع الله**۔ جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل خدا کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ رسول ہی کے ذریعہ سے ہم تک خدا کے اوامر ونواہی پہنچتے ہیں۔ لہٰذا رسولؐ کی اطاعت سے روگردانی کرنا خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔اولی الامر کی اطاعت۔خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ اولی الامر کی اطاعت کریں جو خود مسلمانوں میں سے ہی ہیں۔

اولی الامر کون ہیں؟

امت مسلمہ میں اولی الامر کی تشخیص وتعیین میں شدید اختلاف ہے کہ ان میں سے کون حضرات مراد ہیں؟ اس سلسلہ میں مختلف قول ہیں

ا۔علماء کرام۔ ۲۔قاضیان شریعت اسلام۔ ۳۔فوجی سربراہان۔ ۴۔ وقت کے حکام۔ ۵۔ائمہ اہل بیت علیہم السلام یعنی پیغمبر اسلام کے حقیقی جانشین مراد ہیں؟ اس کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس بات کا ذہن نشین کرنا لازم ہے کہ خدا اور رسولؐ کی طرح اولی الامر کی بھی اطاعت مطلقہ واجب ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اور اولی الامر کی اطاعت کے لئے لفظ ''**اطیعوا**'' کی تکرار بھی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک ہی لفظ پر اکتفا کی گئی ہے۔اور ظاہر ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کا وجوب کسی خاص زمان ومکان یا کچھ مخصوص افراد واشخاص سے مخصوص نہیں ہے بلکہ صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ہر زمان ومکان اور ہر حال میں اور ہر شخص پر اور وہ بھی ہر امر ونہی میں اطاعت مطلقہ واجب ولازم ہے تو بالکل اسی طرح اولی الامر کی بھی اطاعت مطلقہ ہر امان ومکان میں اور ہر امر ونہی میں ہر شخص پر واجب ہوگی۔

اولی الامر کے لئے معصوم ہونا لازم ہے۔

اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جن ذوات مقدسہ کی اطاعت مطلقہ شرعاً واجب ہو ان کے لئے معصوم عن الخطا ہونا ضروری ولازمی ہے۔ ورنہ لاتعداد مفاسد لازم آئینگے۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جسے علامہ فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں تسلیم کیا ہے جنہیں امام المتشککین کہا جاتا ہے موصوف رقمطراز ہیں۔ان اللہ امر بطاعةاولی الامر علی سبیل الجزم فی ھذہ الایة۔ ومن امر اللہ بطاعتہ علی سبیل الجزم لابدوان یکون معصوماعن الخطاء اذ لولم یکن معصوما عن الخطاء کان بتقدیر اقدامہ علی الخطاء مع ان اللہ قد امر بمتابعتہ فیکون امر ا بفعل الخطاء مع العلم بان متابعة المخطی منھی عنھا۔ فثبت ان المقصود من اولی الامر المذکورین فی الایة لا بدان یکون معصوما۔(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۷ طبع استنبول)

یعنی خدائے حکیم نے اولی الامر کی اطاعت (مطلقہ) کو بطور جزم واجب قرار دیا ہے اور جس ہستی کی اطاعت کا خدا حکم دے اس کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ معصوم نہ ہو تو اس کے لئے کسی غلط کام کے اقدام کا امکان ہے تو پھر اس صورت میں بھی اس کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ حالانکہ خدا نے غلط کار آدمی کی اطاعت کی ممانعت کی ہے اُ(اس طرح ایک ہی محل میں امر و نہی کا اجتماع لازم آجائے گا) پس ماننا پڑے گا کہ اولی الامر کو معصوم ہونا چاہیے۔ ایسا ہی افادہ حضرت شیخ الطائفہ نے فرمایا ہے۔فرماتے ہیں۔لا یجوز ایجاب طاعة احد مطلقا الا من کان معصوما مامونا عن السھو والغلط ولیس ذلك یحاصل للامراء ولا العلماء وھو واجب فی الائمة الذین دلت الادلة علی عصتھم۔اس عبارت کا مفہوم وہی ہے جو رازی کی عبارت کا ہے (تفسیر تبیان)

سچ ہے کہ الحق یجری علی اللسان (حق زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے) مگر اس قدر کلمہ حق کہنے کے باوجود مقام عبرت ہے کہ علامہ رازی کا قدم پھسل گیا اور یہ کہہ کر کہ کیا کریں پیغمبر اسلامؐ کے بعد امت میں کوئی معصوم ہستی نظر نہیں آتی لہٰذا اولی الامر سے امت کا اجماع مراد ہے مگر موصوف نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جب امت کے تمام افراد خطا کار و گنہگار ہیں تو ان کا مجموعہ کس طرح عصمت شعار ہوگا؟ کیا چند نابیناؤں کے اجماع سے کوئی بینا بن سکتا ہے؟ یا چند جاہل جمع ہو جائیں تو کوئی عالم پیدا ہو سکتا ہے؟

قسمت کی بد نصیبی کہ ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

فاضل موصوف کی بات یہاں تک بالکل درست ہے کہ علماء قضاۃ فوجی سربراہوں اور حکمرانوں اور عام زعماء وسیاستدانوں میں کوئی معصوم نظر نہیں آتا۔ لہٰذا اولی الامر کا مصداق نہیں ہو سکتے مگر ان کا یہ کہنا کہ پیغمبر اسلام کے بعد پورے عالم اسلام میں کوئی معصوم نہیں ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور نا قابل اعتبار ہے اور یہ بات موصوف کی شپرہ چشمی کی دلیل ہے دنیا جانتی ہے کہ ؎

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ؟

یہ کہنا غلط ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد اسلام میں کوئی معصوم نہیں بلکہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام معصوم ہیں!

جن لوگوں کی قرآن وسنت پر نگاہ ہے وہ حق بین سمجھ سکتے ہیں کہ اولاً تو یہ نظریہ کہ عصمت خاصہ انبیاءؑ است قرآنی تصریحات کے خلاف ہونے کے وجہ سے بے بنیاد ہے کیونکہ قرآنی آیات سے جناب مریم کی عصمت ثابت ہے جبکہ وہ بالاتفاق نبی نہیں ہیں۔

ثانیاً قرآن وسنت کی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ حضرت علیؑ سے لے کر مہدیؑ دین تک بارہ امام معصوم عن الخطاء ہیں

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی عصمت کے چند دلائل

یہاں تفصیلات پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے صرف چند ارشارات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۔ سب سے پہلے تو آیت تطہیر۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۔(احزاب آیت۔ ۳۳)

یہ آیت مبارکہ اہل بیت نبوت ورسالت کی عصمت وطہارت کی نا قابل رد دلیل ہے جس کی شان نزول صحیح مسلم، ترمذی ومشکوۃ وغیرہ کتب حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (تفسیر ابن جریر اور درمنثور وغیرہ)

۲۔ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع علیا فقد اطاعنی ومن عصی علیا فقد عصانی

جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی

نافرمانی کی اور جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم نیشاپوری اور تلخیص المستدرک ذہبی)

۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ علی مع القران والقران مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی۔ کے ساتھ جب تک حوض کوثر پر دونوں اکھٹے میری بارگاہ میں حاضر نہیں ہوں گے تب تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم نیشاپوری اور تلخیص المستدرک ذہبی)

۴۔ نیز فرمایا ''اللھم ادر الحق مع علی کیف دار'' یا اللہ جدھر جدھر علیؑ پھرتے جائیں تو حق کو بھی ادھر ادھر پھیرتا جا (سنن ترمذی، مستدرک حاکم، صواعق محرقہ ابن حجر مکی)

۵۔ نیز بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ''انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهلبیتی ما ان تمسکم بهما لن تضلوا بعدی وانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض'' (حدیث نبوی متواتر) میں تم میں دو نفیس اور گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہل بیت (علیہم السلام) تم جب تک ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر میرے پاس نہیں آئیں گے تب تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔

۶۔ نیز فرمایا ''مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من رکبها نجیٰ ومن تخلف عنها ضل وغرق وهوی'' میرے اہلبیت (علیہم السلام) کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو اس پہ سوار ہو جائے گا وہ پار ہو جائے گا اور جو اس سے روگردانی کرے گا وہ دنیا میں گمراہ ہو جائے گا اور (آخرت میں) جہنم میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ ایضا حدیث نبوی متواتر۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان حدیثوں اور ان جیسی بیسیوں حدیثوں سے اہل بیت نبوت کی عصمت روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے

ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہی اولی الامر ہیں

اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کا اولی الامر کا مصداق ہونا کالشّمس فی نصف النہار بھی واضح و آشکار ہو جاتا ہے علاوہ بریں ینابیع المودۃ باب ۵۶ بروایت ابن عباس حضرت رسول خداؐ کی زبان وحی ترجمان سے علیؑ سے لے کر مہدیؑ دوراں تک پورے بارہ اماموں کی عصمت وطہارت کی گواہی موجود ہے فرمایا ''انا وعلی والحسن والحسین وتسعة من ولد الحسین مطهرون معصومون'' (ینابیع المودۃ باب ۵۶)

اس قدر صراحت کے بعد وضاحت کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اولی الامر سے

مراد ائمہ اہلبیت ہی ہیں اس لہ تائید مزید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو اثبات الوصیہ مسعودی، کفایۃ الاثر اور ینابیع المودۃ میں مذکور ہے کہ آیت اولی الامر کے نزول کے بعد جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے آپ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر واجب قرار دیا ہے؟

تو آنحضرتؐ نے فرمایا ''خلفائی یا جابر وائمۃ المسلمین' یہ میرے جانشین اور مسلمانوں کے امام ہیں پھر جناب جابر کی استدعا پر آنحضرت نے حضرت علیؑ سے لیکر حضرت حجتؑ (بارہویں لعل ولایت) تک نام بنام ان کا تعارف کرایا۔ ان حقائق کی روشنی میں صاحب ضیاء القران کے اس کلام کا کیا علمی مقام باقی رہ جاتا ہے کہ ''خلیفہ کے لئے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اسلئے اس کی مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا'' (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۳۵۲)

اے کاش! کہ وہ اس شرط کی نشاندہی کر دیتے جس سے یہ اطاعت مطلقہ مشروط قرار پائی ہے؟؟

فراجع والحمدللہ علی ظھور الحق والحقیقہ۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ...الآیۃ

کہا جاتا ہے کہ نزاع کی صورت میں صرف خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا کیوں حکم نہیں دیا گیا؟ تو اس کے دو جامع جواب دیئے جاسکتے ہیں۔

پہلا یہ کہ یہاں 'فی شئی'' نکرہ ہے جس میں عموم پایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے درمیان کسی بھی چیز میں نزاع ہوجائے حتی کہ اس بات میں بھی کہ اولی الامر کون ہیں (جیسا کہ ہے) تو اس کا فیصلہ خدا اور رسولؐ سے کراؤ۔ جس کی تعمیل کرتے ہوئے سطور بالا میں فیصلہ میں کرلیا گیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کا دستور ہے کہ ''یفسر بعضہ بعضا'' کہ بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد خدائے علیم وحکیم نے اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے ''واذا جاء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولوردوہ الی الرسول واولی الامر منھم لعلمہ الذین یستبطونہ منہ م'' جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات آتی ہے تو وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرتے تو وہ لوگ جان لیتے جو استنباط کی قوت رکھتے ہیں (نساء آیت۔ ۸۳) ''وماذا بعد الحق الا الضلال''

ایضاح

کئی غیر ذمہ دار مقررین اس آیت سے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا امور تکوینیہ کا مالک ومختار ہونا ثابت کیا کرتے ہیں کہ یہ اوالی الامر ''وانما امرہ اذا اراد شئیا ان یقول له کن فیکون'' کے مصدرق ہیں پس یہ ذوات مقدسہ بھی جب کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو پس وہ کن کہتے ہیں پس فیکون

لہٰذا یہی خالق ورزاق ہیں ایسے ہی لوگوں پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑہ
بھان متی نے کنبہ جوڑا

ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں الامر سے مراد تشریعی امر ہے جو نیابت کے قابل ہے اس سے تکوینی امر مراد نہیں ہے وہ تو حقیقی آمر یعنی ذات پروردگا کے ساتھ قائم ہے اور نیابت کے قابل نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ...الآية

اس آیت مبارکہ سے یہ فقہی حکم مستنبط ہوتا ہے کہ طاغوت کی طرف اپنا مقدمہ لے جانا شرعا حرام ہے اور طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون خداوندی کے خلاف فیصلہ کرے اور اس سے وہ عدالت مراد ہے جو فیصلہ کرنے میں خدا اور سولؐ کے فیصلہ کی پابند نہ وہ بلکہ آزاد ہو ایسی عدالت میں اختیاری حالت میں اپنا مقدمہ لے جانا شرعاً ممنوع ہے حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا! جس شخص کا اپنے بھائی سے کوئی جھگڑا ہو اور وہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو حاکم بنانے کو کہے مگر دوسراا سے حاکم جائر کی طرف لے جانے پر اصرار کرے تو وہ ایسا ہے کہ گویا جبت وطاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا (تفسیر عیاشی)

حالانکہ اہل ایمان کو طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ قبل ازیں اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۵ کی تفسیر میں جہاں خدائے علیم وحکیم نے میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں دو حکم مقرر کرنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے کہ ایک مرد کے خاندان سے ہو اور دوسرا عورت کے کنبہ سے اور وہ ان کی شکایات سن کر اور جملہ حالات کا جائزہ لے کر ان کا کوئی مناسب فیصلہ کریں۔ وہاں ہم یہ حقیقت بیان کر چکے ہیں کہ زندگی کے دوسرے تمام نزاعات میں بھی باہمی جنگ وجدال اور قتل وقتال کی بجائے اور حکام جور کی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اور پانی کی طرح روپیہ پیسہ بہانے کی بجائے اسی طریقہ کار پر عمل کرنا چاہیے۔ اور دیندار و ذمہ دار اہل علم وایمان کو فیصل تسلیم کر کے باہمی صلح وصفائی اور فیصلہ کا اہتمام کرنا چاہیے اگر مسلمان اسی قرآنی حکم پر عمل کرتے تو بہت سے اختلافات، تفرقات اور نزاعات سے محفوظ ہو جاتے اور ان کے اتحاد کا شیرازہ نہ بکھرتا۔

بہر حال اس آیت کی شان نزول تفسیر مجمع البیان وغیرہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک یہودی کا ایک منافق مسلمان کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ اس بات کا فیصلہ حضرت محمدؐ سے کراتے ہیں کیونکہ اسے یقین تھا کہ حضرت نہ کسی کی رعایت کرتے ہیں اور نہ ہی رشوت لیتے ہیں۔ مگر منافق کے دل میں چونکہ چور تھا کہنے لگا کہ کعب بن اشرف (یہودی عالم) کے پاس چلتے ہیں کیونکہ منافق کو پتہ تھا کہ وہ رشوت لے کر اس کے حق میں غلط فیصلہ کر دے گا (خداوند عالم) اس آیت میں منافقین کی اسی روش اور رفتار کا شکوہ کر رہا ہے۔ کہ یہ لوگ دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اور اس سے پہلے نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر جب باہمی تنازعات کا فیصلہ کرنے کا وقت آتا ہے تو آپ کو اور آپ کے قرآن کو چھوڑ کر طاغوت کے پاس اپنے مقدمے لے جاتے ہیں؟ گفتار و کردار کے اس تضاد کا ہے کوئی جواز؟ سچ ہے کہ ''عندا لا متحان یکرم الرجل او یھان'' امتحان کے وقت پتہ چلتا ہے کہ لائق تکریم کون ہے اور قابل توہین کون ہے؟ اور حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ''الدین لعق علی السنتھم فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون'' (نہج البلاغہ)

عام لوگوں نے دین کو چاٹا سمجھ رکھا ہے۔ جسے (نمائش کے طور پر) چاٹ رہے ہیں۔ پس جب ابتلاء و آزمائش کا وقت آتا ہے تو دین دار بہت کم ثابت ہوتے ہیں ''ویرید الشیطان ان یضلھم ضلا لا مبینا'' شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں بڑی گمراہی میں مبتلاء کرے اس فقرہ سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ شر شیطان کی طرف سے ہے ''اعاذنا اللہ من شرہ وضرہ''

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ ...الآیۃ

ما انزل اللہ سے مراد قرآن اور الی الرسول سے سنت رسولؐ مراد ہے۔ یعنی جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ آؤ قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کراؤ تو منافق آنحضرت کے پاس آنے سے پہلوتہی کرتے ہیں اور اگر کتاب اللہ پر عمل کرنے پر اپنی آمادگی بھی ظاہر کریں تو سنت وسیرت رسول اکرمؐ پر عمل کرنے سے روگردانی کرتے ہیں کیونکہ ان کو اندیشہ ہوتا تھا کہ چونکہ وہ جھوٹے ہیں اس لئے بارگاہ نبوی کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا۔ اس لئے وہ اس حاکم کے پاس اپنا مقدمہ لے جاتے تھے جس کے بارے میں انہیں یقین ہوتا تھا کہ وہاں رشوت وغیرہ ناجائز ذرائع سے اپنے حق میں فیصلہ کرالیں گے۔ آج کل بھی عام نام نہاد مسلمانوں کا یہی طریقہ کار ہے کہ جہاں شرعی فیصلہ ان کے مفاد میں ہو وہاں تو قانون شرعی کا فیصلہ سر آنکھوں پر اور جہاں یہ خیال ہو کہ شرعی فیصلہ ان کے خلاف ہوگا تو وہاں رائج الوقت قانون اور ملکی رسم ورواج کا سہارا لیتے ہیں تاکہ اپنے حق میں فیصلہ کرا سکیں۔ بنابر برین عہد نبوت کے منافقوں اور آج کل کے نام نہاد مسلمانوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟

فَكَيْفَ اِذَآ...الآية

نزول مصائب کے مختلف وجوہ واسباب

جس طرح بلاء ومصیبت کا نزول کبھی آزمائش کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''ولنبلونکم بشئی من الخوف...الآیۃ۔ اور کبھی رفع درجات اور بلندی مراتب کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ انبیاء واوصیاء کے مصائب شدائد اسی طرح اکثر وبیشتر شامت اعمال کا نتیجہ وثمرہ بھی ہوتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر ''،تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے حالانکہ ابھی تو خدا بہت درگذر سے کام لیتا ہے بہر حال جب یہ لوگ بارگاہ نبوی کا فیصلہ چھوڑ کر اپنے مطلب برآری کیلئے طاغوتی اور غیر شرعی عدالت کے فیصلے کی آڑ لیتے ہیں اور اس طرح جب ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور وہ ذلیل ورسوا ہونے لگتے ہیں تو پھر باطل تاویلوں کا جال بچھا دیتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کا انکار تھوڑا کیا ہے۔قانونی فیصلہ تو وہی ٹھیک ہے مگر ہم تو صرف اسلئے دوسروں کے پاس گئے تھے کہ وہ ہمارے درمیان مصالحت وموافقت کرا دیں۔ سچ ہے کہ خوئے بدرا بہانہ بسیار۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ...الآية

خدائے علیم وخبیر ان کی غلط تاویلوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اللہ ان کے قلبی کفر ونفاق کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کی غلط قسموں اور باطل تاویلوں سے چھپ نہیں سکتا۔مگر اس کے باوجود رحیم وکریم پروردگار اپنے رسولؐ مکرم کو حکم دے رہا ہے کہ ان سے چشم پوشی فرمائیں اور مواخذہ نہ کریں اور ان کو وعظ ونصحت فرمائیں اور ان سے ایسی بات کہیں جو اُن کے دلوں میں اُتر جائے ،بعض لوگوں نے ''فاعراض عنہم'' کے یہ معنی کئے ہیں کہ ان سے روگردانی کریں تو اگر یہ معنی درست ہوں تو پھر اس کے بعد والے جملوں کہ ان کو وعظ ونصیحت کریں اور ان سے ایسی بات کہیں جو ان کے دلوں پر اثر انداز ہو کا کیا مفہوم ہوگا؟؟

آیات القرآن

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا
شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا
تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ
دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ
بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ
مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے کاش جب یہ لوگ (گناہ کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے اگر آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان پاتے (٦٤) نہیں آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ مانیں اور پھر آپ جو فیصلہ کریں (زبان سے اعتراض کرنا تو کجا) اپنے دلوں میں بھی تنگی محسوس نہ کریں اور اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے (٦٥) اور اگر ہم ان پر یہ فرض کردیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو۔ یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر معدود چند لوگوں کے سوا اور کوئی عمل نہ کرتا اور اگر یہ اس نصیحت پر عمل کرتے، جو ان کو کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ اور ثابت قدمی کا زیادہ موجب ہوتا ہے (٦٦) اور اس وقت ہم انہیں اپنی طرف سے بڑا اجر دیتے (٦٧) اور انہیں سیدھے راستہ پر چلنے کی خاص توفیق عطا کرتے (٦٨) جو اللہ اور

رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام کیا ہے یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں (۶۹) یہ اللہ کا خاص فضل ہے اور اللہ کا علم کافی ہے (۷۰)

تفسیر الآیات

وَمَآ اَرْسَلْنَا...الآیۃ

اللہ کے حکم کی تعمیل و اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے اور اللہ کا یہ بھی ایک حکم ہے کہ میرے رسول کی اتباع و اطاعت کرو بموجب ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' جو رسول کی اطاعت کرے گا وہ خدا کا اطاعت گزار سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو مقدس ہستیاں خدا کی طرف سے نبی و رسول بن کر آتی ہیں وہ محض اسلئے نہیں آتیں کہ صرف زبانی کلامی ان کی نبوت و رسالت کا اقرار کر لیا جائے بلکہ اسلئے آتی ہیں کہ ہر امر و نہی میں ان کی اطاعت و پیروی کیجائے اور اپنی تمام انفرادی و اجتماعی زندگی کو ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے سانچوں میں ڈھالا جائے۔ اور دنیا جہاں کے تمام آئین و قوانین کو چھوڑ کر صرف اس قانون پر عمل کیا جائے جو نبی و رسول منجانب اللہ لایا ہے لیکن اگر زبان سے نبی و رسولؐ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا جائے اور عمل سے اطاعت لوگوں کے قوانین کی کیجائے یا عام مروجہ رسموں و رواجوں کی پابندی کی جائے تو پھر اس زبان اقرار کی کوئی حیثیت نہیں ہے

زباں سے گر کیا توحید کا دعوی تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تونے؟

بارگاہ خداوندی میں وسیلہ پیش کرنیکا حکم

یہ آیت مبارکہ بارگاہ خداوندی میں بعض بزرگ و برتر ہستیوں کے توسل کے جواز اور اس کی اہمیت کی ناقابل تاویل دلیل ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ گناہ کر کے توبہ واستغفار کرنے کا تعلق گنہگار بندہ کا براہ راست خدا سے ہے لہٰذا خدا سے بخشش گناہ کی دعا واستدعا کرنا کافی ہونا چاہیے تھا مگر خدائے غفار اپنے گنہگار بندوں کو اس کا طریقہ کار یہ بتا رہا ہے کہ اگر وہ پیغمبر اسلامؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خدا سے استغفار کریں اور شرط یہ ہے کہ پیغمبر بھی خدا کی بارگاہ میں ان کی مغفرت کی دعا (سفارش) کریں۔ تو اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا

پائیں گے۔اس سے واضح ہے کہ دعا اور توبہ واستغفار کا قبول کرنے والا تو خداوند عالم ہی ہے مگر کسی دینی بزرگ شخصیت کا وسیلہ اختیار کرنا اس دعا کو محل اجابت کے قریب تر کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں ''اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کردیں۔اس کی مغفرت ضرور ہوجائیگی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری۔جیسے آپؐ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہوسکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا! کہ جب ہم رسول اللہ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسول کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور رسول اس کے لئے دعائے مغفرت کردیں تو اس کی مغفرت ہوجائیگی۔اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں اسوقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے آواز آئی ''قد غفرلك'' یعنی تیری مغفرت کردی گئی (بحر محیط،تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰، کذا فی ضیاء القرآن ج ۱ ص ۳۶۰ بحوالہ القرطبی)''بس یہی ہے ہر اس دعا کا مطلب جو کسی مقرب الٰہی کے روضہ پر جا کر کی جاتی ہے''(فصل الخطاب ج ۲ ص ۲۳۰)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ...الآية

عصمت کبریٰ کے تاجدار اور اقلیم ''ما ینطق عن الھوی'' کے مختار کی غیر مشروط اطاعت مطلقہ کے لزوم کا اظہار اس سے بڑھکر موثر اور جاندار الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا۔خلاق عالم واؤ قسمیہ کے ساتھ اپنی ذات ذوالجلال کی قسم کھا کر یہ حقیقت بیان کررہا ہے کہ یہ ایمان کے دعویدار اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے تمام باہمی نزاعات میں حضرت رسول خداؐ کو اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم نہ کریں۔اور پھر آپ جو فیصلہ کردیں خواہ وہ ان کے حق میں کریں یا ان کے خلاف کریں وہ اس سے اپنے دل میں تنگی،اضطراب اور بے تابی محسوس نہ کریں اور اس طرح قبول کریں جس طرح قبول کرنے کا حق ہے۔اس سے واضح ہے کہ ایک مسلمان کو پیغمبر اسلامؐ کے حکم اور فیصلہ کے سامنے اس طرح خود سپردگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ نہ چوں کی جائے اور نہ چرا؟اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں کہلاسکتا۔اور یہ کہ خدا اور رسول کے فیصلہ کے بعد پھر کسی اجماع یا شوریٰ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور بالاتفاق تمام مفسرین اسلام یہ حکم صرف آنحضرتؐ کے حین حیات تک محدود نہیں ہے بلکہ صبح قیامت کے طلوع ہونے تک قائم ودائم ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافر و مسلمان اور مومن و بے ایمان کے معلوم کرنے کا

یہی میزان ہے۔ پس جو شخص رحمۃ اللعالمین کے ہر قول وفعل کی اطاعت مطلق کرتا ہے آپؐ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان بھی ہے اور اہل ایمان بھی اور جو مدعی اسلام وایمان آپ کے اوامر ونواہی کی اطاعت نہیں کرتا اور کارگاہ حیات میں۔ اپنے تمام اصول وفروعی اختلافات میں آپ کے ہر ہر فیصلہ کو دل وجان سے بلا چوں وچرا تسلیم نہیں کرتا۔ وہ مسلمان اور مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ اسی لئے ارشاد قدرت ہے ''انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك الله'' (اے حاکم عادل) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ اس لئے نازل کی ہے کہ آپ اللہ کے دکھلانے اور بتانے کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ اس سے واضح ہے کہ آپ صرف روحانی پیشوا اور اخلاقی رہبر وراہنما ہی نہیں بلکہ آپ ایک ایسے حاکم عادل بھی ہیں جن کے ہر فیصلے کو تسلیم کرنا اور نہ کرنا کفر واسلام کا میزان قرار دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت نے فرمایا تھا ''لا یومن احد کم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به'' کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میرے لائے ہوئے طریقہ کے تابع ومطابق نہ ہو۔ نیز اس سے واضح ہوتا ہے کہ سچا مومن بننے کے لئے پیغمبر اسلام کا فیصلہ صرف مان لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ''ثم لا یجدو فی انفسهم حرجا مما قضیت'' کے مطابق ضروری ہے کہ ان کے اندر ایسی حالت پیدا ہوجائے کہ رسول کے فیصلے اور حکم سے دل میں بھی تنگی وخلش محسوس نہ کریں۔

وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا ...الآیة

خداوند عالم منافقین کی مزید مذمت کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ ان کے عقیدہ وعمل کی کمزوری کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ایسے سہل وآسان احکام پر عمل نہیں کرتے تو اگر بنی اسرائیل کی طرح ان کو سخت احکام دیے جاتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ جیسے بطور سزا بنی اسرائیل کو دیے گئے تھے تو معدودے چند افراد کے سوا کوئی شخص ان احکام پر عمل نہ کرتا حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ بالکل سہل وآسان ہے ''وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ'' (الحج آیت۔۷۸) اور خدائے رحیم وکریم کسی شخص کو اس کی طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ''لا یکلف الله نفسا الا وسعها'' (سورہ بقرہ آیت۔۲۸۶) اور اگر اس کے باوجود ہم اس پر عمل نہ کرسکیں تو (وائے برحال ما)

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا ...الآیة

جس چیز کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی خدا اور رسولؐ کے اوامر ونواہی کی اطاعت کرنے کی تو اگر یہ لوگ دورنگی اور تذبذب چھوڑ کر پوری یکرنگی ویکسوئی کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی اطاعت وپیروی کرتے تو اس سے

انہیں چند فوائد حاصل ہوتے

۱۔ان کی دنیاوآخرت سنور جاتی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

''وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا''(احزاب آیت۔۷۱)

جوشخص خدا اور سولؐ کی اطاعت کرے گا وہ عظیم کامیابی حاصل کرے گا

۲۔ان کی یہ بے یقینی اور تذبذب کی کیفیت ختم ہوجاتی اور ان کے عقائد واعمال مضبوط بنیادوں پر استوار ہوجاتے اور انہیں ثبات اور اطمینان قلب کی نعمت میسر آجاتی۔اور تردد وتذبذب کے دائمی عذاب سے نجات مل جاتی اور دینی بصیرت میں اضافہ ہوجاتا۔

۳۔خدا ان کو اپنی بارگاہ سے اجر عظیم کی بے پایاں دولت عطا فرماتا

۴۔ان کو صراط مستقیم پر چلنے کی خصوصی توفیق عطا کرتا جس کے بعد ان کے لئے جنت الفردوس میں داخل ہونا نہ صرف آسان بلکہ یقینی ہوجاتا اور اس طرح ان کا سفینہ حیات غرق ہونے سے محفوظ ہوجاتا اور ان کی محنت ومشقت کا درخت ثمر آور ہوتا اور ان کی کشتی حیات کنارے سے ہمکنار ہوجاتی''وَ ذٰلِكَ ھو الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ''

مگر آہ!ما اکثر العبر واقل الاعتبار ؟

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ...الآیۃ

خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرنیوالوں کے اچھا انجام کا بیان

اس آیت مبارکہ میں سابقہ آیت میں بیان کردہ مقصد کی تاکید مزید کرتے ہوئے خدا رسولؐ کی اطاعت اور عقیدہ وعمل کی پختگی ودرستگی کے خوشگوار ثمرات سے اہل عالم کو آگاہ فرمارہا ہے کہ ایمان واطاعت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثمرہ اور نتیجہ ہوسکتا ہے کہ اس سے انسان کو آخرت میں انبیاء،صدیقین،شہداء اور صالحین کی معیت ورفاقت حاصل ہوتی ہے

ان چار اصناف کی تعریف

۱۔نبی کون ہوتا ہے؟ وہ انسان کامل جو براہ راست خدا سے ہم کلام ہو اور اس کا کلام وپیغام اس کے بندوں تک پہنچائے اسی کو شریعت کی اصطلاح میں نبی کہا جاتا ہے۔

۲۔صدیق بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت بڑا راست باز وراست گفتار جس میں

سچائی کی روح غالب ہو اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر امر میں خدا اور سول کی تصدیق کرے اور دینی معاملات میں اسے کبھی شک وشبہ عارض نہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ نیز ارشاد قدرت ہے ''والذین امنوا باللہ ورسولہ اولئك هم الصدیقون'' جولوگ خدا اور سول پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں۔

۳۔ شہید۔ اس سے مراد شہید راہ خدا ہے نیز شہید کے ایک معنی گواہی دینے کے بھی ہیں۔ لہٰذا جو شخص کبھی اپنے قول وفعل سے کبھی کلام وزبان سے اور کبھی سیف وسنان سے اسلام کی صداقت کی گواہی دے جیسا کہ شہید راہ خدا اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے دین حق کی حقانیت کی گواہی دیتا ہے اور اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ جس پر ایمان رکھتا ہے وہ اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اسلئے وہ جان تو دے سکتا ہے مگر ایمان سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی لوگ بروز قیامت ''لتکونوا شهداء علی الناس'' کے مطابق لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

۴۔ صالح۔ اس سے مراد وہ خوش قسمت شخص ہے جو عقیدہ وعمل دونوں میں صالح اور نیک ہو اور راست باز جس کا اعتقاد وعمل اللہ کے قرآن اور سنت واسوہ نبی آخرالزمانؐ کے مطابق ہو۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ''بالایمان یستدل علی الصالحات وبالصالحات یستدل علی الایمان'' یعنی ایمان سے نیک کاموں پر اور نیک کاموں سے ایمان پر استدلال کیا جاتا ہے (نہج البلاغہ)

یہ چاروں درجے ایک ذات میں جمع بھی ہوسکتے ہیں

مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بالا چار صفات صفات متضادہ کی طرح نہیں ہیں بلکہ صفات متداخلہ کی مانند ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی وصدیق اور شہید وغیرہ الگ الگ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ چاروں صفات ایک ہی ہستی میں جمع ہوجائیں یعنی ایک ہی شخص نبی بھی ہو اور صدیق بھی، شہید بھی ہو اور صالح بھی۔ ونبیًّا من الصالحین۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ چاروں درجے سرکار محمد وال محمد علیہم السلام میں یکجا مجتمع نظر آتے ہیں آنحضرتؐ نبی اعظم ہیں اور آل محمد علیہم السلام صدیق بھی ہیں اور شہید بھی اور اسی طرح صالح بھی۔ ذلك الفضل من اللہ

امت مرزائیہ کے ایک غلط استدلال کا ابطال:

امت مرزائیہ اور قادیانی جماعت ہمیشہ بڑے طمطراق کے ساتھ اس آیت مبارکہ سے اپنے مذموم

مقصد یعنی اجراء نبوت پر استدلال کرتی رہتی ہے کہ دروازہ نبوت بند نہیں ہوا۔ بلکہ فیضان الٰہی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور ایک شخص خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر کے نبی بن سکتا ہے اور سلسلہء انبیاء میں داخل ہوسکتا ہے مگر یہ استدلال کرنے والے مورکھوں نے یہ سوچنے اور دیکھنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی کہ آیت میں ''من النبیین'' نہیں بلکہ ''مع النبیین'' ہے یعنی خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ نبیوں سے ہوجائے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ خوش قسمت نبیوں کے ساتھ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ کسی جماعت سے ہونا الگ ہے اور اس کے ہمراہ ہونا الگ۔ اگر اللہ کا مقصد وہ ہوتا جو یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو پھر آیت میں ''مع'' کی جگہ ''من'' آتا۔ مگر آیت میں ''من'' کی بجائے مع کا آنا اور آخر میں ''حسن اولئك رفیقا'' کہ یہ لوگ بہترین رفیق اور بڑے اچھے ساتھی ہیں اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ یہ اطاعت گذار آخرت میں اور جنت میں ان اصناف کے ہمراہ تو ہوں گے مگر خود ان اصناف میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ معیت کے معنی ساتھ ہونے کے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود اس مرتبہ پر فائز بھی ہوجائیں گے اور اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ رفاقت جنت میں ہوگی اس بات کی تائید مزید اس آیت کی شان نزول سے بھی ہوتی ہے جو شیعہ سنی مفسرین نے بیان کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ کا ثوبان نامی ایک غلام تھا جو آپ کا محب صادق تھا۔ ایک بار جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو چہرہ مرجھایا ہوا اور رنگ اڑا ہوا تھا آنحضرت نے اس کی وجہ پوچھی پر اس نے عرض کیا! اس کے سوا کوئی بیماری نہیں کہ جب آپ کا چہرہ اقدس آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو زیارت کے لئے بے تاب ہوجاتا ہوں۔ جب آپ کے دیدار پرنور سے مشرف ہوتا ہوں تو دل کو تسلی ہوجاتی ہے۔ اور اب مجھے یہ خیال ستا رہا ہے کہ اگر میں جنت میں گیا بھی (جس کا ہنوز یقین نہیں ہے) تو میرا درجہ پست ہوگا لہٰذا آپ کی زیارت سے کس طرح مشرف ہوں گا۔ اور اگر نہ کرسکا تو دل بے قرار کو کس طرح قرار آئے گا؟ بروایتے بعض مخلص اصحاب نے یہ بات کہی تھی۔ آنحضرتؐ نے تو یہ کلام سن کر کوئی جواب نہ دیا مگر جبرئیل امین دوسرے دن یہ مژدہ جانفزا لے کر آئے کہ خدا فرماتا ہے کہ 'من یطع اللہ والرسول اولئك مع الذین'' جس سے خدائے رحیم وکریم نے آنحضرتؐ کے سچے جبداروں اور اطاعت گزاروں کو یہ بشارت دی ہے کہ ان کو جنت میں نہ صرف آنحضرتؐ کی بلکہ دوسرے انبیاء ومرسلین، صدیقین، شہداء اور عباداللہ الصالحین کی ملاقات وزیارت بھی نصیب ہوتی رہے گی (کبھی اعلیٰ درجہ والے ادنیٰ درجہ والوں کی ملاقات کے لئے آیا کریں گے اور کبھی ادنی درجہ والے اعلیٰ درجہ والوں سے جا کر ملاقات کریں گے (مجمع البیان۔ قرطبی وغیرہ)

ایک ایراد اور اس کا جواب

امت مرزائیہ کے مبلغین کہا کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر کے صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے تو پھر نبی کیوں نہیں بن سکتا۔ اس ایراد کے دو جواب دیے جا سکتے ہیں پہلا یہ کہ یہ عہدے کسبی ہیں جو کسی شخص کی عملی جدوجہد سے حاصل ہو سکتے ہیں لہٰذا ایک شخص عملی جدوجہد اور اپنی سعی وکوشش سے صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے مگر نبوت وہبی عہدہ ہے اس کا کسی بندہ کی عملی سعی وکوشش سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ''ذلك فضل الله يوتيه من يشاء'' یہی وجہ ہے کہ نبی دنیا میں آ کر اور عمل وعبادت اور خدا کی عملی اطاعت کر کے نبی نہیں بنتے بلکہ وہ پیدا ہی نبی ہوتے ہیں جیسا کہ آدم، عیسیٰؑ، ویحییٰؑ کے قرآنی قصص وحکایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ خاتم الانبیاء کے تشریف لانے اور دین کے مکمل ہو جانے کے بعد خدائے حکیم نے ہمیشہ کے لئے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شئى عليما'' سرکار ختمی مرتبت نے بھی اعلان کر دیا کہ۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (متفق علیہ) مگر دوسرے اصناف کے دروازوں کی بندش کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ دروازے قیامت تک کھلے ہیں۔ ذالك الفضل من الله۔ یہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت گذاری اور جنت الفردوس میں ابنیاء وشہدا اور صالحین کی رفاقت شعاری اللہ کا خاص فضل وکرم ہے جس سے وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے واللہ ذوالفضل العظیم۔

آیات القرآن

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا
جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ
قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ
فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ
كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا
تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ
اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ
نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان مکمل رکھو۔ ہر وقت تیار رہو پھر (موقع کی مناسبت سے) دستہ دستہ ہوکر نکلو یا اکھٹے ہوکر نکلو (۷۱) ضرور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ وہ یقیناً پیچھے رہ جائے گا پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ کہے گا کہ یہ مجھ پر اللہ کا احسان تھا کہ ان کے ساتھ حاضر نہ تھا (۷۲) اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم ہو (فتح ہو اور مال غنیمت مل جائے) تو کہتا ہے جیسے اس کے اور تمہارے درمیان کبھی محبت اور دوستی تھی ہی نہیں ہے کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا (۷۳) اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جنگ کرنا چاہیے جنہوں نے دنیا کی پست زندگی آخرت کے عوض فروخت کردی ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے، پھر مارا جائے یا غالب آجائے تو ہم ضرور اسے اجرِ عظیم عطا کریں گے۔ (۷۴) آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کہ تم جنگ نہیں کرتے راہ خدا میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو فریاد کررہے ہیں پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی سرپرست اور حامی ومددگار بنا (۷۵)

تفسیر الآیات

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا...الآیۃ۱،

اس آیت مبارکہ کے ابتدائی حصہ میں (دوسری کئی آیات کی طرح) اہل ایمان کو جہاد وقتال کے لئے آمادہ کیا جارہا ہے اور آخری حصہ میں جہاد کے طریقہ کار کے بارے میں راہنمائی کی جارہی ہے چونکہ احد کی عارضی شکست کے بعد گردونواح کے لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئی تھیں اور مسلمانوں کی ہمتیں پست ہوگئی تھیں۔اس لئے وہ مختلف خطروں کی دلدل میں پھس گئے تھے۔نت نئی خبریں آتیں کہ فلاں قبیلہ حملہ کرنے والا ہے۔فلاں جگہ حملے کی تیاریاں کی جارہی ہیں اور فلاں قبیلہ کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور وہ حملہ کرنے کے لئے بہانے تلاش کررہا ہے ان حالات میں اہل اسلام کی طرف سے سخت جدوجہد اور زبردست کوشش وکاوش کی ضرورت تھی تا کہ ان خطروں کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام ان خطروں سے باہر نکل آئے۔چنانچہ یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ دشمن سے ڈرو اور ہوشیار رہو اور اس سے بچاؤ کے لئے اسلحہ جنگ فراہم کرو۔کیونکہ حذر کے ایک معنی ہیں کسی خطرناک شئی سے چوکس اور چوکنا رہنا اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنا اسلحہ جنگ فراہم کرو۔جس کے ذریعہ سے اس خطرناک چیز سے بچا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت محمد باقرؑ سے مروی ہے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے ''واعدوالھم مااستطعتم ''دشمن کے لئے ہر ممکن اسلحہ جنگ مہیا کرو۔یہ الگ بات ہے کہ یہ اسلحہ جنگ ظروف زمان ومکان کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے مثلاً پہلے گھوڑے تھے۔آج ٹینک اور ہوائی جہاز ہیں۔پہلے سیف وسناں اور تیر وتفنگ تھے اور آج ان کی جگہ کلاشنکوف اور مارٹن گن بلکہ ایٹم بم نے لے لی ہے اب یہ جہاد فوجی دستے بھیج کر بھی کیا جاسکتا ہے جسے سریہ کہا جاتا ہے اور لشکر کی صورت میں بھی چنانچہ ثبات ''ثبۃ'' کی جمع ہے جس کے معنی گروہ اور چھوٹی جماعت کے ہیں اور ''انفروا جمیعا'' کے معنی پورے لشکر کو ہمراہ لیکر حملہ کرنے کے ہیں۔بنابریں یہ جہاد وقتال خواہ چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کے ذریعہ کیا جائے یا لشکر جرار کے ساتھ بہر حال یکا وتنہا میدان کارزار میں جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں نقصان وزیاں کا قوی امکان ہوتا ہے۔کما لا یخفی

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ...الآیۃ

تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں۔یہ انداز کلام بتارہا ہے کہ یہ کافروں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بظاہر اسلام وایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں مگر ان کے جذبات اور حرکات بالکل کافرانہ ہیں اسلئے

بالاتفاق ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں جیسا کہ ان کی روش ورفتار سے واضح وآشکار ہے۔مثلاً جب مسلمان دشمن سے لڑنے کے لئے میدان جنگ جہاد میں جاتے ہیں تو یہ کوئی نہ کوئی عذر بہانہ کر کے مجاہدین میں شامل نہیں ہوتے پھر اگر مسلمانوں پر شکست وغیرہ کی شکل میں کوئی افتاد پڑے اور وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوں تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم پر احسان کیا کہ ہم مجاہدین میں شامل نہیں تھے۔ورنہ ہم بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔اور اگر مسلمانوں کو فتح وفیروزی نصیب ہوتو کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان کے ہمراہ ہوتے تو بہت بڑی کامیابی حاصل کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم میں اور ان میں کوئی محبت والفت نہیں ہے ورنہ اگر تمہارے درمیان الفت ہوتی تو وہ تمہاری کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتے اور اس پر خوش ہوتے۔اس پر ہاتھ نہ ملتے کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے اور مال غنیمت سے اپنا حصہ حاصل کرتے۔ہمارے اس وضاحتی بیان سے عیاں ہے کہ ''کان لم تکن بینکم وبینھم مودۃ'' کا جملہ اپنے محل ومقام پر ہے اور اس میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں ہوئی ہے اور اس کا تعلق پہلے جملے (فان اصابتکم مصیبۃ) سے نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے یہ تکلف کیا ہے اور پھر انہیں اس فقرہ کا صحیح مطلب سمجھنے میں مشکل پیش آئی ہے۔بہرنوع یہ فقرہ کہ اللہ کا مجھ پر بہت احسان تھا کہ میں ان میں شامل نہیں تھا یا اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بہت بڑی کامیابی حاصل کرتا۔یہ جملے اس آیت میں اپنے موقع ومحل پر ہیں اور اگر ان لوگوں کی ذہنیت کی خرابی اور دین اور اہل دین سے بیزاری کی وجہ سے قابل مذمت قرار پائے ہیں ورنہ ''فی ذاتہ'' ان میں کوئی برائی نہیں ہے۔لہٰذا اگر ان کا محل استعمال بدل جائے مثلاً اگر راہ خدا میں کسی قربانی کا پیغام ملنے پر شکر خدا ادا کیا جائے۔یا کسی عظیم قربانی سے محرومی اور مرکز قربانی میں شرکت نہ کر سکنے پر کف حسرت ملا جائے جیسا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے تعلیم دی ہے کہ جب مجاہدین کربلا کو یاد کرو تو کہو ''یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزا عظیما'' تو اس صورت میں یہی الفاظ ایک بلند ذہنیت کے ترجمان ہوں گے اور جذبہ ایمان کا قوی ثبوت'' (فصل الخطاب)

فَلْيُقَاتِلْ...الآية

خدائے علیم وحکیم نے گذشتہ سے پیوستہ آیت میں اہل ایمان کو دستوں کی شکل میں یا لشکر کشی کی صورت میں کفار کے ساتھ جدال وقتال کرنے کا حکم دیا اور گذشتہ آیت میں بتایا کہ نام نہاد اہل اسلام وایمان میدان کارزار میں جانے سے گریز کرتے ہیں اور پیچھے رہ جانے کے لئے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم بتا رہا ہے کہ کن لوگوں کو میدان جہاد میں قدم رکھنا چاہیے اور مجاہدین کو کن صفات کا حامل ہونا چاہے؟ فلیقاتل صیغہء امر ہے اور صیغہء امر وجوب میں حقیقت ہے۔شرا کا لفظ اضداد میں سے

ہے جس کے معنی بیچنے کے بھی ہیں اور خریدنے کے بھی اور یہاں پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اعلاء کلمہ حق کی خاطر ان لوگوں کو جہاد کرنا چاہیے جو دنیا کی اس پست زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کرنے پر تیار ہوں۔ بلکہ خدا سے یہ سودا کر چکے ہوں ''ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة'' اور زندگانی دنیا اور اس کے سب مفادات کو خوشنودی خدا اور جنت کا پروانہ حاصل کرنے کے لئے قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ باقی وہ لوگ جو دنیا کے مال ومنال یا اس کے جاہ وجلال کے طلب گار ہوں ان کو اس پر خار وادی میں قدم نہیں رکھنا چاہیے۔

مخلص مجاہدین ہر حال میں کامیاب ہیں

جب نیت خالص ہے، جہاد لوجہ اللہ اور ہدف اعلاء کلمۃ اللہ ہے تو ایسا مجاہد فی سبیل اللہ خواہ میدان کارزار میں کام آجائے یا فتح یاب ہو کر واپس آجائے، یعنی خواہ شہید ہو جائے یا غازی کہلائے وہ بہر حال کامران وکامیاب بھی ہے اور اخروی اجر و ثواب کا حقدار بھی ''فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین''

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ...الآية

باوجودیکہ مکہ میں کئی مرد، عورتیں اور بچے اسلام لا چکے تھے مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ جسمانی کمزوری یا اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے ہجرت کے وقت مکہ میں ہجرت نہ کر سکے تھے اور اب وہ کفار مکہ کے ظلم وجور کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے اور بعد ازاں کفار بھی ہجرت سے مانع ہوئے یہ کمزور لوگ نہ اپنا دفاع کر سکتے تھے اور نہ ہجرت کر سکتے تھے البتہ وہ صرف دعا ہی کر سکتے تھے کہ ''ربنا اخرجنا من ھذہ القریة الظالم اھلھا'' اس آیت میں خداوند جبار وقہار نے ان مظلوم ومجبور مسلمانوں کو اس بلا ومصیبت سے نجات دلانے کے لئے اہل اسلام کو کفار ومشرکین سے مقابلہ ومقاتلہ کرنے کی ترغیب دی ہے کہ جب جدال وقتال کے سب اسباب جمع ہیں

۱۔ خدا کے دین کا بول بالا کرنا۔ ۲۔ اپنے کمزور بہن بھائیوں اور بچوں کی ظالموں کے پنجۂ ظلم واستبداد سے گلوخلاصی کرانا۔ ۳۔ مجبور ومقہور دینی بھائیوں کی آواز استغاثہ پر لبیک کہنا تو پھر تم کفار سے جنگ کیوں نہیں کرتے؟ بہر حال انہی مظلوموں کی آہ وبکا اور دعا واستدعا کا یہ نتیجہ تھا کہ فتح مکہ کے دن پیغمبر اعظمؐ دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ کفار مکہ پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے اپنے بند دروازے نبی رحمت کے لئے کھول دیے اور بڑے بڑے جباروں اور سرداروں نے اپنی تنی ہوئی گردنیں بانی اسلام کے سامنے خم

کردیں اور اپنے دیدا وردل فرش راہ کردیے اور اسطرح خدائے قدیر نے ان مظلوموں کی مخلصی کی صورت پیدا کی اور زمین وآسماں کی ہواؤں اور فضاؤں میں ''لقد فتحنا لك فتحا مبینا'' کے نقارے بجنے لگے اور اس طرح خدائے رحیم وکریم نے ان مظلوموں کی دعا ''پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست قرار دے'' قبول فرمائی اور ان کو ظالموں کے پنجۂ ظلم وجور سے نجات دلائی اور پیغمبرؐ کو ان کا سرپرست اور مددگار بنایا۔

آیات القرآن

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ
سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ
كَانَ ضَعِيْفًا ۧ ۷۶ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ
مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا
لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ
مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ
فَتِيْلًا ۷۷ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ
مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ
تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ
فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۷۸

ترجمۃ الآیات

جولوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ

میں جنگ کرتے ہیں۔پس تم شیطان کے حوالی موالی (حامیوں) سے جنگ کرو۔ یقینا شیطان کا مکروفریب نہایت کمزور ہے(۷۶) کیاتم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رہواور نماز پڑھواور زکوۃ ادا کرو۔ پر جب ان پر جدال وقتال فرض کر دیا گیاتو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے یا اس سے بھی زیادہ۔اور کہنے لگا پروردگار! تونے کیوں (اتنا جلدی) ہم پر جہادفرض کر دیا اور تھوڑی مدت تک ہمیں مہلت کیوں نہ دی؟ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہےاور جومتقی و پرہیز گار ہے اس کے لئے آخرت بہت بہتر ہےاورتم پر کھجور کی گھٹلی کے ریشہ برابر (ذرہ بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا(۷۷)تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تمہیں آئے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہواور جب انہیں بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب کوئی برائی اور تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہے۔کہد یجئے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے آخران لوگوں کوکیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات سمجھتے ہی نہیں ہیں؟ (۷۸)

تفسیر الآیات

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْن...الآیۃ۷۶

خداوند عالم نے آیت نمبر ۷۱ میں دستوں کی شکل میں اورلشکر جرار کی صورت میں جہاد کرنے کا حکم دیا۔آیت نمبر ۷۴ میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔اورآیت نمبر ۷۵ میں نرغہ اعداء میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی گلوخلاصی کرانے کی خاطر قتال کا حکم دیا جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ زمین کے جس خطہ میں بھی مسلمان کفار کے پنجہ ظلم میں گرفتار ہوں تو دوسرے تمام مسلمانوں پر فرض کفائی ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مخلصی کی کوئی سبیل پیدا کریں۔

جہاد کرنے والوں کی اقسام

بہرحال اس آیت میں خدا نے جہاد وقتال کرنے والوں کی تقسیم کی ہے کہ ان کی دوقسمیں ہیں

۱۔کچھ اہل ایمان جوکلمہ حق بلند کرنے،نظام عدل قائم کرنے،اسلامی اقدار کواجاگر کرنے اورقرآنی

تعلیمات کو عام کرنے کے لئے جنگ لڑتے ہیں

۲۔اور کچھ کافر ہیں طاغوت یعنی شیطان کی راہ میں یعنی کسی ملک پر ناجائز قبضہ کرنے، آزاد قوموں کو غلام بنانے کے، اسلام مٹانے، کفر پھیلانے اور مفتوحہ ممالک کے تمام قدرتی وسائل وذخائر کو اپنے زیر استعمال لانے الغرض تمام تر مادی اور دینوی فوائد حاصل کرنے کے لے جنگ کرتے ہیں۔

یہی مقصد و ہدف کا اختلاف ہے جو ایک ہی کام (جنگ) کو کبھی قابل داد و تحسین بنا دیتا ہے اور کبھی لائق ملامت ونفرین بنا دیتا ہے مقصد کے اختلاف سے ایک ہی کام کی نوعیت بدل جاتی ہے کہیں باعث اجر وثواب قرار دے دیا جاتا ہے اور کہیں موجب عذاب وعقاب یہ ہے

''انما الاعمال بالنیات۔۔۔ونیة المومن خیر من عمله ونیة الکافر شر من عمله ولکل امرء مانوی'' مومن اپنا کام کر رہے ہیں اور کفار اپنا کام انجام دے رہے ہیں

یہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے
وہ اپنی وضع کیوں بدلیں

الغرض قرآن نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ وہ جنگ کا حکم اسلئے نہیں دیتا کہ مسلمان دوسرے لوگوں پر چڑھ دوڑیں، بلکہ اس لئے حکم دیتا ہے کہ مظلوموں کی حمایت کریں اور انہیں ظالموں کے پنجۂ ظُلم سے بچائیں۔ خداوند عالم اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ شیطان کے حوالی موالی سے جنگ کرو۔اور جہاد سے اپنے مقاصد حاصل کرنے اور شیطان کے حامیوں کے مذموم مقاصد کو خاک میں ملانے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دو۔تم حق پر سرست حق بین اور حق جو ہو اور وہ باطل پرست اور باطل نواز ہیں لہٰذا وہ۔جس قدر چاہیں حرب وضرب کی چالیں چلیں اور جس قدر چاہیں لاؤ لشکر جمع کریں اور زبردست تیاری کریں تمہیں ہرگز خوف زدہ وہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ناکامی ان کا مقدر ہے اسلئے شیطان کا مکر وفریب کمزور ہے اور فتح وفیروزی تمہارا نصیب ہے اسلئے کہ حق وصداقت لب سے بڑی قوت وطاقت ہے صرف شرط یہ ہے کہ آدمی مومن ہو اور اس کی نیت خالص ہو۔

''ان اللہ لا یھدی کید الخائنین نصر من اللہ وفتح قریب'' اونچا ہے اپنا علم۔بڑھتے رہیں یونہی قدم۔حی علی خیر العمل۔

فائدہ

واضح رہے کہ یہاں قرآن نے شیطان کے مکر وفریب کو کمزور قرار دیا ہے خدا کا وعدہ ہے کہ وحقا علینا نصر المومنین اور سورہ یوسف میں عورتوں کے مکر کو عظیم قرار دیا ہے۔اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ مکر

وطاقت میں اس طرح کا اختلاف ہے۔طاقت زیادہ ہوتی ہے تو مکر کمزور ہوتا ہے اور طاقت کمزور ہوتی ہے تو سارا کام مکر ہی سے نکالا جاتا ہے (انوار القرآن)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ ...الآیۃ''

اس آیت کی شان نزول مفسرین نے بالاتفاق یہ لکھی ہے کہ ہجرت سے پہلے سرزمین مکہ میں کفار ومشرکین پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کو حد سے زیادہ اذیتیں اور تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے اور کئی بار ایسا ہوا کہ مسلمانوں کے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہم کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ چکے ہیں ہمیں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں مگر آنحضرتؐ ہر بار بحکم پروردگار یہی فرماتے کہ نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے پر اکتفا کرو۔اور جنگ سے ہاتھ روکے رکھو کیونکہ ہمیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں بلکہ صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ ہجرت کے پہلے سال بھی مسلمانوں کا یہ اصرار جاری رہا مگر آنحضرتؐ اس سلسلہ میں یہی جواب دیتے کہ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو۔اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔یہی وجہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر پورا ایک سال گذر گیا مگر آنحضرتؐ نے نہ کوئی اسلحہ فراہم کیا اور نہ کوئی دوسرا سامان ضرب وحرب جمع فرمایا۔اسی لئے تو کفار نے مسلمانوں پر جنگ بدر مسلط کی مسلمان مجاہدین کی تعداد تین سو تیرہ تھی، کل تیرہ عدد تلواریں تھیں اور کل جمع دو گھوڑے تھے جس سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح وآشکار ہوجاتی ہے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد بھی خدا ورسولؐ کا ہدف اور مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔یہ تو جب بادل نخواستہ آپ کے سر پر آ گئی تو آپ کو چارو ناچار لڑنی پڑی۔حتی کہ جب ۲ھ میں مسلمانوں کو ''اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا'' کہہ کر دفاعی جہاد کی اجازت ملی تو وہی لوگ جو حکم پروردگار (اور اپنے ہاتھوں کو روکتے) رہو اور نماز پڑھو اور زکوۃ ادا کرو، کے حکیمانہ حکم کے خلاف اصرار کررہے تھے کہ ہمیں قتال وجدال کی اجازت دی جائے تو کفار کے مدینہ پر حملہ کرنے کے منصوبہ سے جب دفاعی جنگ کرنے کا فریضہ عائد ہوگیا (کتب علیکم القتال) تو خداوند عالم نے انہی لوگوں کی یہ کیفیت بیان فرمارہا ہے کہ ''یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ'' وہ لوگوں (کفار) سے اس طرح ڈرنے لگے جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے ''ربنا لم کتبت علینا القتال'' اے ہمارے پرودگار! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی؟ ''لولا اخرتنا'' اور ہمیں تھوڑے زمانہ تک مہلت کیوں نہ دی۔(جو خدا سے زیادہ بندوں سے ڈرے کیا وہ مومن ہوسکتا ہے) اب مسلمان یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ جو اللہ سے زیادہ آدمیوں سے ڈرتے ہوں کیا وہ واقعی جوہر ایمان کے حامل سمجھے جاسکتے ہیں (فصل الخطاب)

یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی

''علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔جب تک نماز وروزہ کا حکم تھا تو اس وقت تک تو پکے مومن بنے رہے اب جب اسلام کی سربلندی کے لے سر کٹانے کا موقع آیا تو اوسان خطا ہو گئے۔(ضیاء القرآن)

فتوحات سے پہلے بھی منافق موجود تھے

ہم نے سورہ بقرہ کے آغاز میں لکھا ہے کہ مکہ میں بھی منافق موجود تھے (اگر چہ کم تھے) مگر برادران اسلامی کے اکثر مفسرین نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ منافقین کا وجود مدینہ پہنچنے کے بعد اس وقت سے ہوا جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔اس سے پہلے تو ابتلاء وآزمائش کا دور تھا اس دور کے اسلام لانے والے سب لوگ خالص ومخلص مومن تھے۔ان میں کوئی منافق موجود نہیں تھا'' مگر علامہ قرطبی نے یہ کہہ کر کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے بہت پہلے کی ہے مسلمان تازہ ہجرت کر کے مدینہ آئے ہیں۔سب مہاجرین اور سابق الاسلام ہیں مگر قرآن خبر دے رہا ہے کہ مہاجرین اور سابقین میں ''راسخ فی الایمان'' مومنین کم ہی تھے۔اور زبانی جمع خرچ کرنے والے اور قول وفعل میں تضاد رکھنے والے زیادہ تھے۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

لمحہء فکریہ:

یہ طبقہ جس کا خداوند عالم یہاں اور دوسرے بہت سے مقامات پر قرآن میں شکوہ وشکایت کر رہا ہے شرف صحابیت رسولؐ سے مشرف تھا، جسے امت کی اکثریت واجب الاقتداء سمجھتی ہے۔اور اس طبقہ کے اقوال واعمال کے متعلق کف لسان اور غض بصر یعنی زبان کو روکنے اور آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو ممنوع قرار دیتی ہے مگر خدائے علیم وحکیم الم تر (کیا تم نے نہیں دیکھا؟) کہہ کر قرآن میں ان کے اقوال واعمال کو دیکھنے کا حکم دے رہا ہے اور آنکھیں بند کرنے کو پسند نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے کہ آنکھیں کھولو اور اس طبقہ کے ہر ہر شخص کے قول وفعل کو دیکھو اور پرکھو۔اور آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے نہ چلو بلکہ دیکھو کہ کس کا کردار مرضی پروردگا کے مطابق رہا ہے اور کس پر عتاب کے تازیانے پڑے ہیں'' (فصل الخطاب)

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا...الآية

اس عنوان کلام سے ان لوگوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ایک نہ ایک دن موت آ کے رہے گی اس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ اگر چہ تم محکم و مضبوط قلعوں میں بھی قلعہ بند ہو جاؤ۔ تو جب مقررہ وقت آئے گا تو موت تمہیں وہاں سے بھی پکڑ لے گی تو جب موت سے بچ نہیں سکتے اور اگر جہاد سے جان بچا بھی لو تو موت سے تم نہیں بچ سکتے ہو تو بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے یہ بہتر نہیں ہے کہ میدان جہاد میں اپنی جان جان آفرین کے حوالے کی جائے؟؟ بروج برج کی جمع ہے جس کے معنی قلعہ اور محل کے ہیں اور مشید کے معنی محکم و مضبوط اور بلند و بالا کے ہیں۔ بہر حال دنیا اور اس کی نعمات سب فانی اور آنی جانی ہیں اور آخرت اور اس کی نعمتیں دائمی اور جاودانی ہیں اور یہ آخرت والا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے ''تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فى الارض ولا فسادا'' لہٰذا دائمی، ابدی اور لازوال نعمتوں کو نظر انداز کر کے فانی اور عارضی کو منتخب کرنا حماقت ہے، دانشمندی نہیں ہے

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ...الآية

یہ ہے اس عہد کے مسلمانوں کی روش و رفتار کہ جب کسی جنگ میں فتح و فیروزی اور کامیابی حاصل ہوئی یا کوئی دنیاوی نعمت مل گئی تو اسے تو اللہ کی طرف سے اور اللہ کا فضل قرار دے دیا اور یہ بھول گئے کہ اللہ نے یہ فضل نبی کے توسط سے کیا ہے اور اگر کہیں اپنی بے تدبیری سے شکست ہوئی یا کبھی اپنی بدعملی کی وجہ سے کوئی مصیبت پیش آئی تو اس کی ذمہ داری حضرت رسول خداؐ پر عائد کر دی اور خود بری الذمہ ہو گئے کہ آپ نے یوں کیا اور یوں کہا تب یہ صورت حال پیش آئی۔ بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ روش تھی۔ ''فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى''۔(اعراف آیت۔۱۳۱) جب انہیں کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو ہمارا حق ہے اور اگر کوئی برائی پیش آتی ہے تو وہ اسے جناب موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے ان سے کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ فتح بھی اور شکست بھی، نعمت بھی اور مصیبت بھی، فرق صرف اس قدر ہے کہ فتح و نعمت اللہ کا امتنان و امتحان ہے اور شکست و مصیبت تمہاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفوا عن كثير'' مفسر قمی حضرات معصومین علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا! قرآن مجید میں حسنات کا لفظ دو (۲) معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ صحت و سلامتی اور وسعت رزق وغیرہ۔

۲ نیک عمل۔

جیسے ارشاد قدرت ہے ''ومن جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' کہ جو ایک نیکی کرے گا خدا اسے دس گنا ثواب عطا کرے گا۔ فرمایا اسی طرح قرآن مجید میں حسنات کا لفظ بھی دو معنوں میں استعمال ہوا ہے

۱۔ خوف، بیماری اور شدت وسختی وغیرہ۔

۲۔ وہ برے کام جن پر خدا سزا دیتا ہے (تفسیر قمی)

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ (اتنی واضح) بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔ کلام الٰہی کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہ بات انہی لوگوں سے متعلق ہے جن کا پہلے ذکر ہو رہا تھا کہ پہلے تو جدال وقتال کی اجازت کا تقاضا کرتے تھے اور جب جنگ واجب ہوئی تو جان بچانے کے لئے اس سے پہلو تہی کرنے لگے اوپر مفسر قرطبی کی تصریح گذر چکی ہے۔ کہ مذکورہ بالا آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ آیت بھی منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے چنانچہ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں ''یہ منافقوں کا ذکر ہے کہ اگر تدبیر جنگ راست آئی اور فتح وغنیمت ملی تو کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہوئی یعنی اتفاقاً بن گئی۔ حضرت تدبیر کے قائل نہ ہوتے تھے اور اگر بگڑ گئی تو الزام رکھتے حضرتؐ کی تدبیر کا اللہ نے فرمایا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے پیغمبر کی تدبیر اللہ کا الہام ہے، غلط نہیں (موضح القرآن) حقیقت تو یہ ہے کہ ''من عنداللہ کہنا بھی بطور حمد نہ تھا'' بلکہ بطور محاورہ زبان تھا۔ جیسے اردو میں لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں'' (تفسیر ماجدی)

مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ کے لئے لمحۂ فکریہ:

مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو پیغمبر اسلامؐ کے دینی اور دنیوی کاموں میں تفریق کا قائل ہے۔ کہ دینی وشرعی معاملات میں تو آنحضرتؐ سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ ''ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى'' مگر دینوی امور میں بحیثیت بشر ان سے غلطی کا امکان تھا۔ ان لوگوں کے لئے اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں لمحۂ فکریہ ہے جہاں خدا نے اس نظریہ کی روفرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ رسول کا ہر قول وفعل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

''وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى'' اور اسی بنا پر فرمایا کہ ''من يطع الرسول فقد اطاع الله'' جس نے پیغمبرؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، کیونکہ پیغمبرؐ کا ہر حکم وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور آپ کا ہر کام واقدام منشائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔